معارفِ رضا کراچی

سالنامہ 2010ء
۱۴۳۱ھ

مدیرِ اعلیٰ

سید وجاہت رسول قادری

مدیر

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی)

اسلامی جمہوریہ پاکستان

www.imamahmadraza.net

ISBN No. 978-969-9266-04-1

جلد : 30 | شمارہ : 1,2,3

جنوری تا مارچ ۲۰۱۰ء محرم الحرام تا ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

ہدیہ شمارہ خاص: 350 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/300 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے
بیرونِ ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔
زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

رقم دستی یا منی آرڈر/بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار/مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

I.S.B.N. No. 978-969-9266-04-1

عَطَاءُ النُّور لِمِصْبَاحِ الشُّهُور

مدیرِ اعلیٰ:	صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری
مدیر:	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل
کراچی، پاکستان
www.imamahmadraza.net

نام کتاب	ــــــــــــــــــــــــــــــ	مصباح الشہور (سالنامہ "معارفِ رضا")
پروف ریڈنگ	ــــــــــــــــــــــــــــــ	ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی / محمد ندیم اختر القادری رضوی
کمپوزنگ	ــــــــــــــــــــــــــــــ	عمار ضیاء خاں / مرزا فرقان احمد
تاریخ اشاعت	ــــــــــــــــــــــــــــــ	۶؍ فروری ۲۰۱۰ء / ۲۱؍ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
صفحات	ــــــــــــــــــــــــــــــ	۳۹۰
قیمت	ــــــــــــــــــــــــــــــ	۳۵۰ روپے

ناشر

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹر نیشنل

۲۵۔ جاپان مینشن، رضا (ریگل) چوک، صدر،

کراچی، پاکستان

فون: 0092-21-32725150 فیکس: 0092-21-32732369

ای۔ میل: imamahmadraza@gmail.com

ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

حرفِ اوّل

"معارفِ رضا" کا ۳۰واں سال نامہ اپنے معیار و نکھار کو برقرار رکھے ہوئے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ادارے کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ معارفِ رضا کا ہر شمارہ اور خاص طور پر سال نامہ رضویات کے متعلق علما و محققین و اسکالرز کے تحقیقی مواد سے بھرپور ہو۔ امسال معارفِ رضا کا سال نامہ ایک خاص نوعیت کا حامل ہے۔ اِس میں سال کے بارہ مہینوں سے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ الرحمن کے رسائل کو ترتیب دیا گیا ہے جس سے یہ بارہ ماہ کے فضائل و برکات، عبادات و وظائف، روزے اور نوافل کے علاوہ سینکڑوں شرعی احکام کا بھی حسین گُل دستہ بن گیا ہے۔ اگرچہ فتاوٰی رضویہ اور امامِ اہلِ سنّت کے دیگر ہزاروں فتاوٰی میں ہر ماہ کے متعلق مختصر و جامع فتاوٰی☆ ملتے ہیں مگر ادارے نے اُن فتاوٰی سے قطع نظر صرف اُن ہی رسائل کو اِس سال نامے کی زینت بنایا ہے جو بارہ مہینوں کے متعلق ہیں۔ رضویات میں یہ ایک انوکھا اور خوب صورت کام ہے جو اس سے پہلے شاید نہیں ہوا۔

بارہ ماہ کے متعلق اوراد و وظائف و عبادات کی ایک خوب صورت کتاب شیخ محقق شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ماثبت بالسنۃ کے نام سے تصنیف فرمائی تھی جو اسلامی دنیا میں بہت مشہور و معروف ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی علما نے اس موضوع پر کتابیں تالیف کی ہیں جو اس شمارے کو ترتیب دیتے ہوئے ہمارے پیشِ نظر رہیں۔ ہم رضا فاؤنڈیشن (لاہور)، رضا اکیڈمی (ممبئی، انڈیا) اور المدینۃ العلمیہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی مطبوعات سے ہم نے استفادہ کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ "معارفِ رضا" کے قارئین کو ہمارا یہ منفرد تحفہ بے حد پسند آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

﴿ادارہ﴾

☆ مثلاً محرم الحرام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے، ماہِ رمضان المبارک میں ۱۷ تاریخ کو غزوۂ بدر اور ۲۱ کو مولیٰ مشکل کشا کی شہادت ہے اور اسی طرح دیگر تمام ماہ ہائے سال میں کوئی نہ کوئی اہم واقعہ ضرور ہے جس پر امامِ اہلِ سنّت کی تحریرات موجود ہیں مگر خوفِ طوالت کی بنا پر ہم انہیں اپنے رسالے کی زینت نہ بنا سکے۔

فہرست

پیش لفظ

﴿اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ﴾

مسئلہ:

قمری مہینے کبھی گرمی سردی کبھی برسات میں ہوتے ہیں اور ہندی مہینے کیوں ہمیشہ ایک ہی موسم میں ہوتے ہیں؟

جواب:

موسموں کی تبدیلی خالق عزوجل نے گردشِ آفتاب پر رکھی ہے مثلاً تحویلِ برجِ حمل سے ختم جوزا تک فصلِ ربیع ہے۔ پھر تحویلِ سرطان سے ختم سنبلہ تک گرمی، پھر تحویلِ میزان سے ختم قوس تک خریف پھر تحویلِ جدی سے ختم حوت تک جاڑا۔ یہ آفتاب کا ایک دورہ ہے کہ تقریباً ۳۶۵ دن اور پونے چھ گھنٹے میں کہ پاؤ کے قریب ہوا پورا ہوتا ہے۔ اور عربی شرعی مہینے قمری ہیں کہ ہلال سے شروع اور ۳۰ یا ۲۹ دن میں ختم ہوتے ہیں اور یہ بارہ مہینے یعنی قمری سال ۳۵۴ یا ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے تو شمسی سال سے دس یا گیارہ دن چھوٹا ہے۔ سمجھنے کے لیے کسرات چھوڑ کر شمسی سال ۳۶۵ قمری ۳۵۵ ہی رکھیے کہ دس دن کا فرق ہوا۔ اب فرض کیجیے کہ کسی سال یکم رمضان شریف یکم جنوری کو ہوئی تو آئندہ سال ۲۲ر دسمبر کو یکم رمضان ہوگی کہ قمری بارہ مہینے ۳۵۵ دن میں ختم ہو جائیں گے اور شمسی سال پورا ہونے کو ابھی دس دن اور درکار ہیں۔ پھر تیسرے سال یکم رمضان ۱۲ر دسمبر کو ہوگی۔ چوتھے سال یکم دسمبر کو ہوگی۔ تین برس میں ایک مہینہ بدل گیا۔ پہلے یکم جنوری کو تھی، اب دسمبر کو ہوئی۔ یوں میں ہر تین برس میں ایک مہینہ بدلے گا اور رمضان المبارک ہر شمسی مہینے میں دورہ فرمائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعینہٖ یہی حالت ہندی مہینوں کی ہوتی اگر وہ لوندنہ لیتے۔ انہوں نے سال رکھا شمسی اور مہینے لیے قمری تو ہر برس دس دن گھٹ گھٹ کر تین برس بعد ایک مہینہ گھٹ گیا۔ لہٰذا ہر تین سال پر وہ ایک مہینہ مقرر کر لیتے ہیں تا کہ شمسی سال سے مطابقت رہے ورنہ کبھی جیٹھ جاڑوں میں آتا اور پوس گرمیوں میں بلکہ نصارٰی جنہوں نے سال و ماہ سب شمسی لیے، اگر ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری ۲۹ دن کی نہ کرتے، اُن کو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جون کا مہینہ جاڑوں میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں۔ یوں کہ سال ۳۶۵ دن کا لیا اور آفتاب کا دورہ ابھی چند گھنٹے بعد پورا ہو گا کہ جس کی مقدار تقریباً ۶ گھنٹے تو پہلے سال شمسی سال دورۂ آفتاب سے ۶ گھنٹے پہلے ختم ہوا، دوسرے سال ۱۲ گھنٹے پہلے، تیسرے سال ۱۸ گھنٹے پہلے، چوتھے سال تقریباً چوبیس گھنٹے اور چوبیس گھنٹے کا ایک دن رات ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھادیا کہ دورۂ آفتاب سے مطابقت رہے لیکن دورۂ آفتاب پورے ۶ گھنٹے زائد نہ تھا بلکہ تقریباً پونے چھ گھنٹے تو چوتھے سال پورے ۲۴ گھنٹے کا فرق نہ پڑتا تھا بلکہ تقریباً ۲۳ گھنٹے کا ایک گھنٹہ اور بڑھالیا۔ ایک دن کے چوبیس گھنٹے ہیں۔ تو یوں ہر چار سال میں شمسی سال دورۂ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھے گا۔ سو برس بعد تقریباً ایک دن بڑھ جائے گا۔ لہٰذا صدی پر ایک دن گھٹا کر پھر فروری ۲۸ دن کا کر لیا۔ اس طرح اور کسرات کا حساب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

﴿عرفانِ شریعت کامل سہ حصص، ص:۱۷، سُنّی دارالاشاعت، لائل پور﴾

سالنامہ
معارفِ رضا کراچی

کے اس تاریخی شمارے کے اجرا پر

دلی مبارک باد

منجانب:

الحاج عبد الرزاق تابانی

محرم الحرام

مشمولات | صفحہ نمبر

نفیرِ دل تفتگان کرب و بلابَر در حسین سیّدالشہدا ء

علیٰ جدّہٖ وعلیہ الصلوٰۃ والثناء

یا شہیدِ کربلا یا دافعِ کرب و بلا ‌ ‌ ‌ گُل رُخا شہزادۂ گلگوں قبا امداد کُن

اے حُسین اے مصطفٰے را راحتِ جاں نورِ عین ‌ ‌ ‌ راحتِ جاں نورِ عینم دہ بیا امداد کُن

اے ز حسنِ خلق و حسنِ خلق احمد نسخۂ ‌ ‌ ‌ سینہ تا پا شکلِ محبوبِ خدا امداد کُن

جانِ حُسن ایمانِ حُسن اے کانِ حُسن اے شانِ حُسن ‌ ‌ ‌ اے جمالت لمعِ شمعِ منۡ رأیٰ امداد کُن

جانِ زہرا و شہیدِ زہر را زور و ظہیر ‌ ‌ ‌ زہرتِ از ہارِ تسلیم و رضا امداد کُن

اے بواقع بیکسانِ دہر را زیبا کسے ‌ ‌ ‌ وے بظاہر بیکسِ دشتِ جفا امداد کُن

اے گلویت گہ لبانِ مصطفٰے را بوسہ گاہ ‌ ‌ ‌ گہ لبِ تیغِ لعیں را حسرتا امداد کُن

اے تنِ تو گہ سوارِ شہسوارِ عرش تاز ‌ ‌ ‌ گہ چناں پامالِ خیلِ اشقیا امداد کُن

اے دل و جانہا فدائے تشنہ کامیہائے تو ‌ ‌ ‌ اے لبت شرحِ رضینا بالقضا امداد کُن

اے کہ سوزت خان مانِ آب را آتش زدے ‌ ‌ ‌ گر نہ بودے گریۂ ارض و سما امداد کُن

ہے چہ بحر و تفتگی کوثر لب و ایں تشنگی ‌ ‌ ‌ خاک بر فرقِ فرات از لب مرا امداد کُن

ابرِ گوہر گز مبار و نہر گوہر گز مریز

خود لبت تسلیم و فیضت حبّذا امداد کُن

اَعَالِی الْاِفَادَۃِ فِی تَعْزِیَۃِ الْھِنْدِ وَبَیَانِ شَھَادَۃٍ

(۱۳۲۱ھ)

(ہندوستان میں تعزیہ داری اور بیانِ شہادت
کے احکام سے متعلق بلند پایہ فوائد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان احسن تعزیۃ لقلوب المسلمین فیما ھجم من البدعات علی اعلام الدین ان الحمد للہ رب العٰلمین وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علیٰ سیّد الشھداء بالحق یوم القیام وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہ الغرر الکرام اٰمین!

دینی شعائر پر بدعات کے ہجوم کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں کے لیے بہترین تعزیت، اللہ تعالیٰ رب العالمین کی حمد، اور قیامت کے روز حق کی شہادت دینے والوں کے سردار پر بہترین صلوٰۃ اور کامل ترین سلام اور اُن کی آل و اصحاب ممتاز عزت والوں پر۔ آمین!

سوال اول ۲۴ صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ داری کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب

تعزیہ کی اصل اس قدر تھی کہ روضۂ پُر نور شہزادۂ گلگوں قبا حسین شہید ظلم و جفا صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیٰ جدّہ الکریم وعلیہ کی صحیح نقل بناکر بہ نیت تبرک مکان میں رکھنا اس میں شرعاً کوئی حرج نہ تھا کہ تصویر مکانات وغیرہا ہر غیر جاندار کی بنانا، رکھنا، سب جائز، اور ایسی چیزیں کہ معظمانِ دین کی طرف منسوب ہو کر عظمت پیدا کریں ان کی تمثال بہ نیت تبرک

پاس رکھنا قطعاً جائز، جیسے صدہا سال سے طبقۃً فطبقۃً ائمۂ دین و علمائے معتقدین نعلین شریفین حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشے بناتے اور ان کے فوائد جلیلہ و منافع جزیلہ میں مستقل رسالے تصنیف فرماتے ہیں جسے اشتباہ ہو[1] امام علامہ تلمسانی کی فتح المتعال وغیرہ مطالعہ کرے، مگر جُہّال بیخرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کرکے صدہا خرافات وہ تراشیں کہ شریعتِ مطہرہ سے الاماں الاماں کی صدائیں آئیں، اوّل تو نفسِ تعزیہ میں روضۂ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی، ہر جگہ نئی تراش نئی گھڑت جسے اُس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت، پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں اور بیہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ و دشت بدشت، اشاعتِ غم کے لیے اُن کا گشت، اور ان کے گرد سینہ زنی، اور ماتم سازشی کی شور افگنی، کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغولِ طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہے، کوئی اُن مایۂ بدعات کو معاذ اللہ معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام علیٰ جدّہ وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام سمجھ کر اس ابرک پنّی سے مرادیں مانگتا منّتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے، پھر باقی تماشے، باجے، تاشے، مردوں عورتوں کا راتوں کو میل، اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل ان سب پر طرّہ ہیں۔ غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت و محلِ عبادت ٹھہرا ہوا تھا، ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطورِ خیرات نہ رکھا، ریاء و تفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے، روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں، رزقِ الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے، پیسے ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مال کی اضاعت ہو رہی ہے، مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں، اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے بجتے چلے، طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہا حضرات شہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے جنازے ہیں، کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ دفن کر دیے۔ یہ ہر سال اضاعتِ مال کے جُرم و وبال جدا گانہ رہے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ حضرات شہدائے کربلا علیہم الرضوان والثناء کا ہمارے بھائیوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے اور بُری باتوں سے توبہ عطا فرمائے، آمین! اب کہ تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے، ہاں اگر اہلِ اسلام جائز طور پر حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کی ارواحِ طیبہ کو ایصالِ ثواب کی سعادت پر اقتصار کرتے تو کس قدر خوب و محبوب تھا اور اگر نظرِ شوق و محبت میں نقل روضۂ انور کی حاجت تھی تو اُسی قدر جائز پر قناعت کرتے کہ صحیح نقل بغرض تبرک و زیارت اپنے مکانوں میں رکھتے اور اشاعتِ غم و تصنع الم و نوحہ زنی و ماتم کنی و دیگر امورِ شنیعہ و بدعاتِ قطعیہ سے بچتے اس قدر میں بھی کوئی حرج نہ تھا مگر اب اس نقل میں بھی اہلِ بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہلِ اعتقاد کے لیے ابتلاءِ بدعات کا اندیشہ ہے، اور حدیث میں آیا ہے:

---

[1] ۔ ہمارا رسالہ شفاء الوالہ فی صور الحبیب و مزارہ و نعالہ دیکھیے صلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب وآلہ وبارک وسلم ۱۲ منہ۔

اتقوا مواضع التھم[1] (تہمت کے مواقع سے بچو۔ت)

اور وارد ہوا:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التھم۔[2]

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہرگز تہمت کے مواقع میں نہ ٹھہرے۔(ت)

لہٰذا روضۂ اقدس حضور سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے پر قناعت کرے اور اسے بقصد تبرک بے آمیزش منہیات اپنے پاس رکھے جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظمہ اور روضۂ عالیہ کے نقشے آتے ہیں یا دلائل الخیرات شریف میں قبور پُر نور کے نقشے لکھے ہیں والسلام علی من اتبع الھدی، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال دوم

ازامروہہ مرسلہ مولوی سیّد محمد شاہ صاحب میلاد خواں ۲۲/شعبان ۱۳۱۱ھ

کیا ارشاد ہے علمائے دین متین کا اس مسئلہ میں کہ مجالس میلاد شریف میں شہادت نامہ کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

شہادت نامے نثر یا نظم جو آج کل عوام میں رائج ہیں اکثر روایاتِ باطلہ و بے سروپا سے مملو اور اکاذیب موضوعہ پر مشتمل ہیں، ایسے بیان کا پڑھنا سننا وہ شہادت ہو خواہ کچھ، اور مجلس میلاد مبارک میں ہو خواہ کہیں اور مطلقاً حرام وناجائز ہے، خصوصاً جبکہ وہ بیان ایسی خرافات کو متضمن ہو جن سے عوام کے عقائد میں تزلزل واقع ہو کہ پھر تو اور بھی زیادہ زہر قاتل ہے، ایسے ہی وجوہ پر نظر فرما کر امام حجۃ الاسلامی محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی وغیرہ ائمہ کرام نے حکم فرمایا کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے۔ علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں:

قال الغزالی وغیرہ یحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسن والحسین وحکایتہ[3] الخ

1۔ کشف الخفاء حدیث ۸۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۷

اتحاف السادۃ کتاب عجائب القلب بیان تفصیل مداخل الشیطان الی القلب، دار الفکر بیروت ۷/ ۲۸۳

2۔ مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ باب ادراک الفریضۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔ ص ۲۴۹۔

امام غزالی وغیرہ نے فرمایا کہ واعظ کے لیے حرام ہے کہ وہ شہادت حسنین کریمین اور اس کے بے سروپا واقعات لوگوں کو سنائے الخ (ت)

پھر فرمایا:

ما ذکرہ من حرمۃ روایۃ قتل الحسین وما بعدہ لا ینافی ما ذکرتہ فی ھذا الکتاب لان ھذا البیان الحق الذی یجب اعتقادہ من جلالۃ الصحابۃ وبراءتھم من کل نقص بخلاف ما یفعلہ الوعاظ الجھلۃ فانھم یأتون بالاخبار الکاذبۃ والموضوعۃ ونحوھا ولا یبینون المحامل والحق الذی یجب اعتقادہ۔[4] الخ

امام حسین کی شہادت اور اس کے بعد کے واقعات کی روایات کا حرام ہونا جو بیان کیا گیا وہ اس کے خلاف نہیں جو کچھ میں نے اس کتاب میں ذکر کیا کیونکہ یہ سچا بیان جو صحابہ کرام کی جلالتِ شان اور ہر نقص و کمزوری سے ان کی براءت پر مشتمل ہے اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے بخلاف اس کے جو جاہل واعظین بیان کرتے ہیں، وہ جھوٹی، بناوٹی اور خود ساختہ خبریں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کا محمل نہیں بیان کرتے حالانکہ حق پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ الخ (ت)

یونہی جبکہ اُس سے مقصود غم پروری و تصنّع و حُزن ہو تو یہ نیت بھی شرعاً نا محمود، شرع مطہر نے غم میں صبر و تسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دُور کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ غم معدوم، بہ تکلف وزور لانا نہ کہ بہ تصنع وزور بنانا، نہ کہ اسے باعثِ قرب و ثواب ٹھہرانا، یہ سب بدعاتِ شنیعۂ روافض ہیں جن سے سنی کو احتراز لازم، حاشاللہ اس میں کوئی خوبی ہوتی تو حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفاتِ اقدس کی غم پروری سب سے زیادہ اہم و ضروری ہوتی، دیکھو حضور اقدس صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ کا ماہِ ولادت و ماہِ وفات وہی ماہِ مبارک ربیع الاول شریف ہے پھر علمائے امت و حامیانِ سنّت نے اسے ماتم وفات نہ ٹھہرایا بلکہ موسمِ شادیِ ولادت اقدس بنایا، امام ممدوح کتابِ موصوف میں فرماتے ہیں:

ایّاہ ثمّ ایاہ ان یشغلہ (ای یوم عاشوراء) ببدع الرافضۃ ونحوھم من الندب والنیاحۃ والحزن اذلیس ذٰلک من اخلاق المؤمنین والالکان یوم وفاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولیٰ بذٰلک واحرٰی[5] الخ

3۔ الصواعق المحرقۃ الخاتمۃ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۲۳۔

4۔ الصواعق المحرقۃ، الخاتمۃ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۲۴۔

5۔ الصواعق المحرقۃ، الباب الحادی عشر الفصل الاول مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۸۳۔

بچے اور پرہیز کرے اس بات سے کہ کہیں یومِ عاشورہ میں روافض اور ان جیسے لوگوں کی بدعات میں نہ مشغول ہو جائے جو رونا پیٹنا اور غم کرنا ہوتا ہے کیونکہ یہ امور مومنوں کے اخلاق سے نہیں ورنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یومِ وصال ان چیزوں کا زیادہ حق رکھتا ہے اھ

(یعنی اگر رونے پیٹنے اور دُکھ غم کے مظاہروں کی گنجائش اور اجازت ہوتی تو سب سے زیادہ یہ چیزیں آپ کے یومِ وصال پر عمل میں آتیں اور دیکھی جاتیں)۔(ت)

عوام مجلس خواں اگرچہ بالفرض صرف روایات صحیحہ بروجہ صحیح پڑھیں بھی تاہم جو اُن کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے کہ ذکرِ شہادت شریف پڑھنے سے اُن کا مطلب یہی بہ تصنع رونا بہ تکلف رُلانا اور اُس سے رونے رلانے سے رنگ جمانا ہے اس کی شناعت میں کیا شبہہ ہے، ہاں اگر خاص بہ نیت ذکر شریف حضرات اہلبیت طہارت صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سید ہم وعلیہم وبارک وسلم اُن کے فضائل جلیلہ ومناقبِ جمیلہ روایاتِ صحیحہ سے بروجہ صحیح بیان کرتے اور اس کے ضمن میں اُن کے فضل جلیل صبر جمیل کے اظہار کو ذکرِ شہادت بھی آجاتا اور غم پروری وماتم انگیزی کے انداز سے کامل احتراز ہوتا تو اس میں حرج نہ تھا، مگر ہیہات اُن کے اطوار اُن کی عادات اس نیتِ خیر سے یکسر جُدا ہیں، ذکر فضائل شریف مقصود ہوتا تو کیا اُن محبوبانِ خدا کی فضیلت صرف یہی شہادت تھی، بے شمار مناقب عظیم اللہ عزّوجل نے اُنھیں عطا فرمائے۔ اُنھیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اُس میں طرح طرح سے بالفاظ رقّت خیز ونوحہ نما و معانی حُزن انگیز وغم افزا بیان کو وسعتیں دینا اُنھیں مقاصد فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے، غرض عوام کے لیے اُس میں کوئی وجہ سالم نظر آنا سخت دشوار ہے پھر مجلس ملائک مآنس میلاد اقدس تو عظیم شادی وخوشی وعید اکبر کی مجلس ہیں اذکار غم وماتم اُس کے مناسب نہیں، فقیر اُس میں ذکر وفات والا بھی جیسا کہ بعض عوام میں رائج ہے پسند نہیں کرتا حالانکہ حضور کی حیات بھی ہمارے لیے خیر اور حضور کی وفات بھی ہمارے لیے خیر، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اس تحریر کے بعد علامہ محدّث سیّدی محمد طاہر فتنی قدس سرہ الشریف کی تصریح نظر فقیر سے گزری اُنھوں نے بھی اس رائے فقیر کی موافقت فرمائی والحمد للہ رب العٰلمین، آخر کتاب مستطاب مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

شھر السرور والبھجۃ مظھر منبع الانوار والرحمۃ شھر ربیع الاول، فانہ شھر امرنا باظھار الحبور فیہ کل عام، فلا نکدرہ باسم الوفاۃ، فانہ یشبہ تجدید الماتم، وقد نصوا علی کراھیتہ کل عام فی سیدنا الحسین مع انہ لیس لہ اصل فی امھات البلاد الاسلامیۃ، وقد تحاشوا عن اسمہ فی اعراس الاولیاء فکیف فی سیّد الاصفیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔[6]

6 ۔ مجمع بحار الانوار خاتمۃ الکتاب دار الایمان المدینۃ المنوّرۃ ۵/ ۳۰۷۔

یعنی ماہِ مبارک ربیع الاول خوشی و شادمانی کا مہینہ ہے اور سرچشمۂ انوارِ رحمت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زمانۂ ظہور ہے، ہمیں حکم ہے کہ ہر سال اُس میں خوشی کریں، تو اسے وفات کے نام سے مکدر نہ کریں گے کہ یہ تجدیدِ ماتم کے مشابہ ہے، اور بے شک علماء نے تصریح کی کہ ہر سال جو سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ماتم کیا جاتا ہے شرعاً مکروہ ہے، اور خاص اسلامی شہروں میں اس کی کچھ بنیاد نہیں، اولیائے کرام کے عُرسوں میں نام ماتم سے احتراز کرتے ہیں تو حضور پُر نور سید الاصفیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معاملہ میں اُسے کیونکر پسند کرسکتے ہیں۔ فالحمد للہ علی ما الھم، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

سوال سوم

از ریاست رامپور محلہ میانگاناں مرسلہ مولوی محمد یحیٰی صاحب محرم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہادت نامہ پڑھنا کیسا ہے، اور اس میں اور تعزیہ داری میں فرقِ احکام کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ذکر شہادت شریف جبکہ روایاتِ موضوعہ وکلمات ممنوعہ ونیت نامشروعہ سے خالی ہو عین سعادت ہے۔

عند ذکر الصّٰلحین تنزّل الرحمۃ۔[7]

صالحین کے ذکر پر اللہ تعالٰی کی رحمت نازل ہوتی ہے (ت)

اس کی تفصیلِ جمیل فتاوٰی فقیر میں ہے اور اس میں اور تعزیہ داری میں فرقِ احکام ایک مقدمہ کی تمہید چاہتا ہے،

فاقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالٰی ہی کی مدد سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ت) شے کے لیے ایک حقیقت ہوتی ہے اور کچھ امور زوائد کہ لوازم یا عوارض ہوتے ہیں، احکام شرعیہ شے پر بحسبِ وجود ہوتے ہیں مجرد اعتبار عقلی ناصالح وجود مطمح احکام شرع نہیں ہوتا کہ فقہ افعال مکلّفین سے باحث ہے جو فعلیت میں آنہیں سکتا موضوع سے خارج ہے تغائر اعتبار سے تغائر احکام وہیں ہو سکتا ہے جہاں وہ اعتباراتِ واقعیہ مفارقہ متعاقبہ ہوں کہ شے کبھی ایک کے ساتھ پائی جائے کبھی دوسرے کے، تو ہر دو انحائے وجود کے اعتبار سے مختلف حکم دیا جاسکتا ہے اور ایسی جگہ مقصود ہے کہ نفس شے کا حکم اُن بعض احکام شے مع بعض الاعتبار سے جُدا ہو مگر زوائد کہ لوازم الوجود ہوں اُن کے حکم سے جُدا کوئی حکم حقیقت کے لیے نہ ہوگا کہ لازم سے انفکاک محال ہے جب لوازم میں یہ حال ہے تو ارکان حقیقت کہ سلخ ماہیت کا تغیر اعتبار شے نہیں بلکہ تغیر

---

7 ۔اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزلۃ الباب الثانی دارالفکر بیروت ۶/ ۳۵۰۔

ماہیت عرفیہ ہے مثلاً نماز عرفِ شرع میں مجموع ارکان مخصوصہ بہیأت معلومہ کا نام ہے، اب اگر کوئی ان ارکان سے جُدا بلکہ تبدیل ہیأت ہی کے ساتھ ایک صورت کا نام نماز رکھے جو قعود سے شروع اور قیام پر ختم ہو اور اس میں رکوع پر سجود مقدم، تو یہ حقیقتِ نماز ہی تبدیل ہوگی نہ کہ حقیقتِ حاصل، اور اعتبار مبتدل، جب یہ مقدمہ ممہد ہولیا فرقِ احکام ظاہر ہوگیا شہادت نامہ پڑھنے کی حقیقتِ عرفیہ صرف اس قدر کہ ذکر شہادت شریف حضرات ریحانینِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمانوں کے آگے پڑھا جائے، معاذاللہ روایات کا موضوع و باطل یا ذکر تنقیص شان صحابہ پر مشتمل ہونا ہرگز نہ داخلِ حقیقت ہے نہ لازم وجود، و لہٰذا جو لوگ روایاتِ صحیحہ معتبرہ نظیفہ مطہرہ مثل سر الشہادتین وغیرہ پڑھتے ہیں اُسے بھی قطعاً شہادت ہی پڑھنا اور مجلس کو مجلس شہادت ہی کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ امور نامشروعہ کہ عارض ہوگئے ہنوز عوارض ہی سمجھے جاتے ہیں اور عوارض قبیحہ سے نفس شئ مباح یا حسن قبیح نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اپنی حد ذات میں اپنے حکم اصلی پر رہتی اور نہی عوارج قبیحہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے جیسے ریشمیں کپڑے پہن کر نماز پڑھنا کہ نفس ذات نماز کو معاذاللہ قبیح نہ کہیں گے بلکہ ان عوارض و زوائد کو، تو شہادت ناموں میں ان عوارض کا لحوق بعینہٖ ایسا ہے جیسے آج کل بعض جہّالِ ہندوستان نے مجلس میلاد مبارک میں روایاتِ موضوعہ و قصص بے سروپا بلکہ کلمات توہینِ ملائکہ و انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء پڑھنا اختیار کیا ہے، اس سے حقیقت مبتدل نہ ہوئی، نہ عوارض نے دائرہ عروض سے آگے قدم رکھا جو مجالس طیبہ طاہر ہوتی ہیں انھیں بھی قطعاً مجالس میلاد مبارک ہی کہا جاتا ہے اور ہرگز کسی کو یہ گمان نہیں ہوتا کہ یہ کوئی دوسری شئ ہے جو اُن مجالس میلاد مبارک ہی کہا جاتا ہے اور ہرگز کسی کو یہ گمان نہیں ہوتا کہ یہ کوئی دوسری شئ ہے جو اُن مجالس سے حقیقت جُداگانہ رکھتی ہے، بخلاف تعزیہ داری کہ اُس کا آغاز اگرچہ یوں ہی سُنا گیا ہے کہ سلطان تیمور نے ازانجا کہ ہر سال حاضری روضۂ مقدسۂ حضور سید الشہداء شہزادہ گلگوں قبا علیٰ جدّہ الکریم علیہ الصّلوٰۃ والثناء کو مخل امورِ سلطنت دیکھا تو بنظرِ شوق و تبرک تمثال روضۂ مبارک بنوائی اور اس قدر میں کوئی حرج شرعی نہ تھا مگر یہ امر حقیقتِ متعارفہ سے وجوداً و عدماً بالکل بے علاقہ ہے اگر کوئی شخص روضۂ انور مدینہ منورہ و کعبہ معظّمہ کے نقشوں کی طرح کاغذ پر تمثال روضۂ حضرت سید الشہداء آئینہ میں لگا کر رکھے ہرگز نہ اُسے تعزیہ کہیں گے نہ اُس شخص کو تعزیہ دار، حالانکہ اُتنا امر قطعاً موجود ہے اور یہ ہر سال نئی نئی تراش و خراش کی کھپچی پٹّیاں، کسی میں بُراق، کسی میں پریاں، جو گلی کوچے گشت کرائی جاتی ہیں ہرگز تمثال روضۂ مبارک حضرت سید الشہداء نہیں کہ تمثال ہوتی تو ایک طرح کی نہ کہ صدہا مختلف، انھیں ضرور تعزیہ اور ان کے مرتکب کو تعزیہ دار کہا جاتا ہے تو بداہۃً ظاہر کہ حقیقت تعزیہ داری انھیں امورِ نامشروعہ کا نام ٹھہرا ہے نہ کہ نفس حقیقت عرفیہ وہی امر جائز ہو اور یہ نامشروعات امور زوائد و عوارض مفارقہ سمجھے جاتے ہوں، و لہٰذا فقیر نے اپنے فتاوے میں قدر مباح کو ذکر کر کے کہا کہ جہال بیخرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کر کے الخ، اور آخر میں کہا اب کہ تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ یہ اسی فرق جلیل و نفیس کی طرف اشارہ تھا جو اس مقدمہ ممہدہ میں گزرا۔

بالجملہ شہادت نامے کی حقیقت ہنوز وہی امر مباح و محمود ہے اور شنائع زوائد و عوارض اگر اُن سے خالی اور نسبت نا محمود سے پاک ہو ضرور مباح ہے اور تعزیہ داری کی حقیقت ہی یہ امورِ ناجائزہ ہیں، "اس قدر جائز ہے" سے کوئی تعلق نہ رہا، نہ اس کے وجود سے موجود ہوتی ہے نہ اس کے عدم سے معدوم، تو یہ فی نفسہٖ ناجائز و حرام ہے۔ اس کی نظیر امم سابقہ میں آغازِ اصنام ہے، وَدّ و سواع ویغوث ویعوق ونسر صالحین تھے ان کے انتقال پر اُن کی یاد کے لیے اُن کی صورتیں تراشیں، بعد مرورِ زماں پچھلی نسلوں نے اُنھیں کو معبود سمجھ لیا تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان بتوں کی حالت اپنی انھیں ابتدائی حقیقت پر باقی تھی یہ شنائع زوائد عوارض خارجہ تھے، ولہٰذا شرائع الٰہیہ مطلقاً ان کے رَدّ و انکار پر نازل ہوئیں، بخاری وغیرہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

کانوا اسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما ھلکوا اوحی الشیطٰن الیٰ قومھم ان انصبوا الیٰ مجالسیھم التی کانوا یجلسون انصابا وسمّوھا باسمائھم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا ھلك اولئك ونسخ العلم عبدت۔[8]

وَد، سواع وغیرہ قومِ نوح علیہ السلام کے نیک لوگوں کے نام تھے جب وہ وفات پاگئے تو شیطان نے اُن کی قوم کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ان کی مجلسوں میں جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے ان کے مجسّمے بنا کر کھڑے کر دو اور ان کے اسماء کا ذکر کرو (یعنی انھیں یاد کرو) چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا مگر وہ ان کی عبادت میں مشغول نہیں ہوئے تا آنکہ وہ لوگ دنیا سے رخصت ہوگئے اور علم مٹ گیا اور پچھلے لوگ یعنی بعد میں آنے والی نسل حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہوئے ان کی پوجا کرنے لگی۔ (ت)

فاکہی عبید اللہ بن عبید بن عمیر سے راوی:

قال اول ما حدثت الاصنام علی عھد نوح وکانت الابناء تبر الآباء فمات رجل منھم فجزع علیہ ابنہ فجعل لا یصبر عنہ فاتخذ مثالا علیٰ صورتہ فکلما اشتاق الیہ نظرہ ثم مات ففعل بہ کما فعل ثم تتابعوا علیٰ ذٰلك فمات الآباء فقال الابناء ما اتخذ اٰباؤنا ھٰذہ الا انھا اٰلھتھم فعبدوھا۔[9]

عبد اللہ ابن عبید نے کہا سب سے پہلے بت پرستی کا ظہور زمانہ نوح میں ہوا، اور بیٹے اپنے آباء سے حسنِ سلوک کیا کرتے تھے، پھر ان میں سے کوئی شخص مر جاتا تو اس کا بیٹا اس کے لیے بیقرار اور بے چین ہو جاتا اور صبر نہ کر سکتا اور اپنی تسکین کے

8 ۔ صحیح البخاری کتاب التفسیر سورہ نوح ۷۱ باب وَدًا ولا سواعا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ / ۷۳۲۔

9 ۔ فتح الباری بحوالہ فاکہی عن عبید اللہ بن عبید سورۃ نوح مصطفی البابی مصر ۱۰ / ۲۹۵۔

الدر المنثور بحوالہ فاکہی عن عبید اللہ بن عبید سورۃ نوح منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۶ / ۲۶۹۔

لیے اس کی مُورتی بنالیتا اور جب اصل کو دیکھنے کا شوق ہوتا تو اس شبیہ کو دیکھ کر دل کو تسلّی دے لیتا اور جب وہ مرجاتا تو اس کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جاتا، عرصہ دراز تک لگاتار اور مسلسل یہ کام ہوتا رہا، اور جب پہلے باپ دادا مرگئے تو آنے والی اولاد کہنے لگی کہ یہ تو ہمارے پہلے باپ دادوں کے معبود تھے پھر یہ ان کی عبادت کرنے لگے (پس اس طرح بت پرستی کا آغاز ہوا)۔(ت)

یہ فرق نفیس خوب یاد رکھنے کا ہے کہ اسی سے غفلت کرکے وہابیہ اصل حقیقت پر حکم عوارض لگاتے اور تعزیہ دار تبدیل حقیقت کو اختلافِ عوارض ٹھہراتے اور دونوں سخت خطائے فاحش میں پڑ جاتے ہیں وباللّٰہ العصمۃ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (اور اللہ تعالٰی ہی کی توفیق سے بچاؤ ممکن ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالٰی بڑا عالم ہے۔ت)

سوال چہارم

از دھام پور ضلع بجنور مرسلہ حافظ سید بنیاد علی صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یومِ عشرہ میں سبیل لگانا اور کھانا کھلانے اور لنگر لٹانے کے بارے میں دیوبند کے علماء ممانعت کرتے ہیں ونیز کتبِ شہادت کو بھی، جو امر صحیح ہو عند الشرع ارقام فرمائیے، اور مجلسِ محرم میں ذکرِ شہادت اور مرثیہ سُننا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب

پانی یا شربت کی سبیل لگانا جبکہ بہ نیت محمود اور خالصًا لوجہ اللہ ثواب رسانی ارواحِ طیبہ ائمۂ اطہار مقصود ہو بلاشبہہ بہتر و مستحب و کارِ ثواب ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا کثرت ذنوبك فاسق الماء علی الماء تتنا ثرکما یتنا ثرا لورق من الشجر فی الریح العاصف۔ رواہ الخطیب[10] عن انس بن مالك رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔

جب تیرے گناہ زیادہ ہوجائیں تو پانی پر پانی پلا گناہ جھڑ جائیں گے جیسے آندھی میں پیڑ کے پتے۔(اس کو خطیب نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا۔ت)

اسی طرح کھانا کھلانا لنگر بانٹنا بھی مندوب و باعث اجر ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

10۔ تاریخ بغداد ترجمہ ۳۴۶۴، اسحٰق بن محمد دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۴۰۳ و ۴۰۴۔

ان اللہ عزوجل یباھی ملئکۃ بالذین یطعمون الطعام من عبیدہ۔ رواہ ابو الشیخ فی الثواب[11] عن الحسن مرسلاً۔

اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں سے جو لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے کہ دیکھو یہ کیسا اچھا کام کررہے ہیں (اس کو ابو الشیخ نے ثواب میں حسن سے مرسلاً روایت کیا۔ت)

مگر لنگر لٹانا جسے کہتے ہیں کہ لوگ چھتوں پر بیٹھ کر روٹیاں پھینکتے ہیں، کچھ ہاتھوں میں جاتی ہیں کچھ زمین پر گرتی ہیں، کچھ پاؤں کے نیچے ہیں، یہ منع ہے کہ اس میں رزقِ الٰہی کی بے تعظیمی ہے، بہت علماء نے توروپوں پیسوں کا لٹانا جس طرح دُلھن دُولھا کی نچھاور میں معمول ہے منع فرمایا کہ روپے پیسے کو اللہ عزوجل نے خلق کی حاجت روائی کے لیے بنایا ہے تو اُسے پھینکنا نہ چاہیے، روٹی کا پھینکنا تو سخت بیہودہ ہے، بزازیہ، کتاب الکراہیۃ، النوع الرابع فی الہدیۃ والمیراث میں ہے:

ھل یباح نثر الدراھم قیل لا وقیل لا باس بہ وعلی ھذا الدنانیر و الفلوس وقد یستدل من کرہ بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم الدراھم والدنانیر خاتمان من خواتیم اللہ تعالیٰ فمن ذھب بخاتم من خواتیم اللہ تعالیٰ قضیت حاجتہ۔[12]

کیا دراہم لٹانا مباح ہے، بعض نے کہا مباح نہیں اور بعض نے کہا کوئی حرج نہیں ہے، اسی حکم میں دنانیر اور پیسے ہیں، نا پسند کہنے والوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کہ "دراھم و دنانیر اللہ تعالیٰ کی مہروں سے مُہریں ہیں تو جس نے کوئی مُہر پائی اس نے اللہ تعالیٰ کی مہر سے حاجت پائی" سے استدلال کیا۔(ت)

کتبِ شہادت جو آج کل رائج ہیں اکثر حکایاتِ موضوعہ وروایاتِ باطلہ پر مشتمل ہیں، یوہیں مرثیے ایسی چیزوں کا پڑھنا سُننا سب گناہ و حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن المراثی۔ رواہ ابو داؤد[13] والحاکم عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا (اسے ابوداؤد اور حاکم نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

11 ۔ الترغیب والترھیب بحوالہ ابی الشیخ فی الثواب الترغیب فی اطعام الطعام حدیث ۲۱ مصطفیٰ البابی مصر ۲/ ۶۸۔

12 ۔ فتاوٰی بزازیہ علیٰ ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ النوع الرابع فی الہدیۃ والمیراث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۴۶۔

13 ۔ سنن ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیّت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۵۔

المستدرک للحاکم کتاب الجنائز البکاء علی المیّت دارالفکر بیروت ۱/ ۳۸۳۔

ایسے ہی ذکر شہادت کو امام حجۃ الاسلام وغیرہ علمائے کرام منع فرماتے ہیں کما ذکرہ امام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرقۃ (جیسا کہ امام ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اسے روایت کیا ہے۔ت) ہاں اگر صحیح روایات بیان کی جائیں اور کوئی کلمہ کسی نبی یا ملک یا اہلبیت یا صحابی کی توہین شان کا مبالغہ مدح وغیرہ میں مذکور نہ ہو، نہ وہاں بین یا نوحہ یا سینہ کوبی یا گریبان دری یا ماتم یا تصنع یا تجدیدِ غم وغیرہ ممنوعاتِ شرعیہ نہ ہوں تو ذکر شریف فضائل و مناقب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بلاشبہہ موجبِ ثواب و نزولِ رحمت ہے عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ[14] (صالحین کے ذکر پر رحمتِ الٰہیہ نازل ہوتی ہے۔ت) ولہٰذا امام ابن حجر مکی بعد بیان مذکور کے فرماتے ہیں:

ما ذکر من حرمۃ روایۃ قتل الحسین وما بعدہ لا ینافی ما ذکرتہ فی ھذا الکتاب لان ھذا البیان الحق الذی یجب اعتقادہ من جلالۃ الصحابۃ وبراءتھم من کل نقص، بخلاف ما یفعلہ الوعاظ الجھلۃ، فانھم یأتون بالاخبار الکاذبۃ الموضوعۃ ونحوھا ولا یبینون المحامل والحق الذی یجب اعتقادہ[15] واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کی حُرمت اور اس کے بعد جو کچھ ذکر کیا وہ میری اس کتاب میں ذکر کردہ روایات کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ صحابہ کرام کی جلالت اور ہر نقص سے ان کی براءت پر مشتمل حق کا بیان ہے بخلاف جاہل واعظین کے کہ وہ جھوٹ اور موضوع قسم کی خبریں سناتے ہیں اور صحیح محمل اور قابلِ اعتقاد کو بیان نہیں کرتے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

سوال پنجم

از مفتی گنج ضلع پٹنہ ڈاک خانہ ایکنگر سرائے مرسلہ محمد نواب صاحب قادری و دیگر ساکنانِ مفتی گنج ۲۷ رمضان شریف ۱۳۱۸ھ

یہاں عشرۂ محرم میں مجلس مرثیہ خوانی کی ہوتی ہے، اور مرثیے صوفیہ کرام کے پڑھے جاتے ہیں، اور سینہ کوبی وبین نہیں ہوتا، اور میر مجلس سُنی المذہب ہے، ایسی مجلس میں شرکت یا اس میں مرثیہ خوانی کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جو مجلس ذکر شریف حضرت سیدنا امام حسین و اہلبیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہو جس میں روایاتِ صحیحہ معتبرہ سے اُن کے فضائل و مناقب و مدارج بیان کیے جائیں اور ماتم و تجدیدِ غم وغیرہ امور مخالفۂ شرع سے یکسر پاک ہو فی نفسہٖ حسن و

---

14 ۔ اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزلۃ الباب الثانی دار الفکر بیروت ۶/ ۳۵۰۔

15 ۔ الصواعق المحرقۃ الخاتمہ فی بیان اعتقاد اھل السنۃ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۲۴۔

محمود ہے خواہ اس میں نثر پڑھیں یا نظم، اگرچہ وہ نظم بوجہ ایک مسدّس ہونے کے جس میں ذکر حضرت سید الشہداء ہے عرف حال میں بنام مرثیہ موسوم ہو کہ اب یہ وہ مرثیہ نہیں جس کی نسبت ہے:

نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن المراثی۔[16] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

سوال ششم

ازنواب گنج ۲۰ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِن صورتوں میں:

۱۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں تعزیہ کا چڑھا ہوا نہیں کھاتا ہوں حضرت امام حسین (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی نیاز کا کھاتا ہوں۔

۲۔ ایک شخص کہتا ہے تعزیہ پر کیا منحصر ہے چڑھونا کوئی ہو میں نہیں کھاتا ہوں نیاز کھاتا ہوں۔

۳۔ ایک شخص کہتا ہے کہ عشرۂ محرم الحرام میں جو کچھ کھانے پینے وغیرہ میں ہوتا ہے دس روز تک تعزیہ کا چڑھا ہوتا ہے۔

۴۔ ایک شخص کہتا ہے تعزیہ بُت ہے بہ سبب لگانے صورت کے۔

۵۔ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ صورت وہ ہے جو بُراق اور حُورِ جنّت میں ہیں۔

۶۔ ایک شخص کہتا ہے کہ تعزیہ اور مسجد میں کچھ فرق نہیں بلکہ کہتا ہے کہ مسجد میں کیا ہے وہ اینٹ گارا ہی تو ہے جو وہاں سجدے کرتے ہو اور تعزیہ میں ابرق کا کاغذ وغیرہ ہیں۔

۷۔ ایک شخص نے کہا کہ بھائی یہ باتیں شرع کی ہیں لکھ کر شرع کے سپرد کرو، آپس میں جھگڑا مت کرو۔

۸۔ ایک شخص کہتا ہے کہ تم شرع نہیں سمجھتے۔

۹۔ ایک شخص نے کہا کہ جس حالت میں تم شرع کو نہیں سمجھتے ہو تو میں تعزیہ کے چڑھونے کو حرام سمجھتا ہوں۔

16۔ المستدرک للحاکم کتاب الجنائز البکاء علی المیّت دار الفکر بیروت ۱/ ۳۸۳۔
سنن ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیّت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۵۔

الجواب

۱۔ پہلا شخص اچھی بات کہتا ہے واقعی حضرت امام کے نام کی نیاز کھانی چاہیے اور تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا نہ چاہیے، اگر اُس کے قول کا یہ مطلب ہے کہ وہ تعزیہ کا چڑھا ہوا اس نیت سے نہیں کھاتا کہ وہ تعزیہ کا چڑھا ہوا ہے بلکہ اس نیت سے کھاتا ہے کہ وہ امام کی نیاز ہے تو یہ قول غلط اور بیہودہ ہے، تعزیہ پر چڑھانے سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز نہیں ہو جاتی، اور اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دلائیں تو اس کے کھانے سے احتراز چاہیے اور وہ نیت کا تفرقہ اس کے مفسدہ کو دفع نہ کرے گا، مفسدہ اس میں ہے کہ اس کے کھانے سے جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز کی وقعت بڑھانی یا کم از کم اپنے آپ کو اس کے اعتقاد سے متّہم کرتا ہے، اور دونوں باتیں شنیع و مذموم ہیں لہٰذا اس کے کھانے پینے سے احتراز چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ دوسرے شخص کی بات میں ذرا زیادتی ہے اولیائے کرام کے مزارات پر جو شیرینی، کھانا بہ نیت تصدّق لے جاتے ہیں اُسے بھی بعض لوگ چڑھونا کہتے ہیں اس کے کھانے میں فقیر کو اصلاً حرج نہیں۔

۳۔ تیسرے شخص نے نیاز اور تعزیہ کے چڑھاوے میں فرق نہ کیا یہ غلط ہے چڑھونا وہی ہے جو تعزیہ پر یا اس کے پاس لے جا کر سب کے سامنے نذرِ تعزیہ کی نیّت سے رکھا جائے باقی سب کھانے شربت وغیرہ کہ عشرۂ محرم میں بہ نیت ایصالِ ثواب ہوں وہ چڑھاوا نہیں ہو سکتے۔

۴۔ مجسّم تصویر کو بت کہتے ہیں، اس معنیٰ پر وہ تصویریں کہ تعزیہ میں لگائی جاتی ہیں اور مجازاً کل کو بھی کہہ سکتے ہیں اور اگر بُت سے مراد معبود مطلق ہو تو یہ سخت زیادتی ہے انصاف یہ کوئی جاہل سا جاہل بھی تعزیہ کو معبود نہیں جانتا۔

۵۔ اس شخص کا یہ محض افتراء ہے کہاں حُور و براق اور کہاں یہ کاغذ پٹّی کی مُورتیں جس سے کہیں زیادہ خوبصورت کسگروں کے یہاں روز بنتی ہیں، اور اگر ہو بھی تو براق کی تصویریں بنانی کب حلال ہیں۔

۶۔ یہ شخص صریح گمراہ و بدعقل و بدزبان ہے، مسجد کو کوئی سجدہ نہیں کرتا، نہ اس کی حقیقت اینٹ گارا ہے بلکہ وہ زمین کہ نماز و عبادتِ الٰہی بجالانے کے لیے تمام حقوق عباد سے جُدا کر کے اللہ عزوجل کے حکم سے اس کی طرف تقرب کے واسطے خاص ملک الٰہی پر چھوڑی گئی اب وہ شعائر اللہ سے ہو گئی اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے قال اللہ تعالیٰ:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔[17]

اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے (ت)

---

17 ۔ القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲۔

اس مجموعۂ بدعات کو اس سے کیا نسبت، مگر جہلِ مرکب سخت مرض ہے، والعیاذ باللہ۔

۷۔ اس شخص نے اچھا کیا مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ جو بات نہ جانے خود اس پر کوئی حکم نہ لگائے بلکہ اہلِ شرع سے دریافت کرے، قال اللہ تعالیٰ:

فَاسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔[18]

اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔ (ت)

۸۔ اس کے قول کا اگر یہی مطلب ہے کہ تم لوگ بے علم ہو آپس میں بحث نہ کرو اہلِ شرع سے پوچھو تو اچھا کیا، اور اگر یہ مراد ہے کہ تعزیہ شرعاً اچھی چیز ہے تم شرع نہیں سمجھتے تو یہ بہت بُرا کہا اور شرع پر افتراء کیا اور اگر یہ مقصود ہو کہ شرع سے تو مذمت صاف ظاہر ہے مگر تم لوگ نہیں سمجھتے تو یہ بھی اچھا کیا۔

۹۔ اس کا قول حد سے گزرا ہوا ہے تعزیہ کا چڑھاوا کھانا اُن وجوہ سے جو ہم نے ذکر کیں مکروہ و ناپسند ضرور ہے مگر حرام کہنا غلط ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

"اس بکری کو جو ہندو نے اپنے بُت کے نام پر مسلمان سے ذبح کرایا اور مسلمانوں نے اللہ عزوجل کی تکبیر کہہ کر ذبح کر دی تصریح فرمائی کہ حلال ہے ویکرہ للمسلم مسلمان کے لیے مکروہ ہے۔"[19]

جب وہاں صرف کراہت کا حکم ہے تو یہاں تحریم کیونکر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال ہفتم

از اترولی ضلع علی گڑھ محلہ مغلاں مرسلہ اکرام عظیم صاحب ۱۸ / جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ

مجلس مرثیہ خوانی اہلِ شیعہ میں اہلِ سنت و جماعت کو شریک و شامل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

حرام ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کثر سواد قوم فھو منھم۔[20]

---

18 ۔ القرآن الکریم ۱۶ / ۴۳ و ۲۱ / ۷۔

19 ۔ فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵ / ۲۸۶۔

20 ۔ المقاصد الحسنۃ حدیث ۱۱۷۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۲۶۔

جس نے کسی قوم کا تشخص کثیر بنایا وہ ان میں کا ہے۔(ت)

وہ بدزمان ناپاک لوگ اکثر تبرّا بک جاتے ہیں اس طرح کہ جاہل سُننے والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی اور متواتر سُنا گیا ہے کہ سُنّیوں کو جو شربت دیتے ہیں اس میں نجاست ملاتے ہیں اور کچھ نہ ہو تو اپنے یہاں کے ناپاک قلتین کا پانی ملاتے ہیں اور کچھ نہ ہو تو وہ روایاتِ موضوعہ و کلماتِ شنیعہ و ماتم حرام سے خالی نہیں ہوتی اور یہ دیکھیں سُنیں گے، اور منع نہ کر سکیں گے ایسی جگہ جانا حرام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔[21] واللہ تعالیٰ اعلم۔

تو یاد آئے پر ظلاموں کے پاس نہ بیٹھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

سوال ہشتم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانا اور اس پر نذر نیاز کرنا عرائض بامید حاجت براری لٹکانا اور بہ نیت بدعتِ حسنہ اس کو داخل حسنات جاننا اور موافق شریعت ان امور کو اور جو کچھ اس سے پیدا اور یا متعلق ہوں کتنا گناہ ہے، اور زید اگر ان باتوں کو جو فی زمانا متعلق تعزیہ داری و الم داری کے ہیں موافق مذہب اہلِ سنت کے تصوّر کرے تو وہ کس قسم کا مرتکب ہوا اور اُس پر شرع کی تعزیر کیا لازم آتی ہے، اور ان امور کے ارتکاب سے وہ شرکِ خفی یا جلی میں مبتلا ہے یا نہیں، اور اس کی زوجہ اس کے نکاح سے باہر ہوئی یا نہیں، درصورتیکہ وہ امور متذکرہ بالا کو داخل عقیدت اہلِ سنّت و جماعت بنظرِ ثواب عمل میں لاتا ہو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

افعالِ مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعتِ سیئہ و ممنوع و ناجائز ہیں انھیں داخل ثواب جاننا اور موافقِ شریعت مذہب اہلِ سنت ماننا اس سے سخت تر و خطائے عقیدہ و جہل اشد ہے، شرعی تعزیر حاکم شرع سلطان کی رائے پر مفوض ہے بااین ہمہ وہ شرک و کفر ہرگز نہیں، نہ اس بناء پر عورت نکاح سے باہر ہو، عرائض بامید حاجت براری لٹکانا محض بہ نیت توسل ہے جو اس کا جہل ہے کہ امورِ ممنوعہ لائق توسل نہیں ہوتے باقی حاجت روا بالذات کوئی کلمہ گو حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی نہیں جانتا کہ معاذ اللہ تعالیٰ شرک ہو، یہ وہابیہ کا جہل و ضلال ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، فقط۔

21۔ القرآن الکریم ۶/ ۶۸۔

مسئلۂ تکفیرِ یزید

یزید پلید عَلَیۡہِ مَا یَسۡتَحِقُّہٗ مِنَ الۡعَزِیۡزَ الۡمَجِیۡد قطعًا یقینًا باجماع اہلِ سنّت فاسق فاجر وجری علی الکبائر تھا۔ اس قدر پر ائمۂ اہلِ سنّت کا اطباق واتفاق ہے۔ صرف اس کی تکفیر ولعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع وموافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس آیۂ کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں: فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ إِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ أَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِي الۡأَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡا أَرۡحَامَكُمۡ ○ أُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمۡ وَأَعۡمٰىٓ أَبۡصَارَهُمۡ ○ (ترجمہ: کیا قریب ہے کہ اگر والیِ ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتے کاٹ دو۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ سورۂ محمد، آیت:۲۲، ۲۳) شک نہیں کہ یزید نے والیِ ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا، حرمین طیّبین وخود کعبۂ معظمہ وروضۂ طیّبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں۔ مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، اُن کی لید اور پیشاب منبرِ اطہر پر پڑے۔ تین دن مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بے اذان ونماز رہی۔ مکّہ ومدینہ و حجاز میں ہزاروں صحابہ وتابعین بے گناہ شہید کیے، کعبۂ معظمہ پر پتھر پھینکے۔ غلاف شریف پھاڑا اور جلایا۔ مدینۂ طیّبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب ودانا رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گود کے پالے ہوئے تنِ نازنین پر بعدِ شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوانِ مبارک چور ہو گئے، سرِ انور کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزے پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا، حرمِ محترم مُخدَّرَات مشکوئے رسالت قید کیے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے۔ اس سے بڑھ کر قطعِ رحم اور زمین میں فساد کیا ہو گا۔ ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق وفجور نہ جانے۔ قرآنِ عظیم میں صراحتًا اس پر لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فرمایا۔ لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ لعن و تکفیر سے احتیاطًا سکوت فرماتے ہیں کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں کفر متواتر نہیں اور بحال احتمال نسبتِ کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر۔ اور امثالِ وعیدات مشروط بعدمِ توبہ بقولہ تعالیٰ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا إِلَّا مَنۡ تَابَ اور توبہ تا دمِ غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط واسلم ہے مگر اس کے فسق وفجور سے انکار کرنا اور امامِ مظلوم پر الزام رکھنا ضروریاتِ اہلِ سنت کے خلاف ہے اور ضلالت وبد دینی صاف ہے بلکہ انصافًا یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبّتِ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شمہ ہوا۔ وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡٓا أَيَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ۔ شک نہیں کہ اس کا قائل ناصبی مردود اور اہلِ سنّت کا عدو وعنود ہے۔

﴿عرفانِ شریعت، کامل سہ حصص، ص:۵۶، سُنّی دارالاشاعت، لائل پور﴾

٣٠ویں سالانہ

امام احمد رضا کانفرنس

کے انعقاد پر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کو

مبارک باد

پیش کرتے ہیں۔

من جانب

سہیل سہروردی

ادریس سہروردی

وسیم سہروردی

صفر المظفر

مشمولات	صفحہ نمبر

محافظِ عظمتِ خدا ہیں امام احمد رضا مجدّد

منقبت بہ حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کلام: ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی

xxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxx

محافظِ عظمتِ خدا ہیں امام احمد رضا مجدّد
فدائے ناموسِ مصطفےٰ ہیں امام احمد رضا مجدّد

دفاعِ اصحابِ مجتبیٰ ہیں امام احمد رضا مجدّد
تحفُّظِ شانِ اولیا ہیں امام احمد رضا مجدّد

جلے سدا شمعِ عشقِ احمد یہی تھی خواہش یہی تھا مقصد
مثالِ عشّاقِ بے ریا ہیں امام احمد رضا مجدّد

وہ سنّتِ مصطفیٰ کے پیکر زباں بھی ذکرِ حبیب سے تر
رسول کی ذات میں فنا ہیں امام احمد رضا مجدّد

امامِ اعظم ابو حنیفہ کے نور سے روشن ان کا سینہ
علوم و حکمت کا واسطا ہیں امام احمد رضا مجدّد

وہ مظہرِ شانِ غوثِ اعظم قسیمِ فیضانِ غوثِ اعظم
وسیلۂ رحمتِ خُدا ہیں امام احمد رضا مجدّد

حیاتِ احمد رضا مثالی، وفاتِ احمد رضا مثالی
نمونۂ خُلقِ اصفیا ہیں امام احمد رضا مجدّد

نگارشاتِ رضا کی خوشبو مہک رہی ہے چمن میں ہر سو
بہارِ گلہائے حق نما ہیں امام احمد رضا مجدّد

ندیمؔ احمد! مجھے پریشاں نہ کر سکے گی یہ بادِ طوفاں
کہ میری کشتی کے ناخدا ہیں امام احمد رضا مجدّد

سوانحِ اعلیٰ حضرت

(ماَخوذ از سیرتِ اعلیٰ حضرت)

مصنفہ

مولانا حسنین رضا خان

ولادت

اللہ تبارک و تعالیٰ جب کسی بندے کو نوازتا اور اس سے کوئی کام لینا ہوتا ہے تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس بندہ کے لیے اس خدمت کے سلسلے میں پہلے ہی سے آسانیاں فراہم کر دیتا ہے۔ اور پھر قدرتی طور پر اس کی مدد جاری رہتی ہے چنانچہ یہی معاملہ اعلیٰ حضرت کی پیدائش سے وفات تک دیکھا جاتا رہا۔ ان کی پیدائش سے وفات تک رب العزّت نے ان کی خصوصی مدد کی ان کے پیدا ہونے سے پہلے (جبکہ وہ شکم مادر میں تھے) کسی مرد صالح نے ایک خواب دیکھا جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ذات سے متعلق تھا خواب دیکھنے والے نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے دادا مولانا رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا اس واسطے کہ وہ اس زمانے میں تعبیر رؤیا میں بہت مشہور تھے اور اس خواب کا ان کی اپنی ذات سے بھی تعلق تھا مولانا رضا علی خاں صاحب نے خواب سن کر فرمایا کہ جب اس کی تعبیر آئے گی تو خود بتادیں گے چنانچہ جب اعلیٰ حضرت قبلہ پیدا ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ لڑکا اس خواب کی تعبیر ہے۔ یہ لڑکا خدا نے چاہا تو بڑا زبردست عالم ہو گا اور اس سے دین بڑی دور تک پھیلے گا۔ اس تعبیر سے سارے خاندان اور متوسلین میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اس لیے کہ پڑھے لکھے دین دار خاندان کے لیے اس سے بڑی بشارت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی پرورش بڑے ناز و نعم سے ہوئی ان کا گھر بھی بڑا خوشحال گھر تھا اعلیٰ حضرت کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سات گاؤں کے زمیندار مَعَان دار مشہور تھے انھیں ہر قسم کی آسانیاں فراہم تھیں وہ بڑہیچ قبیلہ کے پٹھان تھے وہ ساری روہیل کھنڈ کے واحد مفتی تھے رؤسائے شہر میں ان کا شمار تھا ان کے والدِ ماجد مولانا رضا علی خاں صاحب سے اہل شہر کو والہانہ عقیدت تھی وہ مادر زاد ولی مشہور تھے وہی اس خاندان میں دینی دولت لائے ہیں۔ اس بشارت کی وجہ سے ابتدا ہی سے سارے خاندان اور تمام متوسلین کی نگاہیں اعلیٰ حضرت قبلہ کی طرف لگی ہوئی تھیں خدا خدا کر کے وہ پروان چڑھے اور ان کا دورِ تعلیم شروع ہوا وہ ابتدا ہی سے بہت ہونہار معلوم ہوتے تھے۔

تاریخ ہائے ولادت

اعلیٰ حضرت قبلہ خود ارشاد فرماتے ہیں بحمہ اللہ میری تاریخ ولادت اس آیۂ کریمہ میں ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں رب العزت نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے ان کی مدد فرمائی ہے۔

اس آیۂ کریمہ کا سلسلہ اوپر سے یوں چلا آرہا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ (پ:۲۸، ع: ۳، سورۂ مجادلہ)

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔

(اے محبوب) نہ پائیں گے آپ ان لوگوں کو اللہ ورسول کے دشمنوں سے دوستی رکھیں اگرچہ وہ دشمنان خدا اور سول ان کے باپ ہوں یا اولاد ہوں یا بھائی ہوں یا ان کے کنبہ قبیلہ کے ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے ان کی مدد فرمائی۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں رب العزت نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے مدد فرمائی۔

اس آیۂ کریمہ میں رب العزت نے اپنے محبوب بندوں کی فطرت بطور نشانی بیان فرمائی ہے ان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اللہ ورسول کے دشمنوں سے ترکِ موالات کا اعلان کرتا رہے۔ تاکہ بھولے بھالے مسلمان بھی ان سے بچ کر اس آیۂ کریمہ کے حکم میں آجائیں اور جو بشارت ان بندگانِ خدا کے لیے دی گئی ہے وہ بھی اس بشارت کے مستحق ہوجائیں وہ بشارت ایمان اور تائید غیبی کی بشارت ہے یہی آیت خداوندِ عالم کے محبوب بندوں کی پہچان بھی ہے۔

بہن بھائی

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ تین بھائی تھے اور ابتداءً ان کی تین بہنیں تھیں سب سے چھوٹی بہن کا جوانی ہی میں انتقال ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے اور ان دونوں بہنوں سے چھوٹے تھے مگر ربّ العزت نے ان کو عزت ووقار میں سب سے بڑا کردیا تھا۔ وہ اپنے بڑوں کی عزت اور ہر چھوٹے سے شفقت کا برتاؤ کرتے ان کی عزت ہر چھوٹا بڑا یکساں کرتا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے والدِ ماجد جب تک زندہ رہے انھوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کی ہر ضرورت کا بڑا لحاظ رکھا اور خود ہی انتظام فرمایا حتیٰ کہ ان کی خصوصی غذاؤں اور لباس کا خود ہی انتظام فرماتے رہے کم وبیش ان کی باون سال عمر تھی کہ رحلت فرماگئے اعلیٰ حضرت کے ابتدائے شباب میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور بھائیوں میں بڑا ہونے کی حیثیت

سے علاقے کا سارا کام اعلیٰ حضرت کے سپرد ہو گیا۔ تحصیلِ مواضعات کا کام ایک مختارِ عام کی مدد سے ایک دو فصل یا ایک دو سال کیا۔ چونکہ علاقے کا کام ان کے فطری ذوق کے خلاف تھا لہٰذا اپنی والدہ صاحبہ کی منظوری سے سارا علاقہ اپنے منجھلے بھائی مولوی حسن رضا خاں صاحب کے سپرد کر دیا۔ علاقہ ان کے سپرد فرما کر اس سے ایسے سبکدوش ہوئے کہ پھر ادھر کبھی رخ بھی نہیں کیا۔

عہدِ طفلی

اعلیٰ حضرت قبلہ بچپن میں بھی بچوں کے ساتھ نہ کھیلے۔ محلّے کے بچے کبھی گھر میں آکر کھیلتے تو آپ ان کے کھیل میں شریک نہ ہوتے بلکہ دیکھا کرتے اس زمانے میں بچوں میں پتنگ اڑانے کا عام رواج تھا۔ آپ پتنگ بھی نہ اڑاتے بلکہ اگر کٹی ہوئی پتنگ آپ کے گھر آکر گرتی تو آپ اُٹھاتے اور اپنے والدِ ماجد کے پلنگ کے نیچے رکھ دیتے وہ آتے اور دریافت کرتے کہ میرے پلنگ کے نیچے پتنگ کس نے رکھ دی ہے۔ عرض کیا جاتا کہ اَمّن میاں (اعلیٰ حضرت کا چھوٹا نام) نے رکھی ہے تو فرماتے انھوں نے پتنگ خود نہ اڑائی میرے اڑانے کے لیے رکھ دی ہے۔ ہاں بھئی انھیں اللہ تعالیٰ نے لہو ولعب کے لیے پیدا ہی نہیں کیا۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کی زبان کھلی تو صاف تھی۔ اور بچوں کی طرح کج مج نہ تھی۔ غلط الفاظ آپ کی زبان سے سنے ہی نہ گئے۔ جب آپ قرآنِ پاک پڑھتے تھے تو ایک روز آپ کے سبق میں عجیب ماجرا ہوا۔ استاذ نے ایک جگہ کچھ اعراب بتایا آپ نے استاذ کے بتانے کے خلاف پڑھا۔ انھوں نے دوبارہ کرخت آواز سے بتایا۔ آپ نے پھر وہی پڑھا جو پہلے پڑھا تھا۔ آپ کے والدِ ماجد جو قریب ہی کمرے میں بیٹھے تھے انھوں نے سیپارہ منگا کر دیکھا تو سیپارے میں استاد کے بتانے کے موافق تھا۔ آپ بھی وہاں چونکہ کتابت کی غلطی محسوس کر رہے تھے آپ نے قرآن پاک منگایا اس میں وہی اعراب پایا جو اعلیٰ حضرت نے بار بار پڑھا تھا۔ باپ نے بیٹے سے دریافت کیا کہ تمھیں جو استاد بتاتے تھے وہی تمھارے سیپارے میں بھی تھا تم نے استاذ کے بتانے کے بعد بھی نہیں پڑھا۔ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اپنے استاد کے بتانے کے موافق پڑھوں مگر زبان نے یارانہ دیا۔ اس پر ان کے والدِ ماجد وفورِ مسرت سے آبدیدہ ہو گئے اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس بچے کو مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کے خلاف پر قدرت ہی نہیں دی گئی ہے۔ یہ تھے آثارِ مجددیت۔ ایک روز صبح کو بچے مکتب میں پڑھ رہے تھے۔ ان میں اعلیٰ حضرت بھی شامل تھے۔ ایک آنے والے بچے نے استاد کو بایں الفاظ سلام کیا "السلام علیکم"۔ استاد صاحب نے جواب میں کہا جیتے رہو۔ آپ نے فوراً استاذ صاحب سے عرض کیا کہ یہ تو جواب نہ ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ اس کا جواب کیا ہے؟ اعلیٰ حضرت نے عرض کیا اس کا جواب ہے وعلیکم السلام اس پر استاد بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ چھوٹی چھوٹی شرعی غلطیوں پر آپ بچپن ہی میں بلا تکلف بول دیا کرتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غلطی کی تصحیح قدرت ہی نے ان کی عادتِ ثانیہ بنا دی تھی۔ چونکہ ان سے آگے چل کر رب العزت کو یہی کام لینا تھا۔

ربُّ العزت نے ایسے گھر میں پیدا کیا جہاں قال اللہ قال الرسول ہی روز مرہ تھا اور آپ کو اس صحبت کا شوق بھی تھا۔ آپ اپنے والدِ ماجد کی صحبت میں زیادہ بیٹھتے اور مسائل بغور سنتے اور انھیں اپنے دماغ میں محفوظ رکھتے اور وقت پر بڑی جرأت سے بتا دیتے کہ یہ مسئلہ یوں ہے۔ آپ کی بچپن ہی سے یہ عادت رہی کہ اجنبی عورتیں اگر نظر آجاتیں تو کرتے کے دامن سے اپنا منھ چھپالیتے۔ دیکھیے یہ تھا اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ اور فطری تقوے کا مظاہرہ جس سے ان کا مستقبل صاف چمکتا تھا۔

روزہ کشائی

اعلیٰ حضرت کی روزہ کشائی بڑے دھوم دھام سے ہوئی۔ سارے خاندان اور حلقۂ احباب کو مدعو کیا گیا کھانے پکے افطاریاں بنیں اس میں فیرنی بھی تھی جس کے پیالے ایک کمرے میں جمانے کے لیے رکھے تھے۔ رمضان المبارک گرمی کے موسم میں تھا اور اعلیٰ حضرت قبلہ خورد سال تھے مگر آپ نے بڑی خوشی سے پہلا روزہ رکھا تھا۔ ٹھیک دوپہر میں چہرۂ مبارک پر ہوائیاں اڑنے لگیں آپ کے والدِ ماجد نے دیکھا تو اس کمرے میں لے گئے اور اندر سے کواڑ بند کر کے اعلیٰ حضرت کو فیرنی کا ایک ٹھنڈا پیالہ اُٹھا کر دیا اور فرمایا کہ لو کھالو تو آپ نے عرض کیا میرا تو روزہ ہے انہوں نے فرمایا کہ بچوں کے روزے یوں ہی ہوا کرتے ہیں۔ کمرہ بالکل بند ہے نہ کوئی آسکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے۔ تو اعلیٰ حضرت قبلہ نے عرض کیا کہ جس کا روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے اس پر باپ آبدیدہ ہوگئے اور خدا کا شکر ادا کیا کہ خدا کے عہد کو یہ بچہ کبھی فراموش نہ کرے گا۔ جس کو بھوک پیاس کی شدت میں کمزوری اور کم سِنی میں ہر فرض کی فرضیت سے پہلے وفائے عہد کی فرضیت کا اتنا لحاظ و پاس ہے۔ روزے کی قضا کے بارے میں نہ ان کے کسی بڑے کی زبانی سنا نہ کسی برابر والے نے بتایا نہ ہم چھوٹوں نے کبھی ان کو ماہِ مبارک کا کوئی روزہ قضا کرتے دیکھا۔ بعض مرتبہ ماہ مبارک میں بھی علالت ہوئی مگر اعلیٰ حضرت نے روزہ نہ چھوڑا۔ اگر کسی نے بہ اصرار عرض بھی کیا کہ ایسی حالت میں روزے سے کمزوری اور بڑھے گی تو ارشاد فرمایا کہ مریض ہوں تو علاج نہ کروں۔ لوگ تعجب سے کہتے تھے کہ روزہ بھی کوئی علاج ہے ارشاد فرمایا کہ اکسیر علاج ہے۔ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بتایا ہوا اکسیر ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ صُوْمُوْا تَصِحُّوْا روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کا ایک سال پاؤں کا انگوٹھا پک گیا ان کے خاص جراح (جو شہر میں سب سے ہوشیار جرّاح تھے جن کو بعض سول سرجن بھی خطرناک آپریشن میں شریک کرتے تھے ان کا نام مولا بخش مرحوم تھا) نے اس انگوٹھے کا آپریشن کیا پٹی باندھنے کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ حضور اگر حرکت نہ کریں گے تو یہ زخم دس بارہ روز میں خشک ہو جائے گا ورنہ زیادہ وقت لگے گا وہ یہ کہہ کر چلے گئے یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ مسجد میں حاضری اور جماعت کی پابندی ترک کر دی جائے۔ جب ظہر کا وقت آیا آپ نے وضو کیا کھڑے نہ ہو سکتے تھے تو بیٹھ کر باہر پھاٹک تک آگئے۔ لوگوں نے کرسی پر بٹھا کر مسجد پہنچا دیا اور اس وقت اہل محلہ اور خاندان والوں نے یہ طے کیا کہ علاوہ مغرب کے ہر اذان کے بعد ہم سب میں سے چار

مضبوط آدمی کرسی لے کر زنانے میں حاضر ہوجایا کریں گے اور پلنگ ہی پر سے کرسی پر بٹھا کر مسجد کی محراب کے قریب بٹھادیا کریں گے اور مغرب کی نماز کے وقت کے اندازے سے حاضر ہوجایا کریں گے۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک ماہ تک بڑی پابندی سے چلتا رہا جب زخم اچھا ہوگیا اور آپ خود چلنے کے قابل ہوگئے تو یہ سلسلہ ختم ہوا۔ کرسی اُٹھانے والے چار آدمیوں میں سے التزام کے ساتھ اکثر میں بھی ہوتا تھا اس عمل کو میں اپنی بخشش کا بڑا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ نماز تو نماز ہے ان کی جماعت کا ترک بھی بلا عذرِ شرعی شاید کسی صاحب کو یاد نہ ہوگا۔

ان کے ہم عمروں سے اور ان کے بعض بڑوں کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ بدوِ شعور سے نماز باجماعت کے سخت پابند رہے۔ گویا قبلِ بلوغ ہی وہ اصحابِ ترتیب کے ذیل میں داخل ہوچکے تھے اور وقتِ وفات تک صاحبِ ترتیب ہی رہے اور جمعۃ الوفات ہی ایسا جمعہ ہوا جس کو مسجد میں ادا نہ کرسکے جمعہ کا وقت پورا گزرنہ پایا تھا کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ان کا وصال بروز جمعہ دو بج کر ۳۸ منٹ پر بتاریخ ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو ہوا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے معمولات میں بچپن ہی سے ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں جن سے ان کی اسلامی زندگی صاف جھلکتی ہے۔ جو آگے چل کر چمک گئی پھر تو دنیائے اسلام نے ہندوستان سے عرب تک ان کی پاک وصاف زندگی کو بچشم سر دیکھا اور سراہا ہے۔

دورِ تعلیم

اعلیٰ حضرت قبلہ کا دورِ تعلیم بھی عجیب وغریب واقعات کا مجموعہ ہے۔ اوّل تو آپ کو آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کوئی درسی کتاب پوری نہ پڑھائی۔ جب وہ دیکھتے کہ اَمّن میاں مصنفِ کتاب کے طرزِ تحریر سے خوب واقف ہوگئے ہیں اور اپنا سارا سبق مطالعہ ہی میں نکال لیتے ہیں۔ اس کتاب میں اگر کچھ مشہور مشکل مقامات ہوتے تو ان پر عبور کرادیتے یا اور دوسری کتاب شروع کرادیتے۔ شاید ہی کوئی کتاب پوری پڑھانا پڑی ہو۔ اس طرح وہ نہایت قلیل مدت میں تمام درسی علوم کے سمندروں کو عبور کرگئے اور اپنی عمر کے چودھویں ہی سال میں دستارِ فضیلت حاصل کرکے فتویٰ نویسی کے بارے اپنے والد ماجد کو انہوں نے بالکل سبک دوش کردیا۔ ورنہ ان کے فتاویٰ اور رسائل کا اتنا بڑا دفتر آج دنیا کے سامنے موجود نہ ہوتا۔ اسلاف کرام نے کثیر التصانیف علما چھانٹے ہیں جیسے امام رازی، امام غزالی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اور ان کی تصانیف کو ان کی یومیہ زندگی پر تقسیم کیا ہے کاش کہ کوئی محنت کرکے ان کی تصانیف کو تقسیم کرکے دیکھے کہ ایک جز یا جز کا کون سا حصہ ان کی زندگی کے ہر دن میں آتا ہے۔

ہندوستان کے علما میں ملک العلما حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم اور پھر مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی بھی کثیر التصانیف ہیں مگر ان کی تصانیف میں علومِ غریبہ اور فنونِ جدیدہ کا وجود نہیں ملتا اس اعتبار سے بھی اعلیٰ حضرت قبلہ ہندوستان بھر کے علما میں خاص امتیاز رکھنے والے عالم ہیں۔ ان کے دورِ تعلیم کا ایک واقعہ بھی سن لیجیے۔ ان کے دور تعلیم میں چھاپے خانے نہ تھے۔ لہٰذا اکثر درسی کتابیں قلمی۔ معرا پڑھی جاتی تھیں۔ وہ مسلم الثبوت پڑھ رہے تھے اور زیادہ رات تک

مطالعہ کرتے تھے۔ جس مقام پر ان کا سبق ہونے والا تھا وہاں ان کے والد ماجد نے مولانا محبّ اللہ صاحب بہاری (مصنف کتاب) پر ایک اعتراض کر دیا تھا جو انھوں نے حاشیہ پر درج کر کے چھوڑ دیا تھا جب اعلیٰ حضرت قبلہ کی نظر اس اعتراض پر پڑی تو آپ کی بانکی طبیعت میں یہ بات آئی کہ مصنف کی عبارت کو حل ہی اس طرح کیا جائے کہ اعتراض وارد ہی نہ ہو آپ اس حل کو ایک بجے رات تک سوچتے رہے۔ بالآخر تائید غیبی سے وہ حل میں آ گیا۔ آپ کو انتہائی مسرت ہوئی اور اس وفورِ مسرّت میں بے اختیار آپ کے ہاتھوں سے تالی بج گئی اس سے سارا گھر جاگ گیا اور کیا ہے کیا ہے کا شور مچ گیا تو آپ نے اپنے والد ماجد کو کتاب کی عبارت اور اس کا عام مطلب اور اس پر ان کا اعتراض سنانے کے بعد آپ نے اپنی طرف سے اس عبارت کی ایک ایسی تقریر کی کہ وہ اعتراض ہی نہ پڑا۔ اس پر باپ نے گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ امن میاں تم مجھ سے پڑھتے نہیں بلکہ مجھے پڑھاتے ہو۔

اعلیٰ حضرت کے دور تعلیم ہی سے اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ کا برابر مظاہرہ ہوتا چلا گیا (علما علم میں نبیوں کے وارث ہوتے ہیں) یہ حالات دیکھتے ہوئے کہنا پڑا ہے ؎

یہ تھا آغاز وہ انجام ہے احمد رضا خاں کا
جوانی میں ہوئے عالم، بڑھاپے میں ہوئے کامل

تعلیم و تربیت

جب اعلیٰ حضرت قبلہ کا دورِ تعلیم شروع ہوا تو پہلے ایک صاحب نے انہیں قرآنِ پاک اور ابتدائی اردو پڑھائی۔ اس کے بعد اردو اور فارسی نیز عربی کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ صاحب نے دی جو ان کے والدِ ماجد کے دوست اور بڑے متقی اور پرہیز گار تھے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ جب ابتدائی درسی کتابیں پڑھ کر فارغ ہوئے تو ان کے والدِ ماجد نے ان کی تعلیم اپنے ذمّے لی۔ ان کے والد مولانا نقی علی خاں صاحب زبردست عالم، مفتی اور مصنف تھے۔ ان کا شمار ہندوستان کے بڑے علما میں تھا۔ باپ کی خاص توجہ سے بیٹے نے حیرت انگیز ترقی کی۔ اسی دوران تعلیم میں آپ اپنے پھوپھا (جناب شیخ حسن مرحوم) کے بلانے پر رامپور گئے۔ انہوں نے بہ اصرار روکا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے یہ وقت بھی تحصیلِ علم میں صرف کیا اور بایمائے الحاج نواب کلب علی خاں مرحوم مغفور شرح چغمنی کے کچھ اسباق مولانا عبدالعلی صاحب مرحوم سے پڑھے۔ نانا[1] فضل حسن صاحب بریلی کے ساکن تھے۔ رام پور میں وہ محکمۂ ڈاک کے افسر اعلیٰ تھے۔ اور الحاج نواب کلب علی خاں کے خاص مقربین میں ان کا شمار تھا۔ انہوں نے نواب صاحب سے اعلیٰ حضرت قبلہ کی حیرت انگیز ذہانت کا پہلے ہی ذکر کر دیا تھا جب یہ رام پور گئے تو نواب کے روبرو پیش کر دیا۔ نواب صاحب نے بات چیت ہی سے اندازہ کر لیا کہ یہ بچہ بہت

1۔ یعنی مصنف قدس سرہ کے نانا۔

ہونہار ہے تو ان کی خوشی یہ ہوئی کہ یہ رام پور میں ہی مولانا عبد العلی صاحب اور مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی تعلیم حاصل کریں اس لیے کہ مولانا عبد العلی صاحب ریاضی میں اور مولانا عبد الحق صاحب منطق، فلسفہ، اصول وکلام وغیرہ میں یگانۂ روزگار مانے جاتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی سے نواب صاحب مرحوم کے سامنے جو بات چیت ہوئی اس کا تذکرہ حیاتِ اعلیٰ حضرت [2] میں ناظرین دیکھ سکتے ہیں۔ باپ کے شدید بلاوے سے اعلیٰ حضرت قبلہ کو بریلی آنا پڑا۔ یہاں پھر تعلیم کا دور شروع ہوا۔ چند ہی روز میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ علوم وفنون کے دریاؤں میں ایک ماہر شناور کی طرح تیرنے لگے۔ اور اب وہ باپ کی ساری امیدوں کا صحیح مرکز بن گئے۔ یہاں تک کہ تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔

اب تو بیٹے کی روز افزوں ترقی دیکھ کر باپ کی مسرتوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تکمیل کے بعد ہی باپ نے فتویٰ نویسی کا کام بیٹے کے سپرد کر دیا۔ حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب اس وقت بریلی اور دیگر اضلاع روہیل کھنڈ میں مرجع فتاویٰ تھے۔ جو فتوے ان کے پاس آتے اعلیٰ حضرت قبلہ ان کا جواب لکھتے، باپ کو دکھاتے، باپ کو انتہائی مسرت اس کی تھی کہ بیٹے کے فتاویٰ میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ملتی ہے۔

ایک فتوے میں باپ بیٹے کی رائے میں اختلاف ہوا تو منصف مزاج نے یہ فیصلہ کیا کہ اس فتوے کا ایک جواب میں لکھتا ہوں۔ میرے تمہارے دونوں فتوے تصدیق کے لیے علمائے رام پور کے سامنے پیش کر دیے جائیں۔ رام پور میں الحاج نواب کلب علی خاں کا دور تھا۔ اس وقت وہاں اہلِ سنت کا جم غفیر موجود تھا۔ چنانچہ سعادت نامی ایک صاحب یہ دونوں فتوے لے کر نانا فضل حسن صاحب کے پاس رام پور گئے۔ نانا فضل حسن صاحب نے یہ دونوں فتوے علمائے رام پور میں بغرضِ تصدیق گھما دیے اور تصدیقات حاصل کر کے انہیں سعادت کے ہاتھ بریلی بھیج دیا۔ یہاں فتوے دیکھے گئے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے فتوے پر تصدیقات بہت زیادہ تھیں اور باپ کے فتوے سے صرف دو عالموں نے اتفاق کیا انصاف پسند باپ نے جب فتوے دیکھے تو بیٹے کو گلے سے لگا لیا اور اپنی رائے سے رجوع فرمایا اس دن سے اعلیٰ حضرت کی قدر ومنزلت باپ کے دل میں بہت بڑھ گئی۔ اعلیٰ حضرت کی والدۂ ماجدہ بھی ان مسرتوں میں برابر کی شریک تھیں۔ وہ مغلیہ خاندان کی بڑی غیور انتہائی ہوشمند اور رائے صائب رکھنے والی خاتون تھیں انھوں نے بڑی عمر پائی۔ اعلیٰ حضرت کے عہدِ طفلی کے اکثر حالات مجھے انھیں سے معلوم ہوئے۔ مولانا نقی علی خاں اپنے خاندان اور احباب میں سلطانِ عقل مشہور تھے اعلیٰ حضرت کی والدہ وزیرِ عقل کہلائیں۔

شادی

2 ۔ مصنفہ ملک العلماء، مولٰنا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ۔

تعلیم مکمل ہو جانے کے بعد اعلیٰ حضرت قبلہ کی شادی کا نمبر آیا۔ نانا فضل حسن صاحب کی منجھلی صاحبزادی سے نسبت قرار پائی۔ شرعی پابندیوں کے ساتھ شادی ہو گئی۔ یہ ہماری محترمہ اماں جان رشتے میں اعلیٰ حضرت قبلہ کی پھوپھی زادی تھیں۔ صوم و صلوٰۃ کی سختی سے پابند تھیں۔ نہایت خوش اخلاق بڑی سیر چشم انتہائی مہمان نواز نہایت متین و سنجیدہ بی بی تھیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے یہاں مہمانوں کی بڑی آمد و شد تھی۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ عین کھانے کے وقت ریل سے مہمان اتر آئے اور جو کچھ کھانا پکنا تھا وہ سب پک چکا تھا اب پکانے والیوں نے ناک بھوں سمیٹی آپ نے فوراً مہمانوں کے لیے کھانا اتار کر باہر بھیج دیا اور سارے گھر کے لیے دال چاول یا کھچڑی پکنے کو رکھوا دی گئی کہ اس کا پکنا کوئی دشوار کام نہ تھا۔ جب تک مہمانوں نے باہر کھانا کھایا گھر والوں کے لیے بھی کھانا تیار ہو گیا۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہوا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی ضروری خدمات وہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت کے سر میں تیل ملنا یہ ان کا روزمرہ کا کام تھا جس میں کم و بیش آدھا گھنٹہ کھڑا رہنا پڑتا تھا اور اس شان سے تیل جذب کیا جاتا تھا کہ ان کے لکھنے میں اصلاً فرق نہ پڑے۔ یہ عمل ان کا روزانہ مسلسل تا حیاتِ اعلیٰ حضرت برابر جاری رہا سارے گھر کا نظم اور مہمان نوازی کا عظیم بار بڑی خاموشی اور صبر و استقلال سے برداشت کرتیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے وصال کے بعد بھی کئی سال زندہ رہیں مگر اب بجز یادِ الٰہی کے انہیں اور کوئی کام نہ رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے گھر کے لیے ان کا انتخاب بڑا کامیاب تھا۔ ربُّ العزت نے اعلیٰ حضرت قبلہ کی دینی خدمات کے لیے جو آسانیاں عطا فرمائیں تھیں ان آسانیوں میں ایک بڑی چیز اماں جان کی ذاتِ گرامی تھی۔ قرآن پاک میں ربُّ العزت نے اپنے بندوں کو دعائیں اور مناجاتیں بھی عطا فرمائی ہیں تاکہ بندوں کو اپنے رب سے مانگنے کا سلیقہ آجائے۔ ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار

اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور جہنم کے عذاب سے بچا۔

تو دنیا کی بھلائی سے بعض مفسرین نے ایک پاک دامن ہمدرد اور شوہر کی جاں نثار بی بی مراد لی ہے۔ ہماری اماں جان عمر بھر اس دعا کا پورا اثر معلوم ہوتی رہیں اپنے دیوروں اور نندوں کی اولاد سے بھی اپنے بچوں جیسی محبت فرماتی تھیں۔ گھرانے کے اکثر بچے انھیں اماں جان ہی کہتے تھے۔ اب کہاں ایسی پاک ہستیاں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا وعلیٰ بعلہا وابنیہا۔

بیعت و خلافت

ایک روز اعلیٰ حضرت قبلہ کسی خیال میں روتے روتے سو گئے اس لیے کہ قیلولہ (دوپہر کو لیٹنا جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے) اس خاندان میں اب تک رائج ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بھی اس سنت پر مدۃ العمر عامل رہے۔ خواب میں اعلیٰ حضرت قبلہ کے دادا حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب تشریف لائے اور فرمایا وہ شخص عنقریب آنے والا

ہے جو تمہارے اس درد کی دوا کرے گا۔ چنانچہ اس واقعے کے دوسرے یا تیسرے روز تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر صاحب بدایونی علیہ الرحمہ تشریف لائے۔ ان سے بیعت کے متعلق مشورہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ جلد ہی مارہرہ شریف چل کر بیعت ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ یہیں سے یہ تینوں حضرات مارہرہ شریف کو چل پڑے (اعلیٰ حضرت ان کے والدِ ماجد اور حضرت مولانا عبد القادر صاحب) جب حضرت مارہرہ شریف پہنچے اور آستانۂ عالیہ برکاتیہ پر حاضری ہوئی تو وہاں کے صاحبِ سجادہ حضرت سیّدنا و مولانا آلِ رسول سے اعلیٰ حضرت قبلہ اور ان کے والدِ ماجد کی پہلی ملاقات ہوئی انہوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کو دیکھتے ہی جو الفاظ فرمائے تھے وہ یہ تھے: "آیئے ہم تو کئی روز سے آپ کے انتظار میں تھے"۔ اعلیٰ حضرت اور ان کے والدِ ماجد بیعت ہوئے اور مرشدِ برحق نے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرما کر تاجِ خلافت اعلیٰ حضرت کے سر پر اپنے دستِ کرم سے رکھ دیا۔ یوں یہ خلش جس کے لیے اعلیٰ حضرت روتے تھے رب العزت نے نکال دی۔ شریعت کی تعلیم و تربیت باپ سے ملی تھی اور طریقت کی تکمیل پیر و مرشد نے کرادی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ شریعت و طریقت دونوں کے امام ہو گئے۔ زندہ باد اعلیٰ حضرت! زندہ باد! بعض مریدین نے جو اس وقت حاضر تھے حضرت سیّدنا آلِ رسول قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضور اس بچے پر یہ کرم کہ مرید ہوتے ہی تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا ہو گئی نہ ضروری ریاضت کا حکم ہوا نہ چلّہ کشی کرائی۔ اس کے جواب میں حضرت سیّدنا آلِ رسول نے فرمایا کہ تم کیا جانو یہ بالکل تیار آئے تھے۔ انہیں صرف نسبت کی ضرورت تھی تو یہاں آکر وہ ضرور +ت بھی پوری ہو گئی یہ فرما کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ ربُّ العزت دریافت فرمائے گا کہ آلِ رسول تو دنیا سے ہمارے لیے کیا لایا تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا۔ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ میں ایک قصبہ ہے اور اس میں ساداتِ کرام کا یہ خاندان بلگرام شریف سے آکر آباد ہوا ہے۔ یہ حسنی و حسینی سادات قادری نسل سے ہیں اور نسبت بھی قادری ہے۔ اس خاندان میں بڑے بڑے اولیائے کرام ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے مرشد سیّدنا شاہ آلِ رسول انہیں میں سے ایک تھے۔ ان کا اپنے دور کے اولیا کرام میں شمار تھا۔ علمائے کرام بدایوں بھی اسی خاندان سے بیعت ہوئے اور علمائے کرام بریلی کو بھی اسی دودمانِ پاک کی غلامی پر فخر ہے۔

مجدّدِ وقت

اعلیٰ حضرت قبلہ کے فیضانِ مجددیت کا ظہور ۱۳۰۱ھ کے آغاز سے ہوا۔ یہ واقعہ ذرا تفصیل طلب ہے واقعہ یہ ہے کہ ہمارے چچا مولوی محمد شاہ خاں صاحب عرف ننھن خاں صاحب مرحوم سوداگری محلّے کے قدیمی باشندے تھے۔ اعلیٰ حضرت سے عمر میں ایک سال بڑے تھے۔ بچپن ساتھ گزرا۔ ہوش سنبھالا تو ایک ہی جگہ نشست و برخاست رہی۔ ایسی حالت میں آپس میں بے تکلفی ہونا ہی تھی۔ ان کو اعلیٰ حضرت قبلہ ننھن بھائی جان کہتے ہیں۔ اور ان کے ایک سال بڑے ہونے کا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔ یہ بھی اکثر سفر و حضر میں ساتھ ہی رہتے۔ آدمی ذی علم تھے۔ گھر کے خوشحال زمیندار تھے یہاں تک کہ ندوہ کے مقابلہ میں جب اعلیٰ حضرت قبلہ نے بہار و کلکتہ کا سفر کیا تھا تو ننھن میاں بھی ساتھ رہے۔ میں نے اپنے ہوش سے

انھیں اعلیٰ حضرت قبلہ کی صحبت میں خاموش اور مؤدب ہی بیٹھے دیکھا۔ انھیں اگر مسئلہ دریافت کرنا ہو تو دوسروں کے ذریعے سے دریافت کراتے۔ میں مدتوں سے یہ ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک روز میں نے چچا سے عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت تو آپ کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہیں آپ ان سے اس قدر کیوں جھجکتے ہیں کہ مسئلہ خود نہیں دریافت کرسکتے۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم اور وہ بچپن سے ساتھ رہے۔ ہوش سنبھالا تو نشست و برخاست ایک ہی جگہ ہوتی۔ نمازِ مغرب پڑھ کر ہمارا معمول تھا کہ ان کی نشست میں آبیٹھتے۔ سیّد محمود شاہ صاحب وغیرہ چند ایسے احباب تھے کہ وہ بھی اس صحبت کی روزانہ شرکت کرتے۔ عشاتک مجلس گرم رہتی۔ اس مجلس میں ہر قسم کی باتیں ہوتی تھیں۔ علمی مذاکرے ہوتے تھے، دینی مسائل پر گفتگو ہوتی اور تفریحی قصے بھی ہوتے۔ جس دن محرم ۱۳۰۱ھ کا چاند ہوا ہے اس دن حسبِ معمول ہم سب بعدِ مغرب اعلیٰ حضرت کی نشست گاہ میں آگئے۔

اعلیٰ حضرت خلافِ معمول کسی قدر دیر سے پہنچے۔ حسبِ معمول سلام علیک کے بعد تشریف رکھی۔ اور لوگ بھی تھے۔ مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ ننھن بھائی جان آج ۱۳۰۱ھ کا چاند ہوگیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے بھی دیکھا۔ بعض اور ساتھیوں نے چاند دیکھنا بیان کیا۔ اس پر فرمایا کہ بھائی صاحب یہ تو صدی بدل گئی۔ میں نے بھی عرض کیا، صدی تو بے شک بدل گئی۔ خیال کیا تو واقعی اس چاند سے چودھویں صدی شروع ہوئی تھی۔ اس پر فرمایا کہ اب ہم اور آپ کو بھی بدل جانا چاہیے۔ یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس پر ایک سکوت کا عالم طاری ہوگیا اور ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا۔ پھر کسی کو بولنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ کچھ دیر سب خاموش بیٹھے رہے اور سلام علیک کرکے سب فرداً فرداً چلنے لگے۔ اس وقت تو کوئی بات سمجھ ہی میں نہ آئی کہ یکایک اس رعب چھا جانے کا سبب کیا ہوا۔ دوسرے روز بعدِ نمازِ فجر جب سامنا ہوا اور ان کے مجددانہ رعب و جلال سے واسطہ پڑا تو یاد آیا کہ انھوں نے جو بدلنے کو فرمایا تھا تو وہ خدا کی قسم ایسے بدلے کہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور ہم جہاں تھے۔ وہیں رہے وہ دن ہے اور آج کا دن کہ ہمیں ان سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی بلکہ اس اہم تبدیلی پر ہم نے تنہائی میں بارہا غور بھی کیا تو بجز اس کے کوئی بات سمجھ ہی میں نہ آئی کہ ان میں منجانب اللہ اس دن سے کوئی بڑی تبدیلی کردی گئی ہے جس نے انھیں بہت اونچا کردیا ہے اور ہم جس طرح پر پہلے تھے وہیں اب ہیں۔ ہاں جب دنیا انھیں مجدد المائۃ الحاضرہ کے نام سے پکارنے لگی تو سمجھ میں آیا کہ وہ تبدیلی یہ تھی جس نے ہمیں اتنے روز حیران ہی رکھا۔ یہ تھی وہ تاریخ جس میں انھیں موجودہ صدی کا مجدد بنایا گیا اور مجددیت کا منصب جلیل عطا ہوا اور ساتھ ہی ساتھ وہ رعب عطا ہوا جو اسی تاریخ سے محسوس ہونے لگا باوجودیکہ ہمیں بے تکلفی کے لیل و نہار اب تک یاد ہیں مگر رعب حق برابر روز افزوں ہے جو ان کے مدارج کی مزید ترقی کی دلیل ہے۔ یہ چچا محمد شاہ خاں عرف ننھن خاں صاحب اپنے شباب میں ایک بزرگ علی خاں صاحب سے بیعت ہوگئے تھے ان کا سالانہ عرس بھی کرتے تھے جب ان کا انتقال ہوگیا تو اعلیٰ حضرت قبلہ سے طالب ہوگئے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کا عہدِ طفلی، پھر ان کا شباب اور اس کے بعد آغازِ پیرانہ سالی، یہ سب زمانے انھوں نے بچشم سر دیکھے تھے۔ لہٰذا اُن کی

عقیدت مندی بھی مریدین میں خاص امتیاز رکھتی تھی۔ ان کے انتقال کا اعلیٰ حضرت کو بڑا صدمہ ہوا۔

بزرگوں کا ادب

اعلیٰ حضرت قبلہ، حضرت حجۃ الاسلام کو گھر کے ایک دالان میں پڑھانے بیٹھے۔ وہ پچھلا سبق سن کر آگے سبق دیتے تھے پچھلا سبق جو سنا تو وہ یاد نہ تھا اس پر ان کو سزادی۔ اعلیٰ حضرت کی والدۂ محترمہ جو دوسرے دالان کے کسی گوشے میں تشریف فرما تھیں انھیں کسی طرح اس کی خبر ہو گئی۔ وہ حضرت حجۃ الاسلام کو بہت چاہتی تھیں۔ غصّے میں بھری ہوئی آئیں اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی پشت پر ایک دو ہتڑ مارا اور فرمایا تم میرے حامد کو مارتے ہو۔ اعلیٰ حضرت فوراً جھک کر کھڑے ہو گئے اور اپنی والدۂ محترمہ سے عرض کیا کہ اماں اور ماریے جب تک کہ آپ کا غصہ فرو نہ ہو۔ یہ کہنے کے بعد انھوں نے ایک دو ہتڑ مارا اعلیٰ حضرت سر جھکائے کھڑے رہے یہاں تک کہ وہ خود واپس تشریف لے گئیں۔ اس وقت تو جو غصّے میں ہونا تھا ہو گیا مگر اس واقعے کا ذکر جب کرتیں تو آبدیدہ ہو کر فرماتیں کہ دو ہتڑ مارنے سے پہلے میرے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے کہ ایسے مطیع و فرماں بردار بیٹے کے جس نے خود کو پٹنے کے لیے پیش کر دیا، دوسرا ہتڑ کیسے مارا۔ افسوس!

یہ تھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بڑوں کی عزت۔ اس کے لیے ربُّ العزت نے ان کو گھر بیٹھے حیرت انگیز وقار عطا فرمایا تھا۔ ان کے دور میں اس کی ایسی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔ دوست دشمن سب ان کا لوہا مانتے تھے۔ اور اب بھی جو لوگ ان کو جانتے جا رہے ہیں وہ ان کو اپنے دور کا سب سے بڑا رہنما مانتے جا رہے ہیں۔ آج بھی بفضلہٖ تعالیٰ ان کی شخصیت سب سے پیش پیش ہے۔ اور ہر نزاعی مسئلے میں ان کے رسائل و فتاویٰ پر سب کی نظر ہے۔

دستارِ فضیلت

عمر شریف کا چودھواں سال اور چودہ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو سند و دستارِ فراغت حاصل فرمائی۔

منصبِ اِفتا

اسی دن ایک رضاعت کا مسئلہ لکھ کر والدِ ماجد کی خدمت میں پیش کیا جواب بالکل صحیح تھا۔ والدِ ماجد صاحب نے آپ کی فراست و ذہانت دیکھ کر اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد فرمادیا۔ خیر یہ تو دستارِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد مسئلہ تحریر فرمایا مگر آپ نے تو ایک مسئلہ فرائض کا آٹھ سال کی عمر شریف میں تحریر فرمایا۔

حفظِ قرآن شریف

ایک دن اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض ناواقف حضرات میرے نام کے ساتھ "حافظ" بھی لکھ دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ میں اس منصب کا اہل نہیں ہوں، یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا رکوع پڑھ کر سنا دیا کرتے تو دوبارہ مجھ سے سن لیتے۔ چنانچہ یہ طے پایا اور عشا کا وضو فرمانے کے بعد جماعت سے پہلے نشست شروع

کر دی اور تیسویں روز آپ نے تیسوں پارے حفظ سنا دیے اور فرمایا کہ میں نے بحمد اللہ کلام پاک بالترتیب یاد کر لیا اور یہ اس لیے کہ بندگانِ خدا کا کہنا غلط نہ ہو۔

آغاز نصیحت

چھ سال کی عمر شریف میں ربیع الاول کے مبارک مہینے میں منبر پر رونق افروز ہوئے اور بہت بڑے مجمع کے سامنے سب سے پہلے تقریر فرمائی جس میں کم و بیش دو گھنٹے علم و عرفان کے دریا بہائے اور سرورِ کائنات ﷺ کے ذکرِ پاک کے بیان کی خوشبو سے اپنی زبان کو معطر فرمایا۔

وعظ و تقریر

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ وعظ و تقریر سے بہت احتراز فرماتے اور ارشاد ہوتا کہ تقریر کے الفاظ تو ہوا میں اڑ جاتے ہیں کتاب جب تک باقی ہے لوگ اس سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔

کشف و کرامت

جناب امجد علی خان صاحب بھینسوڑی شریف کے رہنے والے تھے۔ آپ شکار کو گئے شکار میں گولی غلطی سے کسی اور کے لگی وہ مر گیا۔ آپ گرفتار ہو گئے اور پولیس نے آپ پر قتل ثابت کر دیا اور پھانسی کا حکم ہو گیا۔ تاریخ سے قبل کچھ لوگ ملنے گئے اور رونے لگے آپ نے کہا جاؤ آرام کرو اس تاریخ کو گھر پر آ کر ملوں گا۔ میرے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے رات فرمادیا ہے کہ ہم نے تجھے چھوڑ دیا ہے۔ سب لوگ چلے گئے۔ پھانسی کی تاریخ پر والدہ ملنے گئیں اور رونے لگیں مگر اللہ رے عقیدہ کہ کہا جاؤ گھر جاؤ، میں ان شاء اللہ گھر آ کر ناشتہ کروں گا۔ اس کے بعد ان کو لے جایا گیا جہاں پھانسی ہونی تھی۔ پھندا ڈالنے سے پہلے حسبِ دستور پوچھا گیا، کیا خواہش ہے؟ انہوں نے کہا، کیا کرو گے پوچھ کر، میرا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ سب حیرت میں تھے کہ یہ کیسا آدمی ہے۔ ادھر ان کو تختے پر کھڑا کر کے گلے میں پھندا ڈال دیا کہ اتنے میں تار آیا ملکہ وکٹوریہ کی تاجپوشی کی خوشی میں اتنے خونی اور اتنے قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ فوراً آپ کو تختہ سے اتار لیا گیا۔

گھر پر کہرام مچا تھا۔ لاش لانے کا انتظام ہو رہا تھا کہ آپ گھر پہنچے اور کہا کیوں ابھی تک ناشتہ تیار نہیں کیا میں نے کہہ دیا تھا میں گھر پر آ کر ناشتہ کروں گا۔

ساداتِ کرام کا احترام

مولانا حشمت علی خاں صاحب مدظلہ العالی کے پاس ایک سیّد صاحب پڑھا کرتے تھے۔ ذہن کند تھا، سبق یاد نہ ہوتا تھا۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی، حضور سیّد کا لڑکا اگر سبق یاد نہ کرتا ہو تو سزا دی جاسکتی ہے؟ فرمایا، مولانا کیا فرماتے ہیں سیّد زادے اور سزا؟ ہرگز نہیں۔ اس پر عرض کی تو پھر نہیں پڑھے گا جاہل رہے گا۔ فرمایا جب

مجبور ہو جائے تو یہ نیّت کرلے کہ شہزادے کے پاؤں میں مٹی لگی ہے اسے صاف کر رہا ہوں۔ اللہ اکبر کیا احترام تھا۔

تعظیمِ ساداتِ کرام

علمائے کرام نے اپنی مستند تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کہ جس کو حضور ﷺ سے نسبت و اضافت ہے اس کی تعظیم کرنی اور ان میں ساداتِ کرام جزوِ رسول ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مستحق توقیر و تعظیم ہیں اور اس پر پورا عمل کرنے والا ہم نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کو پایا۔ اس لیے کہ وہ کسی سیّد صاحب کو اُس کی ذاتی حیثیت و لیاقت سے نہیں دیکھتے بلکہ اس حیثیت سے ملاحظہ فرماتے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جز ہیں پھر اس اعتقاد و نظریہ کے بعد جو کچھ ان کی تعظیم و توقیر کی جائے سب درست ہے۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

رحلت کے آثار اور وصایا

ابتدائے علالت سے یہ دستور رہا کہ جب لوگ اندر مکان میں حاضر ہوتے تو سلام و دست بوسی کے بعد صرف ایک شخص مزاج پرسی کرتا۔ آپ شکر ادا کرتے اور مختصر حال بیان فرمادیتے۔ اس دوران اگر کوئی مسئلہ دریافت کرتا اس کا جواب دیتے، صبر و شکر کی تلقین فرماتے اور ان مجالس عیادت میں سفر آخرت کا زیادہ ذکر رہتا۔ خود روتے دوسروں کو رُلاتے اور سرکار دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد تو مدّت العمر ان کی ہر صحبت میں ہر تقریر کا موضوع ہی رہی۔ وہ موقع یہ موقع ضرور ہوا کرتی، دورانِ علالت کی صحبتوں میں یہ بھی فرمایا کہ ربُّ العزت کا فضل مانگو، وہ اگر عدل فرمائے تو ہمارا تمہارا کہیں ٹھکانا نہ لگے۔ اولیائے کرام کے قصص اکثر مثال کے طور پر پیش فرماتے۔ اس جمعے کو بھی یہ مجلسِ تذکیر دیر تک رہی۔ آج بھی لوگ پند و نصائح کے انمول موتیوں سے دامن مراد بھر کے لوٹے، تھوڑی دیر کے لیے ہم سب یہ سمجھے کہ آج صحت کی طرف طبیعت کا صحیح قدم اُٹھا ہے۔ یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ جو کچھ اظہار طمانیت کر رہے ہیں وہ صرف ہم سب کا غم غلط کرنے کو کر رہے ہیں، در حقیقت آج ہی ان کی روانگی ہے۔ یہ تو جب معلوم ہوا کہ جب انہوں نے اپنی روانگی کے پروگرام پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ سب سے پہلے آپ نے مفتی اعظم سے کل جائداد کا وقف نامہ لکھوایا۔ خود اس کا مضمون بولتے جاتے اور حضرت مفتی اعظم لکھتے جاتے۔ جب وقف نامہ لکھا گیا تو خود ملاحظہ فرما کر دستخط ثابت فرمادیے۔ وقف نامے میں جائداد کی چوتھائی آمدنی مصرفِ خیر میں رکھی اور تین چوتھائی آمدنی بحصص شرعی ورثہ پر تقسیم فرمادی۔ آج صبح سے کچھ نہ کھایا تھا۔ خشک ڈکار آئی۔ حکیم حسنین رضا خاں صاحب حاضر خدمت تھے۔ ان سے فرمایا کہ معدہ بفضلہٖ تعالیٰ بالکل خالی ہے، ڈکار خشک آئی ہے۔ اس پر بھی احتیاطاً ایک مرتبہ دھال سے کچھ قبل چوکی پر بیٹھے، اب گھڑی سامنے رکھوالی۔

اب سے جو کام کرتے تو پہلے وقت دیکھ لیتے۔ شروعِ نزع سے کچھ قبل فرمایا کارڈ، لفافے، روپیہ، پیسہ کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے، جنب یا حائضہ نہ آنے پائے، کتا مکان میں نہ آئے، سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد باآواز پڑھی جائیں، کلمۂ طیبہ سینہ پر دم آنے تک متواتر باآواز پڑھا جائے، کوئی چلا کر بات نہ کرے، کوئی رونے والا بچہ مکان میں نہ آئے، بعد قبضِ روح فوراً نرم ہاتھوں سے آنکھیں بند کردی جائیں، بسم اللہ وعلیٰ ملّۃ رسول اللہ کہہ کر نزع میں سرد پانی ممکن ہو تو برف کا پانی پلایا جائے، ہاتھ پاؤں وہی پڑھ کر سیدھے کردیے جائیں، اصلاً کوئی نہ روئے وقت نزع میرے اور اپنے لیے دعائے خیر مانگتے رہو کوئی بُرا کلمہ زبان سے نہ نکلے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں جنازہ اُٹھنے پر خبردار کوئی آواز نہ نکلے غسل وغیرہ سب مطابق سنت ہو جنازہ میں بلاوجہ شرعی تاخیر نہ ہو جنازے کے آگے کوئی شعر میری مدح کا ہرگز نہ پڑھا جائے قبر میں بہت آہستگی سے اتاریں داہنی کروٹ پر وہی دعا پڑھ کر لٹائیں نرم مٹی کا پشتارہ لگائیں جب تک قبر تیار ہو۔

سُبۡحٰنَ اللّٰہِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتۡ عُبَیۡدَکَ ھٰذَا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ بِجَاہِ نَبِیِّکَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ

پڑھتے رہیں۔ اناج قبر پر نہ لے جائیں یہیں تقسیم کردیں وہاں بہت غل ہوتا ہے اور قبروں کی بے حرمتی۔ بعد تیاری قبر کے سرہانے الٓمٓ تا مفلحون پائنتی آمن الرسول تا آخر سورہ پڑھیں اور سات بار باآواز بلند حامد رضا خاں اذان کہیں اور متعلقین میرے مواجہہ میں کھڑے ہو کر تین بار تلقین کریں۔ پھر اعزہ واحباب چلے جائیں ہوسکے تو ڈیڑھ گھنٹے میری مواجہہ میں درود شریف ایسی آواز سے پڑھتے رہیں کہ میں سنوں پھر مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کرکے چلے آئیں اگر ہوسکے تو تین شبانہ روز کامل پہرے کے ساتھ دو عزیز یا دوست مواجہہ میں قرآن مجید آہستہ آہستہ یا درود شریف ایسی آواز سے بلاوقفہ پڑھتے رہیں کہ اللہ چاہے تو اس نئے مکان سے میرا دل لگ جائے (اور ہوا بھی یہی کہ جس وقت وصال فرمایا اس وقت سے غسل تک قرآن کریم باآواز برابر پڑھا گیا اور پھر تین شبانہ روز قبر انور پر بلاتوقف مواجہہ اقدس میں مسلسل تلاوت جاری رہی) کفن پر کوئی دوشالہ یا قیمتی چیز یا یا شامیانہ نہ ہو غرضیکہ کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

وصال

۱۲ ربجے دن کے بعد اعلیٰ حضرت قبلہ نے جائداد کا وقف نامہ لکھوایا اور اپنے دستخطوں سے مزین فرمایا اس کے بعد حضرت حجۃ الاسلام سے سورۂ رعد پڑھوائی جسے بڑے اطمینان سے بغور سنتے رہے پھر یٰسین شریف پڑھوائی ۲ ربجے کے بعد پانی طلب فرمایا جو پیش کیا گیا پانی پی کر کلمۂ طیبہ پڑھنے لگے کچھ دیر کے بعد صرف اسم جلالت اللہ، اللہ کا ورد فرمایا یہاں تک کہ دو بج کے ۳۸ منٹ پر داعیِ اجل کو لبیک کہا اور ان کی روح پاک اپنے رفیق اعلیٰ کی بارگاہ میں چلی گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ جمعہ مبارکہ کا دن تھا صفر المظفر کی ۲۵ تاریخ تھی دو بج کے ۳۸ منٹ ہوئے تھے جب کہ دنیائے اسلام میں خطیب

منبروں پر خطبوں میں بلند آواز سے پڑھ رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ

اے اللہ اس کی مدد کر جس نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کی اور ہمیں بھی ان کی ہمراہی کا شرف عطا فرما۔

ان کی روح ان دعاؤں کے جھرمٹ میں ملی جلی بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگئی رحمۃ اللہ علیہ۔

اس جمعہ سے قبل والے جمعہ کو اعلیٰ حضرت کی مسجد کی تشریف آوری میں دیر لگی تھی ان کے انتظار کی وجہ سے لوگوں نے جمعہ میں معمول کے خلاف تاخیر کرادی اس واسطے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کو کئی بار وضو کرنا پڑا تھا۔ لہٰذا آج صبح ہی ہم سب سے تاکید فرمادی کہ پچھلے جمعہ کی طرح آج میری وجہ سے نمازِ جمعہ میں اصلاً تاخیر نہ کی جائے، جمعہ کی نماز اپنے معمول کے مطابق وقت پر قائم ہو، کوئی بھی کچھ کہے نہ مانا جائے۔ ہم لوگ اس کا یہ مطلب سمجھے کہ پچھلے جمعہ میں جو بعض حضرات کے کہنے سے مقررہ وقت ٹالا گیا اس کی آج ممانعت فرمادی ہے۔ یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ آج ہی عین جمعہ کے وقت رخصت ہو رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ اس وقت رونے پیٹنے میں بدحواس ہوں گے۔ جمعہ میں بلاوجہ تاخیر ہوگی۔

اعلیٰ حضرت قبلہ کو التزام جماعت پنجگانہ میں بہت ملحوظ تھا۔ کئی سال پہلے پاؤں کا انگوٹھا ایسا پکا تھا کہ نہ جوتا پہنا جاتا تھا نہ کھڑے ہوسکتے تھے اس بار پہلی مرتبہ ظہر کے وقت باہر تشریف لائے تو چاروں ہاتھ پاؤں کی مدد سے باہر تشریف لائے خدام نے فوراً کرسی پر بٹھادیا اسی طرح بعد نماز کرسی پر بٹھا کر لے گئے اور پلنگ پر بٹھادیا اور استنجے کے لیے پلنگ سے ملا کر چوکی لگادی گئی جب تک انگوٹھا پکا یہ عمل جاری رہا کہ جماعت میں شرکت کے لیے زنانہ مکان سے کرسی پر مسجد کے اندر آئے اور مسجد سے کرسی پر اندر لے جائے علالت میں بھی آپ جب مسجد نہ جاسکے تو نمازوں کے اوقات پر کرسی لیے موجود رہتے اور جماعت میں آپ کو نماز پڑھواتے چنانچہ جمعۃ الوفات سے پہلا جمعہ آپ نے مسجد میں باجماعت ادا کیا تھا کرسی اُٹھانے کے لیے کچھ مخلصین اور کچھ گھر والے نماز کے وقت ضرور حاضر ہوجاتے جن میں سے ایک بفضلہٖ تعالیٰ یہ راقم الحروف بھی ہے۔ خداوند عالم ان سب کو اجر خیر دے آمین۔

تکفین و تدفین

چنانچہ وصال کے بعد فوراً جمعہ کی تیاری کی آواز لگادی گئی اور سب حاضرین و اہل خانہ بجائے آہ و بکا و گریہ وزاری کے جمعہ کی تیاری میں لگ گئے۔ جمعہ کے بعد لوگ بہت آگئے۔ تجہیز و تکفین و تدفین کا مشورہ ہوا۔ فوراً ۴۵ تار دیے گئے۔ جہاں جہاں سے لوگ آسکتے تھے وہ دفن کے مقررہ وقت تک بریلی آگئے۔ غسل میں ساداتِ عظام اور علمائے کرام و اہل خاندان نے شرکت کی۔ جنازہ تیار ہوا تو کفن لانے والے صاحب عطر بھول گئے تھے۔ عین ضرورت کے وقت محلہ پینٹھ میراں کے ایک حاجی صاحب اعلیٰ حضرت قبلہ کی نذر کے لیے مدینۂ پاک کا عطر غلافِ کعبہ آبِ زم زم خاکِ شفا وغیرہ لے کے آگئے۔ یہ عطیہ عین وقت پر پہنچا۔ یہ سب چیزیں فوراً کام آئیں۔ رونمائی کے بعد جنازہ نماز کے لیے عید گاہ چلا اس واسطے کہ وسط شہر کوئی

ایسا وسیع میدان نہ تھا بجز ایک ارض مغصوبہ کے سوداگری محلّے سے عید گاہ تک جو کشمکش رہی ہے وہ کبھی نہ دیکھی یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اس چھین جھپٹ میں پلنگ ٹوٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا مگر شکر ہے کہ پلنگ سلامت رہا۔

وہاں پہنچ کر ایک تعجب خیز واقعہ اور دیکھا کہ عید گاہ میں چھ سات جنازے پہلے سے رکھے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے جنازے کا انتظار ہو رہا ہے۔ لوگوں سے کہا کہ تم نے حسبِ دستور اپنے محلّے میں نمازِ جنازہ پڑھ کے دفن نہ کر دیا، یہ کیا کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ سب اعلیٰ حضرت قبلہ کے فدائی تھے۔ ان کے جنازوں کی نماز ان کی نمازِ جنازہ کے ساتھ ہو گی۔ وہ بھی عجیب سماں تھا کہ اکٹھے چھ یا سات جنازوں کی نماز ایک ساتھ ہو رہی تھی۔ صف بستہ نماز ادا کر رہے تھے۔ دو ایک جنازے دیہات کے تھے باقی شہر کے مختلف حصوں کے تھے بیسیوں سقہ صاحبان بلا کسی تحریک کے گھر سے عید گاہ تک چھڑکاؤ کرتے جا رہے تھے انہوں نے عید گاہ میں وضو کا پانی دیا۔ ظہر عید گاہ میں ادا کی گئی۔ اس کے بعد جنازہ سوداگری محلہ لا کر خانقاہِ رضویہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ یہاں تمام حاضرین نے نمازِ عصر ادا کی اور اسی وقت مزار شریف پر تلاوتِ قرآنِ پاک شروع ہو گئی جو تین دن تین رات مسلسل جاری رہی۔ رات میں بھی کسی وقت ایک آن کو تلاوت نہ رُکی۔ ہندوستان میں جگہ جگہ سوم کیا گیا۔ مگر خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر خادمِ آستانہ سیّد حسین صاحب مرحوم نے جو سوم کیا وہ بہت بڑے پیمانے پر ہوا۔ اس میں ختمِ قرآنِ پاک بہت ہو گئے ویسے تو کلکتہ رنگون میں بھی سوم کی اطلاعات آئیں مگر جامعہ ازہر مصر کی رپورٹ جو انگریزی اخباروں میں چھپی اس سے بڑی حیرت ہوئی اس واسطے کے یہاں سے کوئی اطلاع نہ دی گئی تھی۔

ایصالِ ثواب

مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ سے بھی ایصال ثواب کی اطلاعیں ملیں۔ مدینۂ منورہ میں مولانا ضیاء الدین احمد صاحب اور وہاں کے دیگر علمائے کرام نے سنا ہے کہ مواجہہ اقدس میں بیٹھ کر ایصال ثواب کیا۔ یہ اس ذاتی عشق کا اثر تھا جو اعلیٰ حضرت کو سرکارِ دو جہاں کی ذاتِ کریمہ سے تھا۔ حسب دستور خاندانِ قادریہ عرس چہلم میں رسم سجادگی عمل میں آئی۔ جس میں ہندوستان کے اکثر علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ حسب الحکم اعلیٰ حضرت قبلہ حضرت حجۃ الاسلام کو خرقۂ خلافت پہنایا گیا۔ چہلم میں علمائے کرام نے تقریریں کیں، وہ تو یاد نہ رہیں مگر مولانا سید سلیمان اشرف ناظم دینیات علی گڑھ یونیورسٹی کی ایک بات اب تک یاد ہے کہ جس پر لوگ بہت روئے تھے۔ انہوں نے اثنائے تقریر میں جب کہ قبر انور کے پاس کھڑے تقریر کر رہے تھے۔ فرمایا کہ یارو! مجھے بریلی آتے جاتے بہت دیکھا ہے مگر اب نہ دیکھو گے میں علی گڑھ کالج میں ہوں جہاں عربی کا بھی بڑا کتب خانہ موجود ہے۔ اگر ہم کسی تحقیق کے درپے ہوں تو بکثرت کتابیں دیکھ سکتے ہیں اور دیکھتے بھی ہیں مگر ہمیں پوری تسکین جبھی ہوتی ہے جب کہ اس بندۂ خدا (قبر انور کی طرف اشارہ کر کے) کی زبان سے سُن لیتے تھے تو اب بتاؤ ہم کیوں آنے لگے اس پر مجمع میں لوگوں کی چیخیں نکل گئیں ؎

وہ لب ہلائیں گے نہیں
ہم آئیں گے نہیں

ہم ۳۰ویں سالانہ

امام احمد رضا کانفرنس

کے انعقاد پر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کو

مبارک باد

پیش کرتے ہیں۔

من جانب

پروفیسر محمد آصف خان علیمی

مولانا حامد علی علیمی

☆ قصیدۂ نور

☆ نُطقُ الہلال

ربیع الاوّل

صفحہ نمبر	مشمولات

قصیدۂ نور

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صَدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

باغِ طیبہ میں سُہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارہ نور کا

ان کے قصرِ قدر سے خلد ایک کمرہ نور کا
سدرہ پائیں باغ میں ننھا سا پودا نور کا

عرش بھی فردوس بھی اس شاہ والا نور کا
یہ مثمّن بُرج وہ مشکوئے اعلیٰ نور کا

آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا نور کا
ماہِ سنّت مہرِ طلعت لے لے بدلا نور کا

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا سِتارا نور کا

میں گدا تو بادشاہ بھردے پیالہ نور کا
نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا

تیری ہی جانب ہے پانچوں وقت سجدہ نور کا
رُخ ہے قبلہ نور کا ابرو ہے کعبہ نور کا

پشت پر ڈھلکا سرِ انور سے شملہ نور کا
دیکھیں موسیٰ طور سے اُترا صحیفہ نور کا

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

بینیِ پُر نور پر رخشاں ہے بُکّہ نور کا
ہے لواء الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا

مصحفِ عارض پہ ہے خطِ شفیعہ نور کا
لو سیہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا

آبِ زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا
مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا

پیچ کرتا ہے فدا ہونے کو لمعہ نور کا
گِردِ سر پھرنے کو بنتا ہے عمامہ نور کا

ہیبتِ عارض سے تھراتا ہے شعلہ نور کا
کفشِ پا پر گر کے بن جاتا ہے گپھا نور کا

شمع دِل مِشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سُورہ نور کا

مَیل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

تیرے آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا — نور نے پایا ترے سجدے سے سیما نور کا

تو ہے سایہ نورکا ہر عضو ٹکڑا نور کا — سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

کیا بنا نامِ خدا اسرا کا دُولھا نور کا — سر پہ سہرا نور کا بر میں شہانہ نور کا

بزمِ وحدت میں مزا ہوگا دوبالا نور کا — ملنے شمعِ طور سے جاتا ہے اِکّا نور کا

وصفِ رخ میں گاتی ہیں حوریں ترا نہ نور کا — قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا

یہ کتابِ کُن میں آیا طرفہ آیہ نور کا — غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنے نور کا

دیکھنے والوں نے کچھ دیکھا نہ بھالا نور کا — مَنْ رَاٰنِی کیسا؟ یہ آئینہ دکھایا نور کا

صبح کردی کفر کی سچّا تھا مژدہ نور کا — شام ہی سے تھا شبِ تیرہ کو دھڑکا نور کا

پڑتی ہے نوری بھرن امڈا ہے دریا نور کا — سر جھکا اے کشتِ کفر آتا ہے اہلا نور کا

ناریوں کا دَور تھا دل جل رہا تھا نور کا — تم کو دیکھا ہوگیا ٹھنڈا کلیجا نور کا

نسخ ادیاں کرکے خود قبضہ بٹھایا نور کا — تاجور نے کرلیا کچّا عِلاقہ نور کا

جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا — نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

بھیک لے سرکار سے لا جَلد کاسہ نور کا — ماہِ نو طیبہ میں بٹتا ہے مہینہ نور کا

دیکھ ان کے ہوتے نازیبا ہے دعویٰ نور کا — مہر لکھ دے یاں کے ذرّوں کو مچلکا نور کا

یاں بھی داغِ سجدۂ طیبہ ہے تمغا نور کا — اے قمر کیا تیرے ہی ماتھے ہے ٹیکا نور کا

شمع ساں ایک ایک پَروانہ ہے اس بانور کا — نورِ حق سے لو لگائے دل میں رشتہ نور کا

انجمن والے ہیں انجم بزم حلقہ نور کا — چاند پر تاروں کے جھرمُٹ سے ہے ہالہ نور کا

تیری نسلِ پاک میں ہے بچّہ بچّہ نور کا — تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

نور کی سرکار سے پایا دو شالہ نور کا — ہو مبارک تم کو ذو النورین جوڑا نور کا

کِس کے پَردے نے کیا آئینہ اندھا نور کا — مانگتا پھرتا ہے آنکھیں ہر نگینہ نور کا

اب کہاں وہ تابشیں کیسا وہ تڑکا نور کا — مہر نے چھپ کر کیا خاصا دھندلکا نور کا

تم مقابل تھے تو پہروں چاند بڑھتا نور کا — تم سے چھٹ کر منھ نکل آیا ذرا سا نور کا

قبرِ انور کہیے یا قصرِ معلّےٰ نور کا — چرخِ اطلس یا کوئی سادہ سا قبہ نور کا

آنکھ مِل سکتی نہیں دَر پر ہے پہرا نور کا — تاب ہے بے حکم پَر مارے پرندہ نور کا

نزع میں لوٹے گا خاکِ در پہ شیدا نور کا — مَر کے اوڑھے گی عروسِ جاں دوپٹا نور کا

تابِ مہرِ حشر سے چَونکے نہ کشتہ نورکا — بوندیاں رحمت کی دینے آئیں چھینٹا نور کا

وضع واضع میں تری صورت ہے معنی نور کا — یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا

انبیا اجزا ہیں تُو بالکل ہے جملہ نور کا — اس علاقے سے ہے اُن پر نام سچّا نور کا

یہ جو مہرو مَہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا — بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

سرمگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال — ہے فضائے لا مکاں تک جن کا رمنا نور کا

تابِ حسنِ گرم سے کھل جائیں گے دل کے کنول — نو بہاریں لائے گا گرمی کا جھلکا نور کا

ذرّے مہر قدس تک تیرے توسّط سے گئے — حدّ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

سبزۂ گردوں جھکا تھا بہرِ پا بوسِ بُراق — پھر نہ سیدھا ہو سکا کھایا وہ کوڑانور کا

تابِ سُم سے چوندھیا کر چاند انھیں قدموں پھرا — ہنس کے بجلی نے کہا دیکھا چھلاوا نور کا

دید نقشِ سم کو نکلی سات پَردوں سے نگاہ — پتلیاں بولیں چلو آیا تماشا نور کا

عکسِ سم نے چاند سُورج کو لگائے چار چاند — پڑگیا سیم و زرِ گردوں پہ سکّہ نور کا

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں — کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھِلونا نور کا

اک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک — حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیا نور کا

صَاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں — خط تو اَم میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

کٓ گیسو ہٰ دہن یٰ ابرو آنکھیں عٓ صٓ — کٓھٰیٰعٓصٓ اُن کا ہے چہرہ نور کا

اے رضؔا یہ احمدِ نوری کا فیض نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

نُطقُ الھِلاَلِ بِأَرُخِ وِلاَدِ الحَبِیبِ وَالوِصَالِ

(حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
تاریخ ولادت ووصال پر ہلال کی گواہی)

فصلِ اوّل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلۂ اولیٰ

استقرارِ نطفۂ زکیہ سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کس ماہ و تاریخ میں ہُوا۔

الجواب:

بعض غرّہ [1] رجب کہتے ہیں، رواہ الخطیب عن سیّدنا سھل التستری قدّس سرّہٗ۔ [2]

اور بعض دہم محرم:

اخرج ابو نعیم وابن عساکر عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال حمل برسول اللہ

1۔ غرّہ: چاند کی پہلی رات، چاند رات۔

2۔ قال سھل بن عبداللہ التستری فیما رواہ الخطیب البغدادی الحافظ لما اراد اللہ خلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی بطن آمنۃ لیلۃ اوّل رجب۔ (شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ جلد ۱، ص ۱۲۴، مطبوعہ بیروت)۔

ترجمہ: حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں، جیسا کہ خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو رجب کی پہلی رات کو ان کی والدہ ماجدہ آمنہ کے بطنِ مُبارک میں پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی عاشوراء المحرم وولد یوم الاثنین ثنتی عشرۃ[3] من رمضان

اقول: فیہ مسیب بن شریك ضعیف جدًا[4]

اور صحیح یہ ہے کہ ماہِ حج کی بارہویں تاریخ۔[5]

ھکذا صححہ فی المدارج کما سیأتی[6]

اس کی مؤید[7] ہے حدیث ابن سعد و ابن عساکر کہ زنِ خثعمیہ[8] نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کو اپنی طرف بلایا، رمی[9] جمار کا عذر فرمایا۔ بعدِ رمی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے مقاربت[10] کی اور حملِ اقدس مستقر ہوا[11]۔ پھر خثعمیہ نے دیکھ کر کہا:

کیا ہمبستری کی؟

فرمایا: ہاں۔

کہا: وہ نور کہ میں نے آپ کی پیشانی سے آسمان تک بلند دیکھا تھا نہ رہا۔ آمنہ رضی اللہ عنہا کو مژدہ[12] دیجیے کہ ان کے حمل میں

3۔ مفصل روایت یوں ہے: وروی المسیب بن شریك عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ انہ قال حمل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی عاشوراً المحرّم وولد یوم الاثنین لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من رمضان سنۃ ثلاث وعشرین من غزوۃ اصحاب الفیل۔ (مختصر تاریخ دمشق، لابن عساکر، جلد ۲، ص ۳۳ مطبوعہ دمشق)

مسیب بن شریک نے شعیب بن شعیب سے روایت کیا انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے بطنِ اطہر میں عاشورۂ محرم میں جلوہ گر ہوئے اور آپ کی ولادت بارہ رمضان بروز پیر واقعہ فیل کے تیئیس برس بعد ہوئی۔

4۔ ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اس روایت میں مسیب بن شریک راوی ہے جو بہت ہی ضعیف ہے۔

5۔ اس کی تحقیق مسئلۂ پنجم میں آتی ہے۔ ۱۲ منہ (حاشیہ از مصنّف)

6۔ ایسا ہی مدارج النبوت میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ عنقریب اس کا بیان آتا ہے۔ ملاحظہ ہو، (مدارج النبوۃ جلد ۲، ص ۱۳ مطبوعہ نولکشور)۔

7۔ مؤیّد: تائید کرنے والی۔

8۔ خثعم قبیلے کی عورت۔

9۔ ایامِ حج میں جمرات کو کنکریاں مارنا۔

10۔ نزدیکی، ہم بستری کرنا۔

11۔ قرار پانا۔

12۔ بشارت: خوش خبری۔

افضل اہلِ زمین ہے۔

قال ابن سعد انا وھب بن جریر ابن حازم ثنا ابی سمعت ابا یزید المدینی قال نبئت ان عبداللہ ابا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتٰی امرأۃ من خثعم فرأت النوربین عینیہ نورًا ساطعًا الی السماء فقالت[13] ھل لك فیّ قال نعم حتّٰی ارمی الجمرۃ الحدیث۔

ظاہر ہے کہ رمی جمار نہیں ہوتی مگر حج میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ثانیہ

دن کیا تھا۔

الجواب:

کہا گیا ہے، روز دوشنبہ

ذکرہ الزبیر بن بکار وبہ جزم فی تکملۃ مجمع البحار [14]

اور اصح یہ ہے کہ شب جمعہ تھی۔ اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ شبِ جمعہ کو شبِ قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر وبرکت و

13۔ مفصّل روایت یوں ہے: قال اخبرنا وھب بن جریر بن حازم اخبرنا ابی قال سمعت ابا یزید المدنی قال نبئت ان عبداللہ ابا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتی علی امراۃ من خثعم فرات بین عینیہ نور اساطعا الی السماء فقالت ھل لك فی قال نعم ارمی الجمرۃ فانطلق فرمی الجمرۃ ثم اتی امراتہ اٰمنۃ بنت وھب ثم ذکر یعنی الخثعمیۃ فاتاھا فقالت ھل اتیت امراۃ بعدی قال نعم امراتی امنۃ بنت وھب قالت فلاحاجۃ لی فیك انك مررت وبین عینیك نور ساطع الی السّماء فلما وقعت علیھا ذھب فاخبرھا انھا قد حملت خیر اھل الارض۔ (طبقات ابن سعد ج۱ ص۹۷، طبع بیروت)

ترجمہ: ہمیں وہب بن جریر بن حازم نے خبر دی وہ کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے خبر دی، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابویزید المدنی سے سُنا وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ والدِ ماجد حضرت **محمد** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم خثعم قبیلے کی ایک عورت کے پاس سے گزرے۔ اس عورت نے حضرت عبداللہ کی دو آنکھوں کے درمیان ایک نور دیکھا جو آسمان تک بلند تھا۔ عورت نے آپ سے کہا کیا تو میری طرف رغبت کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں مگر میں جمرات کو رمی کرلوں۔ آپ چلے گئے، رمیِ جمار فرمایا۔ اپنی زوجۂ مقدّسہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب سے مباشرت فرمائی۔ پھر آپ کو زنِ خثعمیہ یاد آئی آپ اس کے پاس آئے اس نے کہا، کیا آپ میرے بعد کسی اور عورت کے پاس آئے ہیں، فرمایا ہاں اپنی بیوی آمنہ بنتِ وہب کے پاس۔ وہ کہنے لگی اب مجھے آپ کی حاجت نہیں، پہلے جب تو میرے پاس سے گزرا تھا اس وقت آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمک رہا تھا جس کی چمک آسمان تک تھی، جب تو اپنی بیوی کے پاس آیا وہ نور وہاں منتقل ہوگیا۔ اپنی بیوی کو بتادو کہ تیرے حمل میں افضل اہلِ زمین ہے۔

14۔ اس کو زبیر بن بکار نے بیان کیا ہے تکملہ مجمع البحار میں اسی کو یقینی بتایا گیا ہے۔ (ص۱۸۳۔۱۸۲)

کرامت و سعادت جو اس میں اتری، اس کے ہمسر نہ کبھی اتری نہ قیامت تک اترے۔ وہاں تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا[15] ہے۔ یہاں مولائے ملائکہ و آقائے رُوح کا نزولِ اجلال[16] عظیم الفتوح ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

مدارج النبوّۃ میں ہے:

"استقرارِ نطفۂ زکیہ" در ایّامِ حج بر قول اصح در اوسطِ ایامِ تشریق شبِ جمعہ بود و ازیں جہت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ لیلۃ الجمعہ را افضل تر از لیلۃ القدر داشتہ۔ الخ۔[17] واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ثالثہ

مدّت حمل شریف کس قدر تھی؟

الجواب:

دہ ۱۰ و نہ ۹ و ہفت ۷ و شش ۶ ماہ۔ سب کچھ کہا گیا اور صحیح نو ۹ مہینے ہیں۔

فی شرح الزرقانی للمواھب اختلف فی مدّۃ الحمل بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقیل تسعۃ اشھر کاملۃ وبہ صدر مغلطائی قال فی الغرر وھو الصحیح۔ الخ[18] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع

15۔ اس رات میں فرشتے اور روح (روح الامین یعنی حضرت جبریل علیہ السلام) اُترتے ہیں۔ (سورۃ القدر، پارہ: ۳۰)

16۔ اس رات میں فرشتوں کے مولیٰ اور روح الامین کے آقا کا مبارک نزولِ عظیم برکات کا باعث ہے۔

17۔ مدارج نبوّت کی مکمل عبارت یوں ہے:

بدانکہ استقرار نطفہ زکیہ مصطفویہ و ابداع ذرّہ محمدیہ در صدف بطن آمنہ در ایام حج بر قول اصح در اوسط ایام تشریق شب جمعہ بود۔ ازیں جہت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لیلۃ الجمعہ را افضل تر از لیلۃ القدر داشتہ کہ خیرات و برکات و کرامات و سعادات کہ در جنس ایں شب بر عامیاں و مومناں مفاض و منزل شدہ در ہیچ شبی نشدہ تا روزِ قیامت بلکہ تا ابد واگر ہمیں جہت شب میلاد را افضل از شب قدر دارند نیز می سزد و قد صرح بہ العلماء رحمھم اللہ۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۱۳ مطبوعہ نولکشور)۔

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ استقرارِ نطفۂ زکیۂ مصطفویہ و ابداع ذرّہ محمدیہ در صدف رحم آمنہ رضی اللہ عنہا قول اصح کے بموجب ایام حج کے درمیانی تشریق کے دنوں میں شبِ جمعہ ہوا۔ اسی بنا پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شب جمعہ لیلۃ القدر سے افضل ہے، اس لیے کہ اس رات سارے جہاں اور تمام مسلمانوں پر ہر قسم کی خیر و برکت اور کرامت و سعادت جس قدر نازل ہوئی اتنی قیامت تک کسی رات میں نہ ہوگی بلکہ تا ابد کبھی نازل نہ ہوں گی۔ اور اگر اس لحاظ سے میلاد شریف کی رات کو شبِ قدر سے افضل جانیں تو یقیناً یہ رات اس کی مستحق ہے جیسا کہ علمائے اعلام رحمھم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

18۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ (جلد اول ص ۱۳۶۔ مطبوعہ بیروت)۔

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدّتِ حمل میں مختلف قول بیان کیے ہیں بعض نے کہا پورے ۹ ماہ۔

والمآب۔

مسئلہ رابعہ

ولادت شریف کا دن کیا ہے؟

الجواب:

بالاتفاق دوشنبہ۔ صرح بہ العلّامۃ ابن حجر فی افضل القری [19]

سیدِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پیر کے دن کو فرماتے ہیں:

ذالک یوم ولدت فیہ۔ میں اسی دن پیدا ہوا۔

رواہ مسلم عن ابی قتادہ [20] رضی اللہ تعالیٰ عنہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ خامسہ

کیا مہینہ تھا؟

الجواب:

رجب، صفر، ربیع الآخر، محرم، رمضان۔ سب کچھ کہا گیا اور صحیح و مشہور و قولِ جمہور ربیع الاوّل ہے۔ مدارج میں ہے:

مشہور آنست کہ در ربیع الاوّل بود [21] شرح الہمزیہ میں ہے:

الاصح فی شہر ربیع الاول علی الصحیح۔ [22] شرح زرقانی میں ہے:

مغلطائی نے اسی کو راجح کہا۔ غرر میں بیان کیا گیا کہ یہی صحیح ہے۔

19۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (شرح زرقانی جلد اوّل۔ ص ۱۳۲۔ بیروت)۔

20۔ عن ابی قتادہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سئل عن صوم الاثنین فقال فیہ ولدت وفیہ انزل علی۔ (صحیح مسلم جلد اوّل۔ ص ۳۶۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی)۔

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پیر کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، اسی روز میری ولادت ہوئی اور اسی روز مجھ پر وحی کی ابتدا ہوئی۔

21۔ مدارج النبوت، جلد دوم، ص ۱۴، مطبوعہ نولکشور (۱۹۱۴ء)۔

ترجمہ: مشہور یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔

قال ابن کثیر هو المشهور عند الجمهور۔[23] اسی میں ہے:

وعَلَيْهِ العمل[24]

علمانے باآنکہ اقوال مذکورہ سے آگاہ تھے محرم ورمضان ورجب کی نفی فرمائی۔ مواہب میں ہے:

لَمْ يَكُنْ فِي الْمُحَرَّمِ وَلَا فِي رَجَب وَلَا رَمَضَان[25]

شرح اُمّ القریٰ میں ہے:

لم يكن في الاشهر الحرم او رمضان[26]

یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی وابن جزار نے اسی پر اجماع نقل کیا۔

نسیم الریاض میں تلقیح سے ہے:

اتفقوا على انه ولد يوم الاثنين في شهر ربيع الاول[27]

اسی طرح ان کی صفوہ میں ہے كما للزرقاني ثم عزاه ايضا لابن الجزار۔[28]

22۔ ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کے بارے میں صحیح ترین قول ربیع الاول کے مہینے کا ہے۔

23۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ، جلد اوّل ص ۱۳۲۔ مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ: ابن کثیر نے کہا کہ جمہور علما کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت ربیع الاول میں ہوئی۔

24۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ، جلد اوّل ص ۱۳۲ مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ: ربیع الاوّل میں ولادت کے قول پر علما کا عمل ہے۔

25۔ مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی جلد اوّل ص ۱۳۲۔ مطبوعہ بیروت۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت نہ محرم میں ہوئی نہ رجب میں اور نہ رمضان میں۔

26۔ ترجمہ: حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت حرم کے مہینوں اور رمضان میں نہ ہوئی۔

27۔ صفۃ الصفوۃ، لابی الفرج ابن الجوزی۔ جلد اوّل ص ۵۲، بیروت۔

نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد ۳ ص ۲۷۵، مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ: علمائے اعلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ربیع الاول میں پیر کو پیدا ہوئے۔

28۔ صفۃ الصفوۃ، لابی الفرج ابن الجوزی جلد اوّل ص ۵۲، بیروت۔

شرح زرقانی علی المواہب الدنیہ، جلد اوّل ص ۱۳۲، بیروت۔

ترجمہ: جیسا کہ زرقانی میں ہے، انہوں نے اسے ابن جزار کی طرف منسوب کیا ہے۔

پس اس کا انکار اگر ترجیحاتِ علماو اختیار جمہور کی ناواقفی سے ہو تو جہل ورنہ مرکب کہ اس سے بد تر۔[29]

فقیر کہتا ہے، مگر اس تقدیر پر استقرارِ حمل بماہ ذی الحجہ میں[30] **صریح اشکال کہ دربارۂ حمل چھ مہینے سے کمی عادۃً محال اور خود اوپر گزرا کہ مدّتِ حمل شریف نہ (۹) ماہ ہونا اصح الاقوال، تو یہ تینوں تصحیحیں**[31] **کیونکر مطابق ہوں۔**

لکنی اقول وباللہ التوفیق[32]

مہینے زمانۂ جاہلیت میں معین نہ تھے۔ اہلِ عرب ہمیشہ شہر حرم[33] **کی تقدیم تاخیر کر لیتے، جس کے سبب ذی الحجہ ہر ماہ میں دورہ کر جاتا۔**

قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ[34]

29۔ ولادت باسعادت کے بارے میں مختلف اقوال میں سے جمہور علما نے ربیع الاول کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی شخص ناواقفیت کی وجہ سے اس کا انکار کرتا ہے تو جاہل مطلق ہے اور اگر علما کے اختیار کے بعد اس کا انکار کرتا ہے تو وہ جاہل مرکب ہے۔ جہلِ مرکب جہلِ مطلق سے بدتر ہے۔

30۔ ماہ ذی الحجہ سے ربیع الاول تک صرف تین مہینے بنتے ہیں۔ یہ مدّتِ حمل عادۃً ممکن نہیں۔

31۔ علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ زرقانی اور محقق دہلوی قدست اسرارہم کی تصحیحیں مُراد ہیں۔

32۔ اس کے باوجود میں اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کی توفیق سے کہتا ہوں اور تصحیح کا صحیح ہونا بیان کرتا ہوں۔

33۔ زمانۂ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں محرم، رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ چار مہینوں میں جنگ کرنا ممنوع تھا۔ ان کو حرم کے مہینے کہتے تھے۔

34۔ سورۂ توبہ: ۳۷

ترجمہ: ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دُوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ نے حرام فرمائیں۔

یاد رہے نسیٔ لغت میں وقت کے موخر کرنے کو کہتے ہیں اور یہاں شہر حرام کی حرمت کا دُوسرے مہینے کی طرف ہٹانا مُراد ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب اشہر حرام کی حرمت وعظمت کے معتقد تھے تو جب کبھی لڑائی کے زمانے میں یہ حرمت والے مہینے آجاتے تو ان کو بہت شاق گزرتا۔ اس لیے انہوں نے یہ کیا کہ ایک مہینے کی حرمت دُوسرے مہینے کی طرف ہٹانے لگے۔ محرم کی حرمت صفر کی طرف ہٹا کر محرم میں جنگ جاری رکھتے اور بجائے اس کے صفر کو ماہ حرام بنا لیتے اور جب اس سے بھی تحریم ہٹانے کی حاجت سمجھتے تو اس میں بھی جنگ کر لیتے اور ربیع الاوّل کو ماہ حرام قرار دیتے۔ اس طرح تحریم سال کے تمام مہینوں میں گھومتی اور ان کے اس طرزِ عمل سے ماہہائے حرام کی تخصیص ہی باقی نہ رہی۔ اسی طرح حج کو مختلف مہینوں میں گھماتے پھرتے تھے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا کہ نسیٔ کے مہینے گئے گزرے ہیں اب مہینوں کے اوقات کی وضع الٰہی کے مطابق حفاظت کی جائے۔ اور کوئی مہینہ اپنی جگہ سے نہ ہٹایا جائے۔ اس آیت میں نسیٔ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور کفر پر کفر کی زیادتی بتایا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں ماہہائے حرام میں تحریم قتال کو حلال جاننا اور خدا کے حرام کیے ہوئے کو حلال کر لینا پایا جاتا ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: جامع البیان عن تاویل ای القرآن۔ لابی جعفر جریر طبری۔ جلد دہم صفحہ ۱۳۰۔ بیروت۔ حاشیہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی۔

یہاں تک کہ صدیق اکبر و مولیٰ علی رضی اللہ عنہما نے جو ہجرت کے نویں سال حج کیا کہا گیا کہ وہ مہینہ [35] واقع میں ذی قعدہ تھا۔ سال دہم میں ذی الحجہ اپنے ٹھکانے سے آیا۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حج کیا اور ارشاد فرمایا:

ان الزّمان قد استدار کھیئتہٖ یوم خلق اللہ السّمٰوٰت والارض الحدیث رواہ الشیخان۔ [36]

یعنی زمانہ دورہ کرکے اسی حالت پر آگیا جس پر روزِ تخلیق زمین و آسمان تھا۔ اسی دن نسیٔ نسیاً منسیاً [37] ہوا اور یہی دورۂ دوازدہ ماہ قیامت تک رہا تو کچھ بعید نہیں کہ اس ذی الحجہ [38] سے ربیع الاول تک نو مہینے ہوں۔ شاید شیخ محقق [39] اسی نکتے کی طرف مشیر [40] ہیں کہ زمانۂ استقرارِ مُبارک کو ایّامِ حج سے تعبیر کیا، نہ ذی الحجہ سے۔ اگرچہ اس وقت کے عرف میں اسے ذی الحجہ بھی کہنا ممکن تھا۔ [41]

اقول: اب مسئلہ ثالثہ و خامسہ کی تصحیحوں پر مسئلہ اولیٰ کا جواب بارہ ۱۲ جمادی الآخرہ ہوگا۔ مگر جاہلیت کا دورۂ نسیٔ اگر منتظم مانا جائے یعنی علی التوالی [42] ایک ایک مہینہ ہٹاتے ہوں تو سال استقرارِ حملِ اقدس ذی الحجہ شعبان میں پڑتا ہے نہ کہ

35۔ اس پر اعتراض ہے کہ بروز عرفہ صدیق و مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اعلانِ احکام الٰہیہ فرمایا جسے ربّ عزّوجل نے وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ۔ فرمایا، اگر وہ ذی الحجہ نہ ہو تا ایسا نہ فرماتا۔ ۱اقول وفیہ نظر بوجوہ فتامل (میں کہتا ہوں اس میں کئی وجوہ سے نظر ہے پس غور کرو۔ت) ۱۲۔ منہ غفرلہٗ۔ حاشیہ نمبر ۳۵، از حضرت مصنف علام علیہ الرحمۃ المنان۔

36۔ ا۔ صحیح بخاری (کتاب التفسیر سورۃ براۃ، باب قولہ ان عدۃ الشھور)، جلد اوّل ص ۴۵۴، طبع لاہور۔ ب۔ صحیح مسلم۔ کتاب القسامہ جلد ۳۔ ص ۱۳۵ طبع بیروت۔

37۔ بھولا بسرا۔

38۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والد ماجد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وصال سے پہلے جو حج کیا اور اسی سال کے ایام تشریق کے وسط میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا والدۂ ماجدہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مقاربت فرمائی، حج کا وہ مہینہ واقع میں ماہ جمادی الآخرہ تھا۔ جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ حرمت والے مہینے پیچھے کر دیتے تھے۔ اس طرح اس ذی الحجہ سے ربیع الاوّل تک نو ماہ کی مدّت بنتی ہے۔

39۔ شیخ محقق علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدّس سرّہ العزیز۔

40۔ اشارہ کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: مدارج نبوت، جلد دوم ص ۱۳۔

41۔ یہ تبدیلیٔ ایّام بسبب نسیٔ کے واقع ہوئی۔

42۔ متواتر، پے در پے۔

جمادی الآخرہ میں کہ ذی الحجۃ حجۃ الوداع شریف میں جب عمرِ اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تریسٹھواں سال تھا ذی الحجہ میں آیا تو ۱۲، ۱۲ کے اسقاط[43] سے جب عمرِ اقدس سے تیسرا سال تھا ذی الحجہ میں ہوا اور دوسرا سال ذی القعدہ اور پہلا سال شوال اور سالِ ولادت شریفہ رمضان اور سالِ استقرارِ حملِ مُبارک شعبان میں۔ لیکن ان نامنتظموں کی کوئی بات منتظم[44] نہ تھی۔ جب جیسی چاہتے کرلیتے۔ لٹیرے لوگ جب لوٹ مار چاہتے اور مہینہ ان کے حسابوں اشہر حرم[45] سے ہوتا۔ اپنے سردار کے پاس آتے اور کہتے اس سال یہ مہینہ حلال کردے، وہ حلال کردیتا۔ اور دوسرے[46] سال گنتی پوری کرنے کو حرام ٹھہرادیتا، کما رواہ ابناء جریر والمنذر ومردویہ وابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔[47]

تو اس سال جمادی الآخرہ میں ذی الحجہ ہونا کچھ بعید نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ:

سائل نے یہاں تاریخ سے سوال نہ کیا۔ اس میں اقوال بہت مختلف ہیں:

دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس۔

سات قول ہیں، مگر اشہر واکثر وماخوذ و معتبر[48] بارہویں ہے۔ مکۂ معظمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکانِ مولدِ اقدس کی

43۔ گرانا، کم کرنا۔

44 راست، درست۔

45۔ حرمت والے مہینے، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب۔

46۔ حسنی پریس بریلی بار دوم کے مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح موجود ہے۔

شاید سہوِ کاتب سے ایسا ہوا، درست "دوسرے سال" معلوم ہوتا ہے۔

47۔ عن ابن عباس (انما النسیء زیادۃ فی الکفر) قال فھو المحرم کان یحرم عاما وصفر عاما وزید صفر اٰخر فی الاشھر الحرم وکانوا یحرمون صفر امرۃ ویحلونہ مرۃ فعاب اللہ ذٰلك وکان ھوازن وغطفان وبنو سلیم تفعلہ۔ (جامع البیان عن تاویل آی القرآن (معروف بہ تفسیرِ طبری) (ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، جلد دھم ص ۱۳۔ بیروت)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے آیت انما النسیء زیادۃ فی الکفر کے بارے میں روایت ہے کہ یہ محرم کا مہینہ ہے۔ ایک سال اسے حرمت والا ٹھہرالیتے دوسرے سال صفر کو حرمت والا بنالیتے۔ انہوں نے صفر کو حرمت والے مہینوں میں شمار کرلیا تھا تو کبھی صفر کو حرام کرلیتے اور کبھی اسے حلال بنالیتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا ایسا کرنے والے قبائل ہوازن، غطفان اور بنو سلیم تھے۔

48۔ ولادت مُبارکہ کے بارے میں بارہ ربیع الاول کا قول اکثر علما کے نزدیک معتبر ہے۔ اسی روایت کو سب سے زیادہ شہرت ہے۔ اسی پر علما کا عمل ہے۔

زیارت کرتے ہیں۔ کما فی المواھب والمدارج۔[49]

اور خاص اس مکانِ جنت نشان[50] میں اسی تاریخ مجلس میلادِ مقدس ہوتی ہے کما فی المدارج[51]۔

علامہ قسطلانی[52] وفاضل زرقانی[53] فرماتے ہیں:

المشھور انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول محمد بن اسحٰق امام المغازی[54] وغیرہ۔

شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے:

ھو المشھور عند الجمھور۔[55]

اسی میں ہے:

ھو الذی عَلَیْہ العمل۔[56]

---

49 ۔ ا ۔ مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی۔ جلد اول ص مطبوعہ بیروت۔

ب۔ مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۱۴۔ مطبوعہ نولکشور۔ (۱۹۱۴ء)

50 ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی جائے ولادت کا مکان مُبارک۔

اس مکان مبارک میں بارہ ربیع الاول کو ہر سال محفلِ میلاد منعقد ہوتی ہے۔ مکۃ معظمہ اور اطراف واکناف سے آئے ہوئے غلامانِ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اس محفل میں حاضر ہوتے ہیں اور خاص الطافِ کریمانہ اور انوارِ ساطعہ سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ سعودی وہابیوں نے اس مُبارک محفل کو ختم کر دیا ہے۔ قاتلھم اللہ انی یوفکون۔

51 ۔ مدارج نبوت، جلد دوم۔ ص ۱۴۔ مطبوعہ نولکشور۔

52 ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

53 ۔ علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی۔

54 ۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ۔ (باب ذکر تزوج عبد اللہ آمنہ) جلد اوّل ص ۱۳۲، مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ: مشہور یہ ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارہ ربیع الاول بروز پیر ولادت فرمائی۔ امام مغازی محمد بن اسحٰق اور دُوسرے علما کا یہی قول ہے۔

55 ۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ (باب ذکر تزوج عبد اللہ آمنہ) جلد اوّل، ص ۱۳۲، مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ: جمہور علما کے نزدیک یہی مشہور روایت ہے (کہ ولادت اقدس بروز پیر بارہ ربیع الاول کو ہوئی)

56 ۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ، جلد اوّل ص ۱۳۲، مطبوعہ بیروت۔ ترجمہ: اسی قول پر علما کا عمل ہے۔

شرح الہمزیہ میں ہے:

هو المشهور وعليه العمل۔[57]

اسی طرح مدارج وغیرہ میں تصریح کی۔[58]

وان كان اكثر المحدّثين والمؤرّخين على ثمان خلون وَعَلَيه اَجْمَع اهل الزيجات واختاره ابن حزم والحميدى وروى عن ابن عباس وجبير بن مطعم رضى الله تعالىٰ عنهم وبالاول صدر مغلطائى واعتمده الذهبى فى تهذيب التهذيب تبعاً للمزى فى التهذيب وحكم المشهور بقيل وصحح الدمياطى عشراخلت۔[59]

اقول: وحاسبنا فوجدنا غرّة المحرم الوسطية عام ولادته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الخميس فكانت غرّة شهر الولادة الكريمة الوسطية يوم الاحد والهلالية يوم الاثنين فكان يوم الاثنين الثامن من الشهر ولذا اجمع عليه اصحاب الزيج وجرد ملاحظة الغرة الوسطية يظهر استحالة سائر الاقوال ماخلا لطرفين والعلم بالحق عند مقلب الملوين۔[60]

---

57 ۔ترجمہ: یہی مشہور ہے اور اسی پر علما کا عمل ہے۔

58 ۔مدارج النبوت، جلد دوم، ص ۱۴، مطبوعہ نولکشور۔

59 ۔ترجمہ: اور اگرچہ اکثر محدثین اور مؤرخین کے نزدیک تاریخ ولادت آٹھ ربیع الاول ہے۔ اسی پر اہل زیج نے اجماع کیا ہے۔ ابن حزم اور حمیدی نے اسی کو مختار کہا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہی روایت کیا ہے۔ مغلطائی نے قولِ اوّل سے آغاز فرمایا اور ذہبی نے تھذیب التھذیب میں مزی کی اتباع میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ اور قولِ مشہور کو قیل کہہ کر ضعیف قرار دیا ہے۔ دمیاطی نے دس ربیع الاول کو صحیح قرار دیا۔

60 ۔(مصنف علّام فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں میں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ سالِ ولادت محرّم وسطیہ کی چاند رات جمعرات کا دن تھا۔ پس ماہِ ولادتِ کریمہ کی پہلی تاریخ کو ہفتے کا دن تھا اور درمیانی (صفر) کی پہلی تاریخ پیر کا دن تھا۔ اس ربیع الاول کی آٹھ تاریخ پیر کا دن تھا۔ اسی لیے اصحاب علمِ زیج نے اس پر اجماع کیا ہے۔

یکم محرم	جمعرات
۲۹ محرم	جمعرات
۳۰ محرم	جمعہ
یکم صفر	ہفتہ
۲۹ صفر	ہفتہ
۳۰ صفر	اتوار
یکم ربیع الاول	پیر
۸ ربیع الاول	پیر

اور شک نہیں کہ تلقی [61] اُمت بالقبول کے لیے شانِ عظیم ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:
اَلْفِطْرُ يَوْمَ يَفْطُرُ النَّاسُ وَالْاَضْحٰى يَوْمَ يَضْحَى النَّاسُ۔
عید الفطر اس دن ہے جس دن لوگ عید کریں اور عید اضحیٰ اس روز ہے جس روز لوگ عید سمجھیں۔
رواه الترمذی عن اُم المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالیٰ عنها بسند صحیح۔ [62]
اور فرماتے ہیں:
فطرکم یوم تفطرون واضحاکم یوم تضحون۔
رواه ابو داؤد والبیهقی فی السنن عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه بسند صحیح ورواه الترمذی وحسنه فزاد فی اوله الصّوم یوم تصومون والفطر الحدیث وارسله الشافعی فی مسنده والبیهقی فی سننه عن عطاء فزاد فی اٰخره وعرفة یوم تعرفون۔ [63]
تمہاری عید الفطر اُس دن ہے جس دن تم عید الفطر کرو۔ اور تمہاری عید الاضحیٰ اُس دن ہے جس دن کو تم عید الاضحیٰ سمجھو اس کو ابو داؤد اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو روایت کرکے حسن قرار دیا اور اس کے شروع میں یہ بڑھایا کہ روزے کا دن وہی ہے جس کو تم سب روزے کا دن قرار دو اور عید الفطر کا دن وہ ہے (حدیث کے آخر تک) امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی مسند میں اس کو بطور ارسال ذکر فرمایا۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عطاء سے روایت کرتے ہوئے آخر میں یہ اضافہ کیا کہ یوم عرفہ وہی ہے جو تم سب یوم عرفہ سمجھو۔ت)
یعنی مسلمانوں کا روزہ، عید الفطر، عید اضحیٰ، روز عرفہ سب اس دن ہے جس دن جمہور مسلمین خیال کریں۔ ای وان

---

61 ۔اُمت مسلمہ کے علما کا قبول کرلینا۔
62 ۔ ا۔ ترمذی، جلد اوّل، ص۱۱۷۔ ب۔ جامع صغیر جلد اوّل ص ۱۳۲، مطبوعہ مصر۔ ج۔ سنن کبریٰ، بیہقی جلد ۴ ص ۲۵۲ بیروت۔
ترجمہ: اس حدیث کو ترمذی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔
63 ۔ا۔ ترمذی، جلد اوّل ص۱۱۷۔ ب۔ جامع صغیر جلد اوّل ص ۸۲ مصر۔
ج۔ کنوز الحقائق بحوالہ بیہقی۔ د۔ جامع صغیر بحوالہ ترمذی عن عائشہ جلد اوّل، ص ۱۳۲ مطبوعہ مصر۔
ہ۔ سنن کبریٰ، بیہقی، جلد چہارم ص ۲۵۲ بیروت۔ و۔ سنن کبریٰ، بیہقی، جلد ۵، ص ۱۷۶

لم یصادف الواقع ونظیرہ قبلۃ التحری[64]

لاجرم عید میلاد والا بھی کہ میلادِ اکبر ہے قول و عمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے۔ فالاوفق العمل ما علیہ العمل۔[65]

یہ ہے ان مسائل میں کلام مجمل اور تفصیل کے لیے دُوسرا محل۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

مسئلہ سادسہ

شمسی تاریخ کیا تھی؟

الجواب

ولادتِ اقدس ہجرت مقدسہ سے ترپین ۵۳ برس پہلے ہے۔

مرفوع ۶۰ سال ۵ ندا ک مرفوع ۷ سال مرکا =۵ لح اکہ ۱۸۷۸۱ یوم ہوئے یعنی اُس سال کا محرم وسطی سال ہجرت کے محرم وسطی سے اتنے دن پہلے تھا، سات پر تقسیم کیے سے کچھ نہ بچا اور ابتدائے سال ہجری بحساب اوسط پنجشنبہ ہے تو ان ایام مذکورہ کا پچھلا دن چارشنبہ تھا اور جبکہ یہ پورے ہفتے ہیں تو ان کا پہلا دن پنجشنبہ تھا اور جب اس سال کا مدخل پنجشنبہ ہوا تو اُس

64۔ ترجمہ: یعنی اگرچہ یہ واقع کے مطابق نہ ہو، اس کی مثال قبلہ تحری ہے۔

نوٹ: اس حدیث کی وضاحت میں حاشیہ ابوداؤد میں ہے:

قال الخطابی معنی الحدیث ان الخطا موضوع عن الناس فیما کان سبیلہ الاجتہاد فلو ان قوما اجتہد وافلم یروا الھلال الابعد الثلاثین فلم یفطر واحتیٰ ستوفوا العدد ثم ثبت عندھم ان الشھر کان تسعۃ وعشرین فان صومھم وفطرھم ماض ولا عتب علیھم وکذا فی الحج اذا اخطأوا یوم عرفۃ فانہ لیس عَلَیْھم اعادتہ یجزئھم اضحاھم کذلك وھذا تخفیف من اللہ سُبحانہ ورفق بعبادہ۔ (حاشیہ ابوداؤد ص ۳۲۵ جلد اوّل) (باب اذا اخطاء القوم الہلال)۔

ترجمہ: امام خطابی اس حدیث کے معنی میں فرماتے ہیں کہ جس معاملۂ شرعی میں لوگوں کے پاس اجتہاد ہی کا راستہ ہے اس بارے میں خطا لوگوں کی معاف کردی گئی ہے۔ پس اگر لوگ کوشش کر کے چاند دیکھیں اور چاند نظر نہ آئے تیس روزے پورے کر کے مسلمان افطار کریں۔ بعد میں معلوم ہو کہ چاند انیتس کا تھا۔ چونکہ ان کا رمضان اور افطار گزر چکا ہے اور یکم شوال (جو لوگوں کے خیال میں تیس رمضان تھی) کا روزہ رکھنے کا گناہ نہیں۔ اسی طرح حج میں جب مُسلمان یوم عرفہ کے تعیّن کے بارے میں کوشش کے باوجود خطا کرلیں۔ پس یوم عرفہ کا اعادہ نہیں اور اگلے دن کی قربانی انہیں کفایت کرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی طرف سے تخفیف اور بندوں پر مہربانی ہے۔

65۔ جس پر مسلمان کریں اسی کے مطابق عمل کرنا زیادہ مناسب ہے۔

ربیع الاول کا مدخل یکشنبہ تو دوشنبہ کو نویں تھی یعنی یکم وسطے وہ ہلالی سے ایک دن پہلے ہوئی اب مابین التاریخین ہماری تحقیق میں ا ح ح لط ہے، ۵ لح ا = نز ن ۵ لح + محرم وصفر نط + ط ربیع الاوّل = نز نا ہو

۵۰۰ سال　ن ۵ ح مط
ر ر نز

۷۰ سال　ر و ر
ا ن ۵

مارچ　ا ل
ک

تاریخ مطلوب بستم اپریل ۵۷۱ء معرفت یوم ہماری جد اول سے ۵۷۱- ۳۳۶=۲۳۵٪۲۸ باقی ۱۱ پس جدول ر میں مقابل ۱۱ دیکھا مدخل ۵۷۱ء پنجشنبہ ہوا اور مدخل اپریل چار شنبہ پس بستم اپریل دو شنبہ۔ وھو المطلوب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصلِ دوم

مسئلہ: ۱۹ ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وفات شریف حضور پُر نُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

قولِ مشہور و معتمدِ جمہور دوازدہم ربیع الاوّل شریف ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں بطریق عمر بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی:

قال مات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ مضت من ربیع الاول۔[66]

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف روزِ دوشنبہ بارہویں تاریخ ربیع الاول مُبارک کو ہوئی۔

شرح مواہب علامہ زرقانی آخر مقصد اوّل میں ہے:

---

66 ۔ طبقات الکبریٰ لابن سعد۔ جلد دوم، ص ۲۷۲، مطبوعہ دار صادر، بیروت۔

الّذی عند ابن اسحق والجمهور انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مات لا ثنتی عشرة لیلة خلت من شهر ربیع الاول۔[67]

اسی میں آغاز مقصد دہم میں ہے:

قول الجمهور انه توفی ثانی عشر ربیع الاول۔[68]

"**خمیس فی احوال انفس نفیس صلی الله تعالیٰ علیه وسلم" میں ہے۔**

توفی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یوم الاثنین نصف النهار لاثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاوّل سنة احدی عشرة من الهجرة ضحیٰ فی مثل الوقت الذی دخل فیه المدینة۔[69]

اسی میں امام ابوحاتم رازی وامام رزین عبدری وکتاب الوفاء امام ابن جوزی سے ہے:

مرض فی صفر لعشر بقین منه وتوفی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول یوم الاثنین۔[70]

کامل ابن اثیر جزری میں ہے:

کان موته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یوم الاثنین لثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول [71]

---

67 ۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ۔ جلد سوم ص ۱۱۰ مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ: ابن سعد اور جمہور علما کے نزدیک حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات شریف بارہ ربیع الاول مُبارک کو ہوئی۔

68 ۔ شرح زرقانی علی المواہب۔ جلد ہشتم، ص ۲۸۴، مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ: جمہور علما کا قول یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال بارہ ۱۲ ربیع الاول مُبارک کو ہُوا۔

69 ۔ تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس۔ الشیخ حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری مصری، جلد دوم، ص ۱۶۶۔ مطبوعہ شعبان، بیروت۔

ترجمہ: حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بروز پیر نصف النہار بارہ ربیع الاول سَن گیارہ ہجری کو اس وقت وصال فرمایا جس طرح چاشت کے وقت (ہجرت کے موقعہ پر) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مدینۂ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔

70 ۔ ا ۔ ایضاً۔ ب۔ الوفاء۔ جلد اوّل، ص ۷۳۱ مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ: حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بیس صفر کو بیمار ہوئے اور بارہ ۱۲ ربیع الاول مبارک بروز پیر کو وصال فرمایا۔

71 ۔ الکامل فی التاریخ لابن اثیر۔ محمد بن محمد بن عبد الکریم ابن اثیر۔ جلد دوم ص ۳۲۳۔

ترجمہ: حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال مُبارک پیر بارہ ۱۲ ربیع الاول کو ہوا۔

مجمع بحار الانوار میں ہے:

وصل بالحق فی نصف نهاره لاثنی عشر من ربیع الاول وقیل المستهلة وقیل للیلتین خلتا منه الاول اکثر من الاخرین[72]

اسعاف الراغبین فاضل محمد صبان میں ہے:

توفی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی بیت عائشة یوم الاثنین قبیل الزوال للیلتی مضتا من ربیع الاوّل وقیل لیلة مضت منه وقیل لاثنتی عشرة لیلة مضت منه وعلیه الجمهور[73]

اور تحقیق یہ ہے کہ حقیقۃً بحسبِ رویت مکّہ معظمہ ربیع الاول شریف کی تیرھویں تھی مدینہ طیبہ میں رویت نہ ہوئی لہٰذا اُن کے حساب سے بارھویں ٹھہری وہی رُواۃ[74] نے اپنے حساب کی بناپر روایت کی اور مشہور و مقبولِ جمہور ہوئی۔ یہ حاصل تحقیق امام ماورزی و امام عماد الدین ابن کثیر و امام بدرالدین بن جماعہ وغیرہم اکابر محدثین و محققین[75] ہے۔

اس کے سوا دو قول:

ایک یکم ربیع الاول شریف ذکرہ موسیٰ بن عقبة واللیث والخوارزمی وابن زبیر۔[76]

دوسرا، دوم ربیع الاول شریف کہ دو رافضیان کذاب ابومخنف وکلبی کا قول ہے۔[77]

---

72 ۔ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نصف النہار بارہ ربیع الاول کو وصال حق فرمایا، کہا گیا ہے یکم ربیع الاول کو۔ بعض نے کہا کہ ۲ ربیع الاول کو پہلا قول آخری دو قولوں سے زیادہ مشہور ہے۔

73 ۔ترجمہ: حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال مبارک اُم المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں زوال سے تھوڑا پہلے دو ربیع الاول کو ہُوا۔ کہا گیا ہے کہ یکم ربیع الاول کو ہوا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بارہ ربیع الاول کو وصال ہوا۔ جمہور علما کا یہی قول ہے۔

74 ۔راوی کی جمع۔ راویوں نے یہی بیان کیا۔

75 ۔السیرۃ النبویہ۔ لابن کثیر، جلد چہارم ص۵۰۵۔۵۰۶ طبع بیروت۔

76 ۔السیرۃ النبویہ (علیہ السلام) لابن کثیر جلد چہارم، ص۵۰۷، طبع بیروت۔

حضور اقدس ﷺ کے وصال یکم ربیع الاوّل شریف کا قول موسیٰ بن عقبہ، امام اللیث، امام خوارزمی اور علامہ عروہ بن زبیر کا مختار ہے۔

77 ۔ ا ۔السیرۃ النبویہ۔ لابن کثیر۔ جلد چہارم، ص۵۰۷ طبع بیروت۔

ب۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ۔ جلد ہشتم ص ۳۲۵ طبع مصر۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال مُبارک دوم ربیع الاول شریف کا قول دو کذاب رافضیوں ابو مخنف اور کلبی کا ہے۔

ففی الزرقانی بعد غرو الاول الی من ذکرنا وعند ابی مخنف والکلبی فی ثانیہ۔[78]

یہ دونوں اقوال[79] محض باطل ونامعتبر بلکہ سراسر محال ونامتصوّر ہیں۔

وان میل الی کل نظر الی الحساب لامن حیث ان روایتهما اثبت فی الباب وانما یقضی الحساب علی القولین بالبطلان والذهاب کما ستعرف بعون الملك الوهاب۔[80]

ووقع فی الكامل حكاية ثالث حيث قال بعد ما اعتمد قول الجمهور كما نقلنا وقيل مات نصف النهار يوم الاثنين لليلتين بقيتا من ربيع الاول اھ[81]

اقول: وهو وهم وكانه شبه عليه خلتا ببقيتا فان الحفاظ انما يذكرون ههنا سوى الشهور قولين لا غير۔[82]

تفصیل مقام و توضیح مرام[83] یہ ہے کہ وفاتِ اقدس ماہ ربیع الاول شریف روز دوشنبہ میں واقع ہوئی اس قدر ثابت و

---

78 ۔ شرح زرقانی علی المواہب۔ جلد سوم ص ۱۱۰۔ طبع بیروت۔

ترجمہ: زرقانی میں پہلے قول کو موسیٰ بن عقبہ، امام اللیث، امام خوارزمی اور علّامہ عروہ بن زبیر کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور دوسرے قول کو ابو مخنف اور کلبی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

79 ۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال مبارک کے بارے میں یکم ربیع الاول شریف اور دوم ربیع الاوّل شریف کے دونوں قول کسی طور پر درست نہیں۔

80 ۔ ترجمہ: اگرچہ مذکورہ دونوں اقوال کا میلان حساب کی جانب ہے۔ ان اقوال کا بطلان اس حیثیت سے نہیں کہ ان کی رویت ثابت نہیں۔ حساب دونوں اقوال کا بطلان ثابت کرتا ہے، جیسا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کی تائید سے تو حسابی قاعدہ سے معلوم کرے گا۔

81 ۔ الکامل فی التاریخ۔ لابن الاثیر محمد بن محمد بن عبدالکریم۔ جلد دوم، ص ۳۲۳۔ طبع بیروت۔

ترجمہ: کامل فی التاریخ میں ایک تیسرا قول بھی ہے۔ جمہور کے معتمد قول نقل کرنے کے بعد کہا، اور کہا گیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ربیع الاول گزرنے میں دو راتیں باقی تھیں کہ وصال مبارک ہوا۔

82 ۔ مصنف علّام علیہ الرحمۃ الرضوان فرماتے ہیں کہ یہ وہم اور شبہ ہے۔ اسے شبہ یوں ہوا کہ "خلتا" کی بجائے "بقیتا" سمجھ لیا گیا۔ یعنی گزرنے کے بجائے باقی رہ گئیں۔ اس لیے کہ تمام حفّاظ حدیث نے مشہور قول (بارہ ربیع الاول شریف) کے سوا صرف دو قول ذکر کیے ہیں۔ اس کے سوا کوئی اور قول نہیں ہے۔

83 ۔ مقصد کی وضاحت۔

مستحکم ویقینی ہے۔ جس میں اصلاً جائے نزاع نہیں۔[84]

فتح الباری شرح صحیح بخاری و مواہب لدنیہ وشرحِ زرقانی میں ہے:

(ثم ان وفاته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی یوم الاثنین) کما ثبت فی الصحیح عن انس و رواہ ابن سعد باسانیدہ عن عائشة و علی و سعد و عروۃ و ابن المسیب و ابن شھاب و غیرھم (من ربیع الاوّل بلا خلاف) کما قال ابن عبد البر (بل کادوا یکون اجماعًا) الخ [85]

ادھر یہ بلاشبہ ثابت کہ اس ربیع الاول سے پہلے جو ذی الحجہ تھا اس کی پہلی روز پنجشنبہ تھی کہ حجۃ الوداع شریف بالاجماع روز جمعہ ہے۔

وقد ثبت ذٰلك فی احادیث صحاح لا منازع لھا فلا حاجة بنا الی اطالة الکلام بسردھا۔[86]

اور جب ذی الحجہ ۱۰ھ کی ۲۹، روز پنج شنبہ تھی تو ربیع الاول ۱۱ھ کی ۱۲ کسی طرح روز دو شنبہ نہیں آتی کہ اگر ذی الحجہّ، محرم، صفر تینوں مہینے ۳۰ کے لیے جائیں تو غرّہ ربیع الاول روز چار شنبہ ہوتا ہے اور پیر کی چھٹی اور تیرھویں اور اگر تینوں ۲۹ کے لیں تو غرہ روز یکشنبہ پڑتا ہے اور پیر کی دوسری اور نویں۔ اور اگر ان میں کوئی سا ایک ناقص اور باقی دو کامل لیجیے تو پہلی سہ شنبہ کی ہوتی ہے اور پیر کی ساتویں چودھویں اور اگر ایک کامل دو ناقص مانیے تو پہلی پیر کی ہوتی ہے اور پھر پیر کی آٹھویں، پندرھویں غرض بارھویں کسی حساب سے نہیں آتی اور ان چار کے سوا پانچویں کوئی صورت نہیں۔[87]

84۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

85۔ ا۔ فتح الباری شرح صحیح بُخاری۔

ب۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ۔ جلد ہشتم ص ۲۸۴ مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مُبارک بروز پیر (جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور اسی کو ابن سعد نے اپنی اسانید کے ساتھ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت مولیٰ علی، حضرت سعد، حضرت عروہ، حضرت ابن المسیب، حضرت ابن شہاب وغیر ھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا، (ربیع الاول کے مہینے میں بلا اختلاف اقوال) جیسا کہ ابن عبد البر نے فرمایا ہے (بلکہ اس پر علماء کا تقریباً اجماع ہے)۔

86۔ ترجمہ: یہ مقصد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ان احادیث صحیحہ کو ذکر کر کے ہمیں کلام کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔

87۔ ان چار صورتوں کے جداول یوں ہیں:

اگر تینوں ماہ کامل ہوں	اگر تینوں ماہ ناقص ہوں
یکم ذی الحجہ، جمعرات	یکم ذی الحجہ، جمعرات
۲۹ر ذی الحجہ، جمعرات	۲۹ر ذی الحجہ، جمعرات
۳۰ر ذی الحجہ، جمعہ	یکم محرم الحرام، جمعہ
یکم محرم الحرام، ہفتہ	۲۹ر محرم الحرام، جمعہ
۲۹ر محرم الحرام، ہفتہ	یکم صفر المظفر، ہفتہ
۳۰ر محرم الحرام، اتوار	۲۹ر صفر المظفّر، ہفتہ
یکم صفر المظفر، پیر	یکم ربیع الاوّل، اتوار
۲۹ر صفر المظفّر، پیر	۲ر ربیع الاول، پیر
۳۰ر صفر المظفّر، منگل	۹ر ربیع الاول، پیر
یکم ربیع الاوّل، بدھ	
۶ر ربیع الاوّل، پیر	

اگر ایک ماہ ناقص اور دو کامل ہوں:

(ا)	(ب)	(ج)
یکم ذی الحجہ، جمعرات	یکم ذی الحجہ، جمعرات	یکم ذی الحجہ، جمعرات
۲۹ر ذی الحجہ، جمعرات	۲۹ر ذی الحجہ، جمعرات	۲۹ر ذی الحجہ، جمعرات
یکم محرم الحرام، جمعہ	۳۰ر ذی الحجہ، جمعہ	۳۰ر ذی الحجہ، جمعہ
۲۹ر محرم الحرام، جمعہ	یکم محرم الحرام، ہفتہ	یکم محرم الحرام، ہفتہ
۳۰ر محرم الحرام، ہفتہ	۲۹ر محرم الحرام، ہفتہ	۲۹ر محرم الحرام، ہفتہ
یکم صفر المظفّر، اتوار	یکم صفر المظفر، اتوار	۳۰ر محرم الحرام، اتوار
۲۹ر صفر المظفّر، اتوار	۲۹ر صفر المظفّر، اتوار	یکم صفر المظفر، پیر
۳۰ر صفر المظفّر، پیر	۳۰ر صفر المظفّر، پیر	۲۹ر صفر المظفّر، پیر
یکم ربیع الاوّل، منگل	یکم ربیع الاوّل، منگل	یکم ربیع الاوّل، منگل
۷ر ربیع الاوّل، پیر	۷ر ربیع الاوّل، پیر	۷ر ربیع الاوّل، پیر
۱۴ر ربیع الاوّل، پیر	۱۴ر ربیع الاوّل، پیر	۱۴ر ربیع الاوّل، پیر

﴿بقیہ اگلے صفحے کے حاشیے پر﴾

قول جمہور پر یہ اشکال پہلے امام سہیلی کے خیال میں آیا اور اسے لاحل سمجھ کر انہوں نے قول یکم [88] اور امام ابن حجر عسقلانی نے دوم کی طرف عدول فرمایا۔ [89]

فی المواھب بعد ذکر القول المشھور (استشکلہ السھیلی وذٰلك انھم اتفقوا ان ذا الحجة کان اولہ یوم الخمیس) للاجماع ان وقفة عرفة کانت الجمعة (فمھما فرضت الشھور الثلثة توام او نواقص او بعضھا لم یصح) ان الثانی عشر من ربیع الاوّل یوم الاثنین (قال الحافظ ابن حجر وھو ظاھر لمن تأملہ وقد جزم سلیمٰن التیمی احد الثقات بان ابتدا مرضہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یوم السبت الثانی والعشرین من صفر ومات یوم الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاوّل فعلی ھذا یکون الصفر ناقصا ولا یمکن ان یکون اوّل الصفر السبت الا ان یکون ذوالحجّہ والمحرم ناقصین فیلزم منہ نقص ثلثة اشھر متوالیة) وھی غایة ما تتوالی قال الحافظ واما من قال مات اوّل یوم من ربیع الاول فیکون اثنان ناقصین و واحد کاملا ولذا رجحہ السھیلی (والمعتمد ما قالہ ابو مخنف)، الاخباری الشیعی قال فی المیزان وغیرہ کذاب تالف متروك وقد وافقہ ابن الکلبی (انہ توفی ثانی ربیع الاوّل وکان سبب غلط غیرہ انھم قالوا مات فی ثانی شھر ربیع الاول فغیرت

﴿پچھلے صفحے کا حاشیہ﴾

اگر ایک ماہ کامل اور دو ناقص ہوں:

(ا)	(ب)	(ج)
یکم ذی الحجہ، جمعرات	یکم ذی الحجہ، جمعرات	یکم ذی الحجہ، جمعرات
۲۹ر ذی الحجہ، جمعرات	۲۹ر ذی الحجہ، جمعرات	۲۹ر ذی الحجہ، جمعرات
یکم محرم الحرام، جمعہ	یکم محرم الحرام، جمعہ	۳۰ر ذی الحجہ، جمعہ
۲۹ر محرم الحرام، جمعہ	۲۹ر محرم الحرام، جمعہ	یکم محرم الحرام، ہفتہ
یکم صفر المظفر، ہفتہ	۳۰ر محرم الحرام، ہفتہ	۲۹ر محرم الحرام، ہفتہ
۲۹ر صفر المظفر، ہفتہ	یکم صفر المظفّر، اتوار	یکم صفر المظفّر، اتوار
۳۰ر صفر المظفّر، اتوار	۲۹ر صفر المظفّر، اتوار	۲۹ر صفر المظفّر، اتوار
یکم ربیع الاوّل، پیر	یکم ربیع الاوّل، پیر	یکم ربیع الاوّل، پیر
۸ر ربیع الاول، پیر	۸ر ربیع الاوّل، پیر	۸ر ربیع الاوّل، پیر
۱۵ر ربیع الاوّل، پیر	۱۵ر ربیع الاوّل، پیر	۱۵ر ربیع الاوّل، پیر

88۔ ا۔ الروض الانف۔ الامام عبد الرحمٰن بن عبد اللہ الخثعمی (م ۵۸۱ھ)۔ جلد ثانی، ص ۳۷۲۔ طبع ملتان ۱۹۷۷ء۔
ب۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، لامام ابن حجر عسقلانی۔ جلد ہشتم، ص ۱۰۶، طبع کوئٹہ۔
89۔ ا۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ۔ جلد ہشتم، ص ۳۲۵، طبع مصر۔
ب۔ السیرۃ النبوّۃ (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) لابن کثیر۔ جلد چہارم ص ۵۰۷ طبع مصر۔

فصارت ثانی عشر واستمر الوهم بذلك يتبع بعضهم بعضا من غير تامل اھ مختصرا مزيدا من الشرح۔ [90]

اقول: ويظهر لمن تامن هٰذا الكلام منشوء اختلاف نظر الامامين فى الميل الى القولين فكانّ السهيلى نظر ان قول ابى مخنف لا يتاتى الا ان تتوا الى الاشهر الثلثة ذو الحجّه ومحرّم وصفر نواقص وهٰذا فى غاية الندرة بخلاف القول الاوّل فان عليه يكون شهرا كَاملا وشهران ناقصين وهٰذا كثير فترجح ذٰلك فى نظره مع انه اشد ثبوتا بالنسبة الى ذٰلك وكَان الحافظ تظر ان على القول الاوّل لا يبقى للجمهور عذر فى الباب فالميل الى ما يكون فيه ابداء عذر لهم كما ذكر من وقوع تصحيف شهر بعشر احسن وامتن۔ [91]

مگر امام بدر بن جماعہ نے قول جمہور کی یہ تاویل کی کہ "اثنی عشر خلت" سے بارہ دن گزرنا مُراد ہے نہ صرف بارہ راتیں۔ اور پُر ظاہر کہ بارہ دن گزرنا تیرھویں ہی تاریخ پر صادق آئے گا اور دوشنبہ کی تیرھویں بے تکلف صحیح ہے۔ جبکہ پہلے

---

90 ۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ۔ جلد ثالث ص ۱۱۰، ۱۱۱، مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ و تفہیم: مواہب لدنیہ میں قول مشہور (بارہ ربیع الاول) کے ذکر کے بعد فرمایا کہ امام سہیلی نے اس پر اشکال کیا ہے وہ اشکال اس طرح ہے کہ وصال مبارک سے قبل ذوالحجہ کی یکم جمعرات تھی اس پر علما کا اتفاق و اجماع ہے کہ حجۃ الوداع کا یوم عرفہ (نو ذوالحجہ) جمعہ کا دن تھا۔ تین مہینے (ذوالحجہ، محرم، صفر) کو جس لحاظ سے بھی شمار کریں تو حساب درست نہیں آیا، خواہ تینوں مہینے کامل، خواہ تینوں مہینے ناقص، خواہ بعض کامل اور بعض ناقص، کسی اعتبار سے بارہ ربیع الاول بروز پیر نہیں آتی۔ (سابقہ صفحات کے حواشی میں جداول سے یہ امر ثابت ہے) حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ ادنیٰ تامل سے یہ ثابت ہے۔ سلیمان التیمی (جو ائمہ ثقات سے ہیں) نے اس پر جزم اختیار کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرض وصال کی ابتدا بائیس صفر بروز ہفتہ ہے اور آپ کا وصال مُبارک دو ۲ ربیع الاول بروز پیر ہے۔ اس بنیاد پر ماہ صفر ناقص ہو گا۔ اور یہ اس وقت ممکن نہیں کہ یکم صفر ہفتہ ہو مگر جب کہ ذوالحجہ اور محرم ناقص نہ ہو۔ اس سے متواتر تین ماہ ناقص ہونا لازم آتا ہے۔ متواتر تین ماہ ناقص ہونے کی حد یہی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ جس نے کہا کہ حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال مبارک یکم ربیع الاول کو ہوا اس حساب سے درمیانی دو ماہ ناقص ہوں گے اور ایک ماہ کامل۔ اسی لیے امام سہیلی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اور معتمد قول (ابن حجر کے نزدیک) وہ ہے جو ابو مخنف نے کہا ابو مخنف شیعہ راوی ہے۔ میزان وغیرہ میں اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ جھوٹا، روایات کو اپنی جانب سے گھڑنے والا اور متروک ہے ابو مخنف کے قول کی ایک اور شیعہ راوی ہے۔ میزان وغیرہ میں اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ جھوٹا، روایات کو اپنی جانب سے گھڑنے والا اور متروک ہے ابو مخنف کے قول کی ایک اور شیعہ راوی ابن کلبی نے موافقت کی اور کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال دو ربیع الاوّل کو ہوا۔ ابو مخنف اور ابن کلبی کے ماسوا دُوسروں کو یوں غلطی لگی کہ جب کہا گیا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ربیع الاول (ثانی شہر ربیع الاوّل) کو ہوا تو لوگوں کو وہم ہوا کہ بارہ ربیع الاول (ثانی عشر ربیع الاول) ہے۔ (ثانی شہر ربیع الاول کو ثانی عشر ربیع الاول سمجھ لیا گیا) اور اس وہم کی اتباع بغیر تامل کے بعض راویوں نے کی۔ (شرح زرقانی سے بعض مقامات پر اختصار اور بعض پر وضاحت کی گئی ہے)۔

91 ۔ ترجمہ و تفہیم: میں کہتا ہوں، اس کلام میں جو نظر تامل کرتا ہے۔ علامہ سہیلی اور علامہ ابن حجر عسقلانی کے یکم ربیع الاول اور دوم ربیع الاول کے قول کی طرف عدول کا منشأ اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ سہیلی کا خیال ہے کہ قولِ ابو مخنف اس وقت درست ہوتا ہے جب کہ تینوں ماہ ذی الحجہ، محرّم اور صفر ناقص ہوں اور یہ نہایت نادر ہے۔ بخلاف قول اول کے کہ اس صورت میں ایک ماہ کامل اور دو ماہ ناقص شمار ہوتا ہے اس کا وقوع کثیر ہے۔ اس لیے سہیلی کی نظر میں یہ قول راجح ٹھہرا باوجود اس امر کے کہ اس کا ثبوت نہایت مشکل ہے اور حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ قول اوّل کے اختیار کرنے میں جمہور کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ اس سے جمہور کا عذر واضح ہو جاتا ہے کہ انہیں "ثانی شہر" ماہ کی دُوسری تاریخ سے "ثانی عشر" بارہ کی غلطی لگی۔

تینوں مہینے کامل ہوں[92]۔ کما علمت[93]۔

اور امام ماورزی و امام ابنِ کثیر نے یوں توجیہ فرمائی کہ مکّہ معظمہ میں ہلال ذی الحجہ کی رؤیت شام چار شنبہ کو ہوئی۔ پنجشنبہ کا غرّہ[94] اور جمعہ کا عرفہ[95]۔ مگر مدینہ طیبہ میں رؤیت دوسرے دن ہوئی۔ تو ذی الحجہ کی پہلی جمعہ کی ٹھہری، اور تینوں مہینے ذی الحجّہ، محرم، صفر تیس تیس کے ہوئے تو غرہ ربیع الاوّل پنجشنبہ اور بارہویں دوشنبہ آئی۔[96]

ذکرھا الحافظ فی الفتح۔[97]

92۔ تفصیل ملاحظہ ہو: شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ (ا)۔ جلد سوم ص ۱۱۱۔ مطبوعہ بیروت۔

(ب) البدایہ والنہایہ جلد سوم ص ۲۲۵ مطبوعہ قاہرہ۔

93۔ جیسا اس سے پہلے تو جان چکا ہے۔

94۔ چاند کی پہلی تاریخ۔

95۔ نو ذی الحجہ، حج کا دن۔

96۔ امام ماورزی اور امام ابن کثیر کے قول کے مطابق مدینہ طیبہ کے مطلع کے حساب سے جدول:

یکم ذی الحجہ	جمعہ
۲۹ر ذی الحجہ	جمعہ
۳۰ر ذی الحجہ	ہفتہ
یکم محرم الحرام	اتوار
۲۹ر محرم الحرام	اتوار
۳۰ر محرم الحرام	پیر
یکم صفر المظفّر	منگل
۲۹ر صفر المظفّر	منگل
۳۰ر صفر المظفّر	بدھ
یکم ربیع الاوّل	جمعرات
۸ر ربیع الاوّل	جمعرات
۱۲ر ربیع الاوّل	پیر

97۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔

ا۔ فتح الباری شرح بخاری۔

ب۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر۔ جلد سوم، ص ۲۲۵ مطبوعہ قاہرہ۔

اقول: مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے اگرچہ طول میں غربی اور عرض میں شمالی ہے اما الثانی فظاھر معروف لکل من حج وزار واما الاول فثابت مثبت کالثانی فی الزیجات والاطالیس من قدیم الاعصار[98]۔ اور ان دونوں اختلافوں کو اختلاف رؤیت میں دخل بیّن ہے کہ اختلاف طول سے بعد نیّرین کم بیش ہوتا ہے اور اختلاف عرض سے قمر کے ارتفاع مدار کے انتصاب اور بالائے افق اس کی بقا میں تفاوت پڑتا ہے اور کثرت بعد وزیادت انتصاب مدار وارتفاع قمر وطول مکث سب معین رؤیت ہیں اور ان کی کمی مخل رویت۔ مگر بَلَدَیْنِ[99] کریمین کے طول وعرض میں چنداں تفاوت کثیر نہیں، اور جو کچھ ہے یعنی طول میں دو درجے اور عرض میں تین درجے۔ وہ ما نحن فیہ[100] میں ہرگز یہ نہ چاہے گا کہ مکۂ معظمہ میں تو رویت ہو اور مدینۂ طیبہ میں نہ ہو، بلکہ اگر مقتضی ہوگا تو اس کے عکس کا کہ مقام جس قدر غربی تر ہو امکان رویت بیشتر ہوگا کہ دورۂ معدّل میں مواضع غربیہ پر نیرین[101] کا گزر مواضع شرقیہ کے بعد ہوتا ہے اور حرکت قمر توالی بروج پر غرب سے شرق کو ہے تو جب موضع شرقی میں فصل قمرین[102] حد رویت پر ہو غربی میں اور زیادہ ہوگا کہ وہاں تک پہنچنے میں قمر نے قدرے اور حرکت شرق کو کی اور شمس سے اس کا فاصلہ بڑھ گیا۔ یونہی جب عرض مرئی قمر شمالی ہو، جیسا کہ یہاں تھا تو عرض بلد کا شمالی تر ہونا موجب زیادت تعدیل الغروب زائد ہو کر باعث زیادت بعد معدل وطول مکث قمر ہوگا۔ مگر ہے یہ کہ موانع رؤیت حد انضباط[103] سے خارج ہیں۔ تو دفع استحالہ وتوجیہ مقالہ[104] کے لیے احتمال کافی اور قواعد پر نظر کیجیے تو واقعی وہ دن مدینۂ طیبہ میں رؤیت عادیہ کا نہ تھا۔

98۔ ثانی (مدینۂ منورہ مکۂ معظمہ سے عرضِ بلدِ شمالی میں ہے)

ہر حج وزیارت کرنے والے کے لیے ظاہر ہے۔ اوّل (مدینۂ طیبہ مکۂ معظمہ سے طول بلد مغربی میں ہے) بھی زمانہ قدیم سے اطلسوں اور زیجات سے ثابت ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ مدینۂ منورہ کا طول بلد ۷۵ درجہ اور ۲۲ دقیقہ ہے اور عرض بلد ۲۵ درجہ اور ۸ دقیقہ۔ اور مکۂ معظمہ کا طول وبلد ۷۷ درجہ اور ۱۰ دقیقہ اور عرضِ بلد ۲۱ درجہ ۴۰ دقیقہ (غیاث اللغات)

99۔ مکّۂ مکرّمہ اور مدینۂ منورہ۔

100۔ وہ حالت جس میں ہم کلام کر رہے ہیں۔

101۔ سورج اور چاند۔

102۔ سُورج اور چاند کا فاصلہ۔

103۔ شمار کرنا۔

104۔ محال ہونے کو دُور کرنے اور کلام کی توجیہ کے لیے۔

سلخ[105] ذی القعدۃ وسطیہ روز چار شنبہ کو غروب شرعی شمس کے وقت افق کریم مدینہ منورہ میں مؤامرہ رؤیت کے مقدمات یہ تھے۔

ما ج ے ا	تقویم شمس
ما لح مد	تقویم مرئی قمر
ح ح ہ ح ا لـب	عرض مرئی قمر شمالی
ط ف ہ	تعدیل الغروب
ما لح الخ	قمر معدّل
ط ح ہ سولہ	بُعد معدّل
ح ح ہ لہ	بُعد سوا

پُر ظاہر کہ جب بُعد معدل و بُعد سوا دونوں دس درجے سے کم ہیں تو یہ حالت حالت رؤیت نہیں، قریب قریب اسی حالت کے مکۂ معظّمہ میں تھے مگر از انجا کہ وہ نو درجے، یہ آٹھ درجے سے زائد ہے رؤیت پر حکم استحالہ بھی نہ تھا۔ حضور پر نور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکات بے نہایات کے حضور یہ کیا بات تھی کہ ایسے امکان غیر متوقع کی حالت میں فضل وقفہ جمعہ ملنے کے لیے بحکم الٰہی مکّۂ معظّمہ میں شام چار شنبہ کو رویت واقع ہو گئی اُفقِ مدینۂ طیبہ میں حسبِ عادتِ معہودہ نہ ہوئی۔ پھر روز رویت ایام حمل، ثور و جوزا خصوصاً ان بلاد گرم سیر میں گرد و غبار ہونا کوئی نامتوقع بات نہیں۔ یہ تحقیق کلام علما ہے۔ مگر امام عسقلانی نے ان توجیہوں پر قناعت نہ کی۔ پہلی پر مخالفت محاورہ سے اعتراض فرمایا کہ اہلِ زبان جب یہ لفظ بولتے ہیں بارہ راتیں ہی گزرنا مُراد لیتے ہیں نہ بارہ ۱۲ دن کہ یہ تیرھویں پر صادق ہو، اور اوّل و دوم دونوں میں یہ استبعاد بتایا کہ چار مہینے متواتر تیس دن کے ہو جاتے ہیں۔ فی المواھب عن الفتح ھٰذا الجواب بعید من حیث انہ یلزم منہ توالی اربعۃ اشھر کوامل۔[106]

اقول: اگر ندرت مقصود تو الزام[107] مفقود کہ دفع استحالہ کو احتمال کافی۔ خود امام عسقلانی نے جو قول اختیار فرمایا اس پر تین مہینے متوالی ناقص آتے ہیں یہ کیا نادر نہیں۔ اگر امتناع مُراد[108] تو ظاہر الفساد تین سے زیادہ متواتر ۲۹ کے مہینے نہیں

105 ۔ آخری تاریخ۔

106 ۔ شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ۔ جلد سوم ص ۱۱۰۔ مطبوعہ بیروت۔

ترجمہ: مواہب لدنیہ میں فتح الباری سے منقول ہے کہ یہ جواب اس لیے بعید ہے کہ اس طرح متواتر چار ماہ تیس تیس کے آتے ہیں۔

107 ۔ اگر یہ مقصود ہو کہ چار ماہ متواتر تیس تیس کے آنا نادر ہے تو پھر اعتراض باقی نہیں رہتا۔

108 ۔ اگر یہ مُراد ہو کہ چار ماہ متواتر تیس تیس کے آنا ممنوع ہے تو یہ قول خود فاسد ہے۔

ہوتے۔ ۳۰ کے چار تک آتے ہیں، ہاں پانچ نہیں ہوتے۔ تحفہ شاہیہ علامہ قطب الدین شیر ازی وزیج الغ بیگی میں ہے۔ واللفظ لہ:

"اہلِ شرع ماہ ہائے ایں تاریخ از رؤیت ہلال گیرند و آں ہر گز از سی روز زیادہ نباشد واز بست۲۹ دنہ روز کمتر نے و تا چہار ماہ متوالی سی۳۰ سی۳۰ آید وزیادہ نے د تا سہ ماہ متوالی بست۲۹ ونہ بست ۲۹ ونہ آیت وزیادہ نے۔" [109]

ثم اقول وباللہ التوفیق۔ [110]

قولِ جمہور سے قولِ مہجور [111] کی طرف عدول نامقبول ہونے کے لیے اسی قدر بس تھا کہ اس کے لیے توجیہِ وجیہ موجود ہے نہ کہ جب وہ اقوالِ مہجورہ دلائل قاطعہ سے باطل ہوں کہ اب تو ان کی طرف کوئی راہ نہیں۔ اوپر واضح ہوا کہ ان دونوں حضرات کا منشائے عدول تمسک بالحساب [112] ہے کہ پیر کا دن یقینی تھا اور وہ بارہویں پر منطبق نہیں آتا۔ پہلی دُوسری پر آسکتا ہے۔ مگر حساب ہی شاہد عدل [113] ہے کہ اس سال ربیع الاول شریف کی پہلی یا دُوسری پیر کی ہونا باطل و محال ہے۔ فقیر اس پر دو حجتِ قاطعہ رکھتا ہے۔

دلیل اول:

غرّہ وسطیہ کہ علمائے زیج بحساب اوسط لیتے ہیں نیّرین کے اجتماع وسطی سے اخذ کرتے ہیں اور بداہۃً واضح کہ رویت ہلال اجتماع قمرین سے ایک مدّتِ معتد [114] بہا کے بعد واقع ہوتی ہے تو غرّہ ہلالیہ کبھی غرّہ وسطیہ سے مقدّم نہ آئے گا۔ انما غایتہ التساوی [115] اور اجتماع و رویت میں کبھی اتنا فصل بھی نہیں ہوتا کہ قمر ڈیڑھ دو بُرج طے کر جائے۔ لہٰذا التقدیم

---

109 ۔ترجمہ: اہل شرع کے نزدیک تاریخ رویت ہلال سے شمار کرتے ہیں۔ اور مہینہ تیس روز سے زیادہ کا نہیں ہوتا اور انتیس ۲۹ روز سے کمتر نہیں ہوتا۔ تیس تیس کے چار ماہ متواتر آتے ہیں۔ زیادہ نہیں ہوسکتے۔ اور انیتس انیتس کے تین ماہ متواتر ہوسکتے ہیں زیادہ نہیں۔

110 ۔ اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کی توفیق سے میں کہتا ہوں۔

111 ۔متروک قول، جس قول کو علمانے چھوڑ دیا ہو۔

112 ۔حسابی قاعدہ سے دلیل پکڑنا۔

یعنی امام سہیلی اور امام حجر نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال مُبارک کے بارے میں جمہور کے قول بارہ ربیع الاوّ شریف کو اس لیے ترک کیا کہ حسابی قاعدہ سے یہ درست نہیں آتا۔

113 ۔عادل گواہ۔

114 ۔ جسے شمار کیا جائے۔ ایسی مدّت جس کو لوگ محسوس کریں اور شمار کریں۔

115 ۔اس کی غایت برابری ہے۔

وسطیہ کی نہایت ایک دو دن ہے وبس۔

کل ذٰلك ظاهر علی من له اشتغال بالفن۔[116]

اور آشنائے فن جانتا ہے کہ ۱۱ ہجریہ میں ماہِ مُبارک ربیع الاول شریف کا غرّہ وسطیہ روزِ سہ شنبہ تھا۔ تو غرّہ ہلالیہ یک شنبہ یا دو شنّبہ کیونکر متصوّر کہ اگر یہ سہ شنّبہ متاخر ہے تو ہلالیہ کا وسطیہ پر تقدم لازم آتا ہے اور اگر متقدّم ہے تو اجتماع سے چار پانچ روز تک رویت نہ ہونے کا لزوم ہوتا ہے اور دونوں باطل ہیں۔ وبعین الدلیل یستحیل ما تقدم عن سلیمٰن التیمی من کون غرّة صفر یوم السبت فان غرته الوسطیة یوم الاثنین فکیف یمکن[117] ان تقدمها الهلالیة بیومین او تتاخر عنها بخمسة ایّام وبه یظهر استحالة ما اعتمده الحافظ بوجه اخر فان مبنا انما کان علی هذا کما علمت۔

دلیل دوم:

فقیر نے شام دو شنبہ ۲۹ر صفر وسطٰی ۱۱ھ کے لیے افقِ کریم مدینۂ طیبہ میں نیرین کی تقویات استخراج کیں اور حساب صحیح و معتمد نے شہادت دی کہ اس وقت تک فصل قمرین حد رؤیت معتادہ[118] پر نہ تھا۔ آفتاب جوزا کے ۶ درجے سترہ دقیقے باون ثانیے پر تھا۔ اور چاند کی تقویم مرئی جوزا کے پندرہ درجے ستائیس ۲۷ دقیقے اکتیس ۳۱ ثانیے۔ فاصلہ صرف ۹ درجے ۹ دقیقے ۳۹ دقیقے تھا[119]۔ اور حسبِ قول متعارف اہلِ عمل، رؤیت کے لیے کم سے کم درجے سے زیادہ فاصلہ چاہیے حاشیہ شرح چغمینی للعلّامۃ عبد العلی البرجندی میں ہے:

المذکور فی الکتب المشهورة انه ینبغی ان یکون العبد بین تقویمی النیرین اکثر من

---

116 ۔جو اس فن (علم زیچ) سے مہارت رکھتا ہے اس پر یہ امر ظاہر ہے۔

117 ۔ترجمہ: اسی دلیل سے سلیمان التیمی کا یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ یکم صفر (۱۱ھ)، ہفتہ کا دن تھا۔ کیونکہ غرّہ وسطیہ پیر کا دن ہے۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ غرّہ وسطیہ غرّہ ہلالیہ سے دو دن متقدم ہو یا پانچ روز موخر ہو۔ اسی کی دلیل سے حافظ ابن حجر عسقلانی کے قول کا محال ہونا بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کی دلیل کا انحصار بھی اسی اصول پر تھا۔

118 ۔سُورج اور چاند کے درمیان فاصلہ اتنا تھا کہ اس سے عادۃً رؤیت ممکن نہ تھی۔

119 ۔اس کا حسابی جدول یہ ہے:

ثانیے	دقیقے	درجے
۳۱	۲۷	۱۵
۵۲	۱۷	۶
۳۹	۹	۹

عشرۃ اجزاء وقیل ینبغی ان یکون ما بین مغاربیھما عشرۃ اجزاء اواکثر حتّٰی یکون القمر فوق الارض بعد غروب الشمس مقدا ثلثی ساعۃ اوکثر والمشھور فی ھذا الزمان بین اھل العمل انہ ینبغی ان یتحقق الشرطان حَتّٰی تمکن الرویۃ ویسمون البعد الاوّل بعد السواء والبعد الثانی بعد المعدّل۔[120]

شرحِ زیجِ سُلطانی میں ہے:

"باید کہ بعد معدّل وہ درجہ باشد یا زیادہ وبعد میان دو تقویم ایشان از وہ زیادہ باشد تا ہر دو شرط وجود نگیر وہلال مرئی نشود و متعارف دریں زمان ایں است۔"[121] (جدول مذکورہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

جب شبِ سہ شنبہ تک تیّرین کا یہ حال تھا کہ وقوعِ رویتِ ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال تھا تو اُس سے دو ایک رات پہلے کا وقوع بداہۃً محال تھا جب اس رات قمر صرف نو درجے آفتاب سے شرقی ہوا تھا تو شام یکشنبہ کو قطعاً کئی درجے اُس سے غربی تھا اور غروبِ شمس سے کوئی پاؤ گھنٹے پہلے ڈوبا اور شام شنبہ کو تو عصر کا اعلیٰ مستحب وقت تھا جب چاند حجلہ نشینِ مغرب[122] ہو چکا تھا۔ پھر رات کو رویتِ ہلال کیا زمین چیر کر ہوئی۔

غرض دلائلِ ساطعہ[123] سے ثابت ہے کہ اُس ماہِ مُبارک کی پہلی یا دوسری دوشنبہ کی ہر گز نہ تھی اور روزِ وفاتِ اقدس یقیناً دوشنبہ ہے تو وہ دونوں قول قطعاً باطل ہیں اور حق وصواب وہی قولِ جمہور بمعنی مذکور ہے۔ یعنی واقع میں تیرھویں اور بوجہ مسطور[124] تعبیر میں بارہویں کہ بحساب شمسی نہم خزیران ۹۴۳ رومی نو تینتالیس رومی اسکندرانی ہشتم[125] جون ۶۳۲

---

120 ۔ ترجمہ و تفہیم: مشہور کتابوں میں مذکور ہے کہ سُورج اور چاند کا تقویمی بعد دس اجزاء سے زائد ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے غروب کے درمیان دس یا اس سے زائد اجزا ہوں۔ یہاں تک کہ چاند زمین سے غروبِ شمس سے تیس ساعت بلند ہو اور اس زمانے میں اہلِ عمل کے درمیان مشہور یہ ہے کہ دونوں شرطیں پائی جائیں کہ رویت ممکن ہو اہلِ عمل بُعدِ اول کو بُعدِ سوا کہتے ہیں اور بُعد ثانی کو بُعدِ معدّل کہتے ہیں۔

121 ۔ زیجِ سُلطانی۔

تفہیم: چاہیے کہ بُعد معدّل دس یا اس سے زیادہ درجے ہوں اور سُورج اور چاند کی تقویم کے درمیان دس سے زیادہ درجے ہوں۔ جب تک دونوں شرطیں نہ پائی جائیں چاند کی رویت ممکن نہیں۔ اس زمانہ میں یہی متعارف ہے۔

122 ۔ چاند غروب ہو چکا تھا۔

123 ۔ چمکدار دلائل۔

124 ۔ جو وجہ ہم نے بیان کی ہے۔

(چھ سو بتیس) عیسوی تھی۔

وَاللہ سُبْحٰنہ وَتَعَالٰی اعلم فقط۔

جزئیاتِ موامرہ کی جدول یہ ہے

و ت م	وقت غروب شرعی بعد نصف النہار وسطے زیجی
تج و ر ن	تقویم حقیقی شمس بوقت مذکور
تج لو ے ال	تقویم حقیقی قمر بوقت مذکور
حجہ م	عرض حقیقی قمر شمالی
مقہ نا	اختلاف منظر قمر طولی جدولی
الح قہ ح	اختلاف منظر قمر عرضی جدولی
تج بہ الا	تقویم مرئی قمر ....
تجہ مح لب	عرض مرئی قمر شمالی ....
اجہ ر	تعدیل الغروب ....
تج سو لد لا	قمر معدل
زسوحہ مرلح	مطالع نظیر جزا الشمس
زسوحہ لو و	مطالع نظیر جزء القمر المعدل
ماحہ مہ لح	بعد معدل .....
طحہ ط لط	بعد سوا ....
غیر متوقع	حکم رویت ہلال .....

125 ۔یعنی اس وقت جو شمار رائج تھا اس کے حساب سے ۸ر جون اور اصلی حساب سے ۱۲ تھی۔ زیج بہادر خانی سے بستم ۲۰ جون آتی ہے۔ مگر یہ اس کی غلطی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "تحقیقاتِ سالِ مسیحی" میں واضح کیا۔ ۱۲ منہ غفرلہ (حاشیہ ۱۲۵ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی طرف سے ہے)۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کو

معارفِ رضا

کے خصوصی شمارے کی اشاعت پر

مبارک باد

پیش کرتے ہیں۔

من جانب

امجد سعید

ربیع الآخر

مشمولات	صفحہ نمبر

واہ کیا مرتبہ اے غوثِ ہے بالا تیرا

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سَروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا
کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتّا تیرا
تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدّیں ہو
اے خضر مجمعِ بحرین ہے چشمہ تیرا
قسمیں دے دے کے کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے
پیارا اللہ ترا چاہنے والا تیرا
مصطفٰے کے تنِ بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا مِری جاں جلوۂ زیبا تیرا
ابن زہرا کو مبارک ہو عَروسِ قدرت
قادری پائیں تصدّق مِرے دولھا تیرا
کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن ابی القاسم ہے
کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا
نبوی ظِل علوی برج بتولی منزل
حسنی چاند حسینی ہے اُجالا تیرا
نبوی خور علوی کوہ بتولی معدن
حسنی لعل حسینی ہے تجلا تیرا
بحرو بر شہر و قری سہل و حزن دشت و چمن
کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعویٰ تیرا

حسن نیت ہو خطا پھر کبھی کرتا ہی نہیں
آزمایا ہے یگانہ ہے دوگانہ تیرا

عرض احوال کی پیاسوں میں کہا تاب مگر
آنکھیں اے ابر کرم تکتی ہیں رستا تیرا

موت نزدیک گناہوں کی تہیں میل کے خول
آ برس جا کہ نہا دھولے یہ پیاسا تیرا

آب آمد وہ کہے اور میں تیمّم بر خاست
مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی دور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

تیری عزت کے نثار اے مرے غیرت والے
آہ! صد آہ! کہ یوں خوار ہو بِرْوَا تیرا

بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی، ہے تو کریما تیرا

مجھ کو رسوا بھی اگر کوئی کہے گا تو یوں ہی
کہ وہی نا، وہ رضؔا بندۂ رسوا تیرا

اے رضؔا یوں نہ بلک تو نہیں جیّد تو نہ ہو
سیّدِ جیّدِ ہر دہر ہے مولیٰ تیرا

فخرِ آقا میں رضؔا اور بھی اِک نظمِ رفیع
چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرا تیرا

طَرَدُ الْاَفَاعِیِ
عَنْ حِمٰی ھَادٍ رَّفَعَ الرِّفَاعِی

۱۳ھ ھ ۳۶

(سانپوں [موذیوں] کو دور کرنا اس ہادی کی بارگاہ سے
جس نے امام رفاعی کو رفعت بخشی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ از بڑودہ ملک گجرات محلہ راجپورہ متصل مانڈوی مرسلہ میاں محمد عثمان ولد عبدالقادر ۲۶ شوال ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جناب قطب الاقطاب غوث الثقلین میراں محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اپنے وقت میں غوث یا قطب الاقطاب نہیں تھے بلکہ سیّدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب اور غوث الثقلین تھے اور جناب سید عبدالقادر جیلانی نے جناب سیّد احمد کبیر رفاعی سے مدینہ منورہ میں چند اولیا کے ہمراہ بیعت کی ہے یہ بیعت اس وقت ہوئی کہ جب سید احمد کبیر رفاعی کے لیے مزار انور سے دست مبارک نکلا تھا، اور اکثر عرب میں سیّد عبدالقادر جیلانی کو مرقومۂ بالا صفتوں سے کوئی نہیں مانتا، ہاں سیّد احمد کبیر رفاعی کو مانتے ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ سیّدنا احمد کبیر رفاعی کی ولایت اور قطبیت میں ہمیں بالکل کلام نہیں، مگر ان کی تفضیل سیّدنا جناب سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ پر نہیں ہوسکتی، اور مدینہ منورہ کی بیعت کا کسی جگہ ثبوت نہیں ملتا، اور اکثر عرب سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی بہت قدر و منزلت کرتے ہیں اور قطب الاقطاب و غوث الثقلین کی صفتیں حضرت پیرانِ پیر صاحب ہی پر برتی جاتی ہیں۔

اس مضمون پر بڑودہ میں خفیہ خفیہ بحثیں ہُوا کرتی ہیں، زید کے پیر مرحوم بڑودہ کے رفاعی خاندان کے سجادہ نشین تھے چند روز ہوئے انتقال ہوگیا ہے، یہ انھیں کی تحریک و تحریص کا نتیجہ ہے۔ ہم مستفسر نیچے دستخط کرنے والے نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ سیّد احمد کبیر اور سید عبدالقادر میں قطب الاقطاب اور غوث اعظم کون ہے، اور علمائے ماسلف و حال کس کو مانتے ہیں۔

دوسرے مدینہ منورہ کی بیعت کا اور غوث پاک کی نسبت عقائد اہلِ عرب کا وافی و کافی ثبوت کتب معتبرہ سے تحریر

فرما کر مرہونِ منّت فرمائیں، آپ کے فتوے کے آنے کے بعد انشاء اللہ اندرونی نقیض کا بہت سہولت سے فیصلہ ہو جائے گا اور یہ ابتدائی مواد بڑھ کر مرضِ مہلک تک نہ پہنچے گا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ط

اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

قل ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء۔[1]

تم فرمادو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

اس آیۂ کریمہ سے مسلمان کو دو ۲ ہدایتیں ہوئیں:

ایک یہ کہ مقبولانِ بارگاہِ احدیت میں اپنی طرف سے ایک کو افضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے کہ فضل تو اللہ تعالٰی کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

دوسرے یہ کہ جب دلیل مقبول سے ایک کی افضلیت ثابت ہو تو اس میں اپنے نفس کی خواہش اپنے ذاتی علاقہ نسب یا نسبت شاگردی یا مریدی وغیرہا کو اصلاً دخل نہ دے کہ فضل ہمارے ہاتھ نہیں کہ اپنے آبا و اساتذہ و مشائخ کو اوروں سے افضل ہی کریں جسے خدا نے افضل کیا وہی افضل ہے اگرچہ ہمارا ذاتی علاقہ اُس سے کچھ نہ ہو اور جسے مفضول کیا وہی مفضول ہے اگرچہ ہمارے سب علاقے اُس سے ہوں۔ یہ اسلامی شان ہے مسلمانوں کو اِسی پر عمل چاہیے، اکابر خود رضائے الٰہی میں فنا تھے جسے اللہ عزوجل نے اُن سے افضل کیا، کیا وہ اس پر خوش ہوں گے کہ ہمارے متوسل ہمیں اس سے افضل بتائیں۔ حاش للہ! وہ سب سے پہلے اس پر ناراض اور سخت غضب ناک ہونگے تو اس سے کیا فائدہ کہ اللہ عزوجل کی عطا کا بھی خلاف کیا جائے اور اپنے اکابر کو بھی ناراض کیا جائے۔ حضرت عظیم البرکۃ سیدنا سید احمد کبیر رفاعی قدسنا اللہ بسرہ الکریم بے شک اکابر اولیاء و اعاظم محبوبانِ خدا سے ہیں، امام اجل اوحد سیّدی ابو الحسن علی بن یوسف نور الملّۃ والدّین لخمی شطنوفی قدس سرہ العزیز کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں فرماتے ہیں:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ھٰذا الشیخ من اعیان مشائخ العراق واجلاء العارفین وعظماء المحققین وصدار المقربین صاحب المقامات العلیۃ والجلالۃ العظیمۃ والکرامات الجلیلۃ والاحوال السنّیۃ والافعال الخارقۃ والانفاس الصادقۃ

---

1 ۔ القرآن الکریم ۳/ ۷۳۔

صاحب الفتح المونق والکشف المشرق والقلب الانور والسر الاظهر والقدر الاکبر۔ [2]

یعنی حضرت سیّدی احمد رفاعی رضی اللہ عنہ سرداران مشائخ واکابر عارفین واعاظم محققین وافسران مقربین سے ہیں جن کے مقامات بلند اور عظمت رفیع اور کرامتیں جلیل اور احوال روشن اور افعال خارق عادات اور انفاس سچے عجیب فتح اور چمکا دینے والے کشف اور نہایت نورانی دل اور ظاہر تر سر اور بزرگ تر مرتبہ والے۔

یوں ہی دو ورق میں اس جناب رفعت قباب کے مراتب عالیہ ومناقب سامیہ وکرامات بدیعہ وفضائل رفیعہ ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت ممدوح قدس سرہ الشریف کا روضۂ انور سیّد اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضر ہونا اور یہ اشعار عرض کرنا ہے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وهی نائبتی
وهذه دولة الاشباح قد حضرت
فامدد یمینك کی تحظی بها شفتی [3]

(زمانۂ دُوری میں میں اپنی روح کو حاضر کرتا تھا وہ میری طرف سے زمین بوسی کرتی، اب جسم کی نوبت ہے کہ حاضر بارگاہ ہے حضور دست مبارک بڑھائیں کہ میرے لب سعادت پائیں)

اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دستِ مبارک روضۂ انور سے باہر کرنا اور حضرت احمد رفاعی کا اس کے بوسہ سے مشرف ہونا مشہور و ماثور ہے، تنویر الحلك فی امکان رؤیة النبی والملك للامام الجلیل السیوطی میں ہے:

لما وقف سیدی احمد الرفاعی تجاه الحجرة الشریفة قال:

جب میرے سردار احمد رفاعی حجرہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہوئے تو یوں کہا۔

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها	جب میں دُور ہوتا تو اپنی روح کو بھیجتا تھا جو میری
تقبل الارض عنی وهی نائبتی	نائب ہو کر میری طرف سے زمین بوسی کرتی تھی،
وهذه دولة الاشباح قد حضرت	یہ زیارت کا وقت ہے میں خود حاضر ہوا ہوں
فامدد یمینك کی تحظی بها شفتی	اپنا دستِ اقدس بڑھائیں تا کہ میرے ہونٹ

2۔ بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار، الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی، مصطفےٰ البابی، مصر، ص: ۲۳۵۔

3۔ الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۶۱۔

فخرجت الیه الید الشریفة فقبلها[4]	دست بوسی کی سعادت پائیں۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک آپ کی طرف نکلا جس کو آپ نے چُوما۔ (ت)

اور بعینہٖ یہی کرامتِ جلیلہ حضور پُر نور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بھی مذکور ومزبور ہے۔ کتاب تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبد القادر میں ہے:

ذکروا ان الغوث الاعظم رضی الله تعالیٰ عنه جاء مرة الی المدینة المنورة وقرأ بقرب الحجرة الشریفة هٰذین البیتین (فذکرهما کما مرو قال) فظهرت یده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فصافحها ووضعها علیٰ رأسه رضی الله تعالیٰ عنه۔[5]

یعنی راویوں نے ذکر کیا کہ حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک بار حاضر سرکار مدینۂ نور بار ہو کر روضۂ انور کے قریب وہ دونوں شعر پڑھے اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دستِ انور ظاہر ہوا حضرت غوث نے مصافحہ کیا اور بوسہ لیا اور اپنے سر مبارک پر رکھا۔

اور تعدّد سے کوئی مانع نہیں حضور سرکار غوثیت نے پہلا حج ۵۰۹ھ (پانسو نو ہجری) میں فرمایا ہے جب عمر شریف اڑتیس ۳۸ سال تھی، حضور سیّدی عدی بن مسافر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سفر میں ہمرکاب تھے حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت ام عبیدہ میں خورد سال تھے حضرت کو گیارھواں[1←] سال تھا، ممکن کہ اس بار حضور سرکار غوثیت نے یہ اشعار بارگاہِ عرش جاہ میں عرض کیے اور ظہور دست اقدس وبوسۂ مصافحہ سے مشرف ہوئے ہوں۔ جب حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوان ہوئے اور حج کو حاضر ہوئے باتباع سرکار غوثیت انھوں نے بھی وہ اشعار عرض کیے اور سرکار کرم کے اس کرم سے مشرف ہوئے ہوں، بہر حال اس پر وہ فقرۂ تراشیدہ کہ اس وقت حضور قطب العالمین غوث

---

4 ۔الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلك فی امکان رؤیة النبی والملك، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۶۱۔

5 ۔ تفریح الخاطر، مترجم معہ اصل عربی متن، المنقبۃ الثانیۃ والعشرون، سنّی دار الاشاعت، فیصل آباد، ص: ۵۶ و ۵۷۔

1← ۔ ابن خلکان کی روایت میں چند مہینے ہی کے تھے زیادہ سے زیادہ، یا ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

حیث قال احمد بن ابی الحسن المعروف بابن الرفاعی توفی یوم الخمیس الثانی والعشرین من جمادی الاولیٰ ستة ثمان وسبعین وخمسمائة بام عبیدة وهو فی عشر السبعین رحمه الله تعالیٰ۔

اس نے کہا کہ احمد بن ابو الحسن جو کہ ابن رفاعی کے نام سے مشہور ہیں، کا وصال ۲۲ جمادی الاولیٰ ۵۷۸ھ بروز جمعرات ام عبیدہ کے مقام پر ہوا، چنانچہ آپ ستر کی دہائی میں ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (ت)

مگر روایت بہجۃ الاسرار شریف عنقریب آتی ہے اس پر ۵۰۹ھ میں سات آٹھ برس کے ہونگے انتہا درجہ دس سال کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

العارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رفیع رفاعی کے ہاتھ پر معاذ اللہ بیعت فرمائی کذب و افتراء خالص و دروغ بیفروغ ہے اور اللہ واحد قہار جھوٹ کو دشمن رکھتا ہے نہ کہ ایسا جھوٹ جس سے زمین و آسمان ہل جائیں قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین[6] لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو، فان لم یاتوا بالشھداء فاولئك عنداللہ ھم الکٰذبون[7] پھر جب وہ گواہان عادل نہ لاسکے تو جو ایسا دعویٰ کریں اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں، وقد خاب من افتری[8] خاب و خاسر اہوا جس نے افتراء باندھا حضرت رفیع رفاعی کی قطبیت سے کسے انکار ہے، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصالِ اقدس کے بعد حضرت سیدی علی بن ہیتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطب ہوئے، اور سرکار غوثیت کی عطا سے حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے مرتبہ قطبیت پر فائز ہوئے۔ حضرت علی بن ہیتی کا وصال وصالِ اقدس سرکار غوثیت سے تین سال بعد ۵۶۴ھ میں ہے[9]، پھر حضرت سید رفاعی قطب ہوئے اور ۵۷۸ھ میں وصال ہوا۔ بہجہ مبارکہ میں ہے:

الشیخ علی بن الهیتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ احد من تذکر عنہ القطبیة سکن بلدة من اعمال نهر الملك الی ان مات بها سنة اربع وستین وخمسمائة۔[10]

جن کی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو نہر الملک کے ایک قریہ میں سکونت پذیر ہوئے یہاں تک کہ اسی قریہ میں ۶۴ھ میں وصال فرمایا۔(ت)

اُسی میں ہے:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی احد من تذکر عنہ القطبیة سکن بام عبیدة قریة بارض البطائح الی ان مات بها فی سنة ثمان وسبعین وخمسائة وقد ناهز الثمانین۔[11]

جن کی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ احمد بن ابو الحسن رفاعی ہیں جو سرزمین بطائح کے قریہ ام عبیدہ میں ساکن تھے اور وہاں ہی ۵۷۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ نے اسّی ۸۰ برس کے قریب عمر پائی۔(ت)

اُسی میں ہے حضرت شیخ جاگیر مرید جلیل تاج العارفین ابو الوفاء نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

---

6 ۔القرآن الکریم ۲/ ۱۱۱۔

7 ۔القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳۔

8 ۔القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱۔

9 ۔وفیات الاعیان ترجمہ ۷۰ ابن الرفاعی دار الثقافت بیروت ۱/ ۱۷۲۔

10 ۔بہجۃ الاسرار ذکر الشیخ علی بن الہیتی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۸۹ تا ۲۹۴۔

11 ۔بہجۃ الاسرار ذکر الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۵ تا ۲۳۷۔

رفعتِ شان و بے مثلی بیان کرکے فرمایا:

منہ انتقلت القطبیۃ الی سیدی علی بن الھیتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[12]

ان سے قطبیت میرے سردار شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منتقل ہوئی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

اخبرنا الشیخ الشریف ابو جعفر محمد بن ابی القاسم العلوی الحسنی قال اخبرنا الشیخ العارف وابو الخیر محمد بن محفوظ قال کنت انا (وفلانٌ وفلان عد عشرۃ انفس من طالبی الاٰخرۃ وثلٰثۃ من اھل الدنیا) حاضرین عند شیخنا الشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال لیطلب کل منکم حاجۃ اعطیھا لہ (فذکر حوائجھم منھا) قال الشیخ خلیل بن الصرصری ارید ان لا اموت حتی انال مقام القطبیۃ قال فقال الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "کل نمد ھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربك وما کان عطاء ربك کان محظورا۔" قال فو اللہ لقد نالوا کلھم ما طلبوا۔[13]

ہمیں شیخ شریف ابو جعفر محمد بن ابو القاسم علوی حسنی نے بحوالہ شیخ ابو الخیر خبر دی کہ ایک روز عارف باللہ محمد بن محفوظ اور دس حضرات اور طالبانِ آخرت اور تین شخص طالبانِ وزارت وغیرہا مناصبِ دنیا حاضر بارگاہ عالم پناہ سرکار غوثیت تھے حضور نے ارشاد فرمایا ہر ایک اپنی حاجت عرض کرے میں اُسے عطا فرماؤں، سب نے اپنی اپنی دینی و دنیوی مرادیں عرض کیں، ان میں شیخ خلیل صرصری کی عرض یہ تھی کہ میں اپنی زندگی میں مرتبۂ قطبیت پاؤں۔ حضور نے فرمایا: "ہم ان کی اور ان کی سب کی مدد کرتے ہیں رب کی عطا سے اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں"۔ عارف موصوف فرماتے ہیں خدا کی قسم جس نے جو مانگا تھا پایا۔

اُسی میں حضرت سیدی ابو عمرو عثمان بن یوسف و حضرت علی بن سلیمان خبّاز و حضرت ابو الغیث ابن جمیل یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے کہ ان سب نے فرمایا:

قطب الشیخ خلیل الصرصری رحمہ اللہ تعالیٰ قبل موتہ بسبعۃ ایّام۔[14]

حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے قطب کیے گئے۔

---

12 ۔ بہجۃ الاسرار ذکر الشیخ جاکیر رضی اللہ عنہ مصطفے البابی مصر ص ۱۶۹۔

13 ۔ بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیٔ من عجائب احوالہٖ مختصراً مصطفے البابی مصر ص ۳۰ و ۳۱۔

14 ۔ بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعا بشیٔ من عجائب احوالہٖ مختصراً مصطفے البابی مصر ص ۳۲۔

یہ قطبیت بمعنی غوثیت ہے اور اقطاب اصحابِ خدمت کو بھی کہتے ہیں جو ہر شہر و ہر لشکر میں ہیں، شک نہیں کہ ہر غوث اپنے دورہ میں ان سب اقطاب کا افسر و سرور ہے کہ وہ تمام اولیائے دورہ کا سردار ہوتا ہے تو اس معنیٰ پر ہر قطب یعنی غوث قطب الاقطاب ہے بلکہ غوث کے نیچے جو عہدہ داران تمام اصحاب خدمت کا افسر ہو بایں معنی قطب الاقطاب ہے، مگر قطب الاقطاب بمعنی اوّل یعنی غوث الاغواث کہ دوروں کے غوثوں کا غوث ہو، غوثوں کو غوثیت اس کی عطا سے ملتی ہو اور غوث اپنے اپنے دورے میں اس کی نیابت سے غوثیت کرتے ہوں وہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضور پُر نور محی الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ والدّین ابو محمد ولی الاولیاء، امام الافراد، غوث الاغواث، غوث الثقلین، غوث الکل، غوثِ اعظم سید شیخ عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں اور تا ظہور سیدنا امام مہدی رضی اللہ عنہ یہ مرتبہ عظمیٰ اسی سرکار غوثیت بار کے لیے رہے گا۔ حضرت رفاعی اور اُن کے امثال قبل و بعد کے قطبوں کو حضور پر تفضیل دینی ہوسِ باطل و نقصان دینی ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اس کے بیان کو ہم چند احادیث مرفوعۃ الاسانید امام اجل اوحد سیّدی نور الملۃ والدّین ابو الحسن علی شطنوفی قدس سرہ الشریف کی کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار معدن الانوار سے ذکر کرتے ہیں اور اس سے پہلے اتنا واضح کر دیں کہ یہ امام جلیل صرف دو ۲ واسطہ سے حضور سرکار غوثیت کے مستفیضین بارگاہ میں ہیں ان کو محدّث جلیل القدر ابو بکر محمد ابن امام حافظ تقی الدین انماطی سے تلمذ ہے اُن کو امام اجل شہیر علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی سے ان کو حضور قطب الاقطاب غوث الاغواث غوث الثقلین غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، نیز ان کو امام قاضی القضاۃ محمد ابن امام ابراہم بن عبدالواحد مقدسی سے ان کو امام ابو القاسم ہبۃ اللہ بن منصور نقیب السادات سے ان کو حضور سیّد السادات سے، نیز ان کو شیخ جنید ابو محمد حسن بن علی لخمی سے ان کو ابو العباس احمد بن علی دمشقی سے ان کو سرکار غوثیت سے، نیز ان کو امام صفی الدین خلیل بن ابی بکر مراغی و امام عبدالواحد بن علی بن احمد قرشی سے ان دونوں کو امام اجل ابو نصر موسیٰ سے ان کو اپنے والد ماجد حضور سیدنا غوث اعظم سے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، اور ان کے سوا اور بہت طرق سے ان امام جلیل کی سند حضور تک ثنائی یعنی صرف دو واسطہ سے ہے، ۷۱۳ھ میں ان کا وصال شریف ہے، اکابر اجلّاء نے انھیں امام مانا یہاں تک کہ امام فنِّ رجال شمس ذہبی نے باآنکہ اوّلاً ان کی نگاہ دربارۂ رجال کس درجہ بلند و دشوار پسند واقع ہوئی ہے۔

ثانیاً انہیں حضرات صوفیہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اُن کے علومِ الٰہیہ سے بہت کم عقیدت بلکہ تقریباً بالکلیہ مجانبت ہے۔

ثالثاً اشاعرہ کے ساتھ اُن کا برتاؤ معلوم ہے خود اُن کے تلمیذ اجل امام تاج الدین سبکی ابن امام اجل برکۃ الانام تقی الملۃ والدّین علی بن عبدالکافی قدس سرہما نے تصریح فرمائی کہ شیخنا الذھبی اذا مر باشعری لا یبقی ولا یذر ہمارے استاذ ذہبی جب کسی اشعری پر گزرتے ہیں تو لگی نہیں رکھتے کچھ باقی نہیں چھوڑتے۔ اور امام اجل صاحب بھجہ اشعری ہی ہیں۔

رابعاً معاصرت دلیل منافرت ہے اور ذہبی ان امام کے زمانے میں تھے ان کی مجلس مبارک میں حاضر ہوئے ہیں بایں ہمہ اُن کے مداح ہوئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں ان کو الامام الاوحد کے لفظ سے یاد فرمایا یعنی امام یکتا، امام الشان ذہبی کے یہ دو لفظ تمام مدائح و مدارج توثیق و تعدیل و اعتماد و تعویل کو جامع ہیں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد المقری نور الدین شیخ القراء بالدیار المصریة ابو الحسن اصله من الشام و مولده بالقاهرة سنة اربع واربعین وستمائة وتصدر للاقراء والتدریس بالجامع الازهر وقد حضرت مجلس اقرائه واستانست بسمته وسکوته۔[15]

علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا صاحبِ تعلیم فرقانِ حمید تمام بلادِ مصر میں شیخ القراء ابو الحسن کنیت ان کی اصل شام سے اور ولادت قاہرہ میں ۶۴۴ھ چھ سو چوالیس میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں درس و تعلیم کی صدارت فرمائی میں اُن کی مجلس درس میں حاضر ہوا اور اُن کی روش و خاموشی سے انس پایا۔

امام جلیل عبد اللہ بن اسعد یافعی قدس سرہ الشریف مرآۃ الجنان میں فرماتے ہیں:

اما کراماته رضی الله تعالیٰ عنه فخارجة عن الحصر وقد ذکرت شیئا منها فی کتاب نشر المحاسن وقد اخبرنی من ادرکت من اعلام الائمة الاکابر ان کراماته تواترت وقریب من التواتر و معلوم بالاتفاق انه لم یظهر ظهور کراماته لغیره من شیوخ الآفاق، وها انا اقتصر فی هٰذا الکتاب علیٰ واحدة منها وهی ماروی الشیخ الامام الفقیه العالم المقری ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر بن معضاد الشافعی اللخمی فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی الله تعالیٰ عنه بسنده من خمس طرق و عن جماعة من الشیوخ الجلة اعلام الهدی العارفین المقنتین للاقتداء قالوا جاءت امراة بولدها الحدیث۔

یعنی حضور پُر نور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامات شمار سے زیادہ ہیں اُنھیں سے کچھ ہم نے اپنی کتاب نشر المحاسن میں ذکر کیں اور جتنے مشاہیر اکابر اماموں کے وقت میں نے پائے سب نے مجھے یہی خبر دی کہ سرکار غوثیت کی کرامات متواتر یا قریب تواتر ہیں اور بالاتفاق ثابت ہے کہ تمام جہان کے اولیاء میں کسی سے ایسی کرامتیں ظاہر نہ ہوئیں جیسی حضور پُر نور سے ظہور میں آئیں اس کتاب میں اُن میں سے صرف ایک ذکر کرتا ہوں وہ جسے روایت کیا شیخ امام فقیہ العالم مقری ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر بن معضاد شافعی لخمی نے مناقب حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ (کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف) میں اپنی پانچ سندوں سے اور عظیم اولیاء ہدایت کے نشانوں عارفین باللہ کی ایک جماعت (یعنی سیّدی عمران کیمیانی

15 ۔طبقات المقرئین

وسیدی عمر بزار وسیدی ابو السعود مدلل وسیدی ابو العباس احمد صرصری وامام اجل سیّدنا تاج الملۃ والدّین ابو بکر عبد الرزاق و سیدی امام ابو عبداللہ محمد بن ابی المعالی بن قائد اوانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم (وقد خرجت عن حقی فیہ للہ عزوجل ولك) سے کہ ایک بی بی اپنا بیٹا خدمت اقدس سرکار غوثیت میں چھوڑ گئیں کہ اس کا دل حضور سے گرویدہ ہے میں اللہ کے لیے اور حضور کے لیے اس پر اپنے حقوق سے درگزری، حضور نے اسے قبول فرماکر مجاہدے پر لگادیا ایک روز اس کی ماں آئیں دیکھا لڑکا بھوک اور شب بیداری سے بہت زار نزار زرد رنگ ہوگیا ہے اور اُسے جو کی روٹی کھاتے دیکھا، جب بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئیں دیکھا حضور کے سامنے ایک برتن میں مُرغی کی ہڈیاں رکھی ہیں جسے حضور نے تناول فرمایا ہے، عرض کی اے میرے مولیٰ! حضور تو مرغ کھائیں اور میرا بچہ جو کی روٹی۔ یہ سُن کر حضور پر نور نے اپنا دستِ اقدس اُن ہڈیوں پر رکھا اور فرمایا:

قومی باذن اللہ تعالیٰ الذی یحیی العظام

جی اُٹھ اللہ کے حکم سے جو بوسیدہ ہڈیوں کو جِلائے گا۔

یہ فرمانا تھا کہ مرغی فوراً زندہ صحیح سالم کھڑی ہوکر آواز کرنے لگی، حضور اقدس نے فرمایا: جب تیرا بیٹا ایسا ہوجائے تو جو چاہے کھائے۔[16]

اور انھیں سب ائمہ عارفین نے فرمایا کہ ایک بار حضور کی مجلس وعظ پر ایک چیل چِلّاتی ہوئی گزری اُس کی آواز سے حاضرین کے دل مشوّش ہوئے حضور نے ہوا کو حکم دیا: اس چیل کا سر لے۔ فوراً چیل ایک طرف گری اور اس کا سر دوسری طرف۔ پھر حضور نے کرسیِ وعظ سے اتر کر اس چیل کو اُٹھا کر اس پر دستِ اقدس پھیرا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا فوراً وہ چیل زندہ ہوکر سب کے سامنے اُڑتی چلی گئی۔[17]

قادرا قدرت تو داری ہرچہ خواہی آں کنی

مُردہ را جانے دہی و زندہ را بے جاں کنی

(اے قادر! تو قدرت رکھتا ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، مردہ کو تو جان دیتا ہے اور زندہ کو بے جان کرتا ہے۔ ت)

امام محدّث شیخ القراء شمس الملۃ والدین ابو الخیر محمد محمد محمد ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب نہایۃ الدرایات فی اسماء رجال القراءات میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر بن فضل بن معضاد نور الدین ابو الحسن اللخمی الشطنوفی الشافعی

16۔ مرآۃ الجنان، سنۃ احدی وستّین وخمس مائۃ، ذکر نسبہ ومولدہ الخ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۳/ ۲۶۸، ۲۶۹۔

17۔ بھجۃ الاسرار، فصول من کلامہ مرصعا بشی من عجائب احوالہ مختصراً، مصطفےٰ البابی، مصر، ص: ۶۵۔

الاستاذ المحقق البارع شیخ الدیار المصریۃ ولد بالقاهرۃ سنۃ اربع واربعین وستمأۃ وتصدر للاقراء بالجامع الازهر وتکاثر علیہ الناس لاجل الفوائد والتحقیق وبلغنی انہ عمل علی الشاطبیۃ شرحاً فلو کان ظهر لکان من اجود شروحها ولہ تعالیق مفیدۃ، قال الذهبی وکان ذا عزام بالشیخ عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع اخبارہ ومناقبہ فی ثلاث مجلدات، قلت وهذا الکتاب موجود بالقاهرۃ بوقف الخانقاہ الصلاحیۃ واخبرنی بہ واجازہ شیخنا الحافظ محی الدین عبدالقادر الحنفی وغیرہ توفی یوم السبت اوان الظهر و دفن یوم الاحد العشرین من ذی الحجۃ سنۃ ثلاث عشرۃ وسبعمائۃ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[18]

یعنی علی بن یوسف بن جریر بن فضل بن معضاد نور الدین ابوالحسن لخمی شطنوفی شافعی استاد محقق بارع یعنی ایسے جلیل فضائل والے کہ انھیں دیکھ کر آدمی حیرت میں رہ جائے۔ تمام بلادِ مصریہ کے شیخ ۶۴۴ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں مسند درس پر جلوس فرمایا اور اُن کے فوائد و تحقیق کے باعث لوگوں کا اُن پر ہجوم ہوا اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ شاطبیہ مبارکہ پر اُن کی شرح ہے اگر یہ شرح ملتی تو اس کی سب شرحوں سے بہترین شروح میں ہوتی۔ ان کے حواشی فائدہ بخش ہیں۔ ذہبی نے کہا اُن کو سرکار غوثیت سے عشق تھا۔ حضور کے حالات و کمالات تین مجلد میں جمع کیے ہیں۔ میں شمس جزری کہتا ہوں کہ یہ کتاب قاہرہ میں خانقاہ حضرت صلاح الدین انار اللہ بُرہانہ کے وقف میں موجود ہے۔ ہمارے استاذ حافظ الحدیث محی الدین عبدالقادر حنفی وغیرہ استاذوں نے ہمیں اس کتاب کی روایات کی خبر و مضامین کی اجازت دی۔ حضرت مصنفِ کتاب ممدوح کا روزِ شنبہ وقتِ ظہر وصال ہوا اور روز یکشنبہ بستم ذی الحجہ ۷۱۳ھ کو دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

امام عمر بن عبدالوہاب عرضی حلبی نے اپنے نسخہ میں کتاب مبارک بهجۃ الاسرار شریف پر لکھا:

قد تتبعتها فلم اجد فیها نقلا الاوله فیہ متابعون وغالب ما اوردہ فیها نقلہ الیافعی فی اسنی المفاخر وفی نشر المحاسن وروض[۱] الریاحین وشمس الدین الزکی الحلبی ایضا فی کتاب الاشراف واعظم شئ نقل عنہ انہ احیی الموتی کاحیائہ الدجاجۃ ولعمری ان هذہ القصہ نقلها تاج الدین السبکی ونقل ایضا عن ابن الرفاعی وغیرہ وانّی لغبی جاهل حاسد ضیع عمرہ فی فهم ما فی السطور وقنع بذٰلک عن تزکیۃ النفس واقبالها علی اللہ سبحانہ وتعالیٰ وان یفهم ما یعطی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اولیاءہ من التصریف فی الدنیا والاٰخرۃ ولهذا قال الجنید التصدیق

18۔ نہایۃ الدرایات فی اسماء رجال القراءات۔

۱؎۔ یرید تکملۃ ۱۲ منہ غفرلہ۔

بطریقتنا ولایۃ۔[19]

یعنی بے شک میں نے اس کتاب بہجۃ الاسرار شریف کو اوّل تا آخر جانچا تو اس میں کوئی روایت ایسی نہ پائی جسے اور متعدد اصحاب نے روایت نہ کیا ہو اور اس کی اکثر روایتیں امام یافعی نے اسنی المفاخر و نشر المحاسن و روض الریاحین میں نقل کیں۔یوں ہی شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں اور سب سے بڑی چیز جو بہجہ شریفہ میں نقل کی حضور کا مُردے جلانا ہے جیسے وہ مرغ زندہ فرمادیا، اور مجھے اپنی جان کی قسم یہ روایت امام تاج الدین سبکی نے بھی نقل کی، اور یہ کرامت ابن الرفاعی وغیرہ اولیاء سے بھی منقول ہوئی، اور کہاں یہ منصب کسی غبی جاہل حاسد کو جس نے اپنی عمر تحریر سطور کے سمجھنے میں کھوئی اور تزکیہ نفس و توجہ الی اللہ چھوڑ کر اسی پر بس کی کہ اُسے سمجھ سکے جو کچھ تصرفوں کی قدرت اللہ عزّوجل اپنے محبوبوں کو دُنیا و آخرت میں عطا فرماتا ہے، اسی لیے سیدنا جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہمارے طریقے کا سچ ماننا بھی ولایت ہے۔

اقول بحمد اللہ تعالیٰ یہ تصدیق ہے امام مصنف قدس سرہ کے اُس ارشاد کی کہ خطبہ بہجہ کریمہ میں فرمایا کہ:

لخصتہ کتابا مفردا مرفوع الاسانید معتمدا فیہا علی الصحۃ دون الشذوذ۔[20]

یعنی میں نے اُسے کتاب یکتا کر کے مہذب و منقح فرمایا اور اس کی سندیں منتہیٰ تک پہنچائیں جن میں خاص اس صحت پر اعتماد کیا کہ شذوذ سے منزّہ ہو، یعنی خالص صحیح و مشہور روایات لیں جن میں نہ ضعیف ہے نہ غریب و شاذ۔ والحمد للہ رب العالمین۔

امام خاتم الحفّاظ جلال الملّۃ والدّین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد نور الدین ابو الحسن شیخ القراء بالدیار المصریۃ ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع اربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء بالجامع الازھر وتکاثر علیہ الطلبۃ مات فی ذی الحجہ سنۃ ثلاث عشر وسبعمائۃ۔[21]

علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا نور الدین ابو الحسن دیارِ مصر میں شیخ القراء قاہرہ میں ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے، اور جامع ازہر میں مسندِ تدریس پر جلوس فرمایا طلبہ کا اُن پر ہجوم ہوا، ذی الحجہ ۷۱۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ محقق مولانا عبد الحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ زبدۃ الآثار میں فرماتے ہیں:

بھجۃ الاسرار من تصنیف الشیخ الامام الاجل الفقیہ العالم المقری الاوحد البارع نور

---

19 ۔ حاشیۃ امام عمر بن عبد الوہاب علی بہجۃ الاسرار۔

20 ۔ بہجۃ الاسرار خطبۃ الکتاب مصطفے البابی مصر ص ۲۔

21 ۔ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرۃ۔

الدین ابی الحسن علی بن یوسف الشافعی اللخمی وبینه وبین الشیخ واسطتان۔[22]

بھجۃ الاسرار تصنیف شیخ امام اجل فقیہ عالم مقری یکتا بارع نور الدّین ابو الحسن علی بن یوسف شافعی لخمی اُن اور حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں دو واسطے ہیں۔

نیز اپنے رسالہ صلاۃ الاسرار میں فرماتے ہیں:

کتاب عزیز بہجۃ الاسرار و معدن الانوار معتبر و مقرر و مشہور و مذکور ست و مصنف آں کتاب از مشاہیر مشائخ و علمائست، میان وے و حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو واسطہ است و مقدم است بر امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ ایشاں نیز از سنسبان سلسلہ و محبان جناب غوث الاعظم اند۔[23]

کتاب عزیز "بھجۃ الاسرار و معدن الانوار" قابل اعتبار، پختہ اور مشہور و معروف ہے۔ اس کتاب کے مصنف علیہ الرحمہ مشہور علماء و مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کے اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان دو واسطے ہیں، آپ امام عبداللہ یافعی علیہ الرحمہ پر مقدم ہیں۔ ایام یافعی علیہ الرحمہ بھی سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلہ عالیہ سے نسبت رکھنے والوں اور آپ سے محبت رکھنے والوں میں سے ہیں (ت)

اُسی میں ہے:

ایں فقیر در مکّہ معظمہ بود در خدمت شیخ اجل اکرم اعدل شیخ عبدالوہاب متقی کہ مرید امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہما بودند فرمودند بہجۃ الاسرار کتاب معتبر ست، ما نزدیک ایں زمان مقابلہ کردہ ایم و عادت شریف چناں بود کہ اگر کتابے مفید و نافع باشد مقابلہ می کردند و تصحیح می نمودند دریں وقت کہ فقیر رسید بمقابلۂ بہجۃ الاسرار مشغول بودند۔[24]

یہ فقیر مکہ مکرمہ میں انتہائی جلالت، کرم اور عدل کے مالک شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت اقدس میں حاضر تھا جو امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہٗ کے مرید ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بھجۃ الاسرار" ہمارے نزدیک معتبر کتاب ہے جس کا ہم نے حال ہی میں مقابلہ کیا ہے۔ آپ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ اگر کوئی کتاب فائدہ مند اور نفع بخش ہوتی تو اس کا مقابلہ کرتے اور تصحیح فرماتے تھے، جس وقت یہ فقیر وہاں پہنچا تو آپ بہجۃ الاسرار کے مقابلہ میں مصروف تھے۔ (ت)

الحمدللہ ان عباراتِ ائمہ و اکابر سے واضح ہوا کہ امام ابو الحسن علی نور الدین مصنف کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار امام اجل امام یکتا محقق بارع فقیہ شیخ القراء منجملہ مشاہیر مشائخ و علما ہیں، اور یہ کتاب مستطاب معتبر و معتمد کہ اکابر ائمہ نے اس سے استناد

22۔ زبدۃ الآثار، مقدمۃ الکتاب، بکسنگ کمپنی، واقع جزیرہ، ص ۵۔

23۔ رسالہ صلوٰۃ الاسرار۔

24۔ رسالہ صلوٰۃ الاسرار۔

کیا اور کتبِ حدیث کی طرح اس کی اجازتیں دیں۔ کتب مناقب سرکارِ غوثیت میں باعتبارِ علوّ اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کُتبِ حدیث میں موطائے امام مالک کا، اور کتبِ مناقبِ اولیاء میں باعتبارِ صحتِ اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتبِ حدیث میں صحیح بخاری کا، بلکہ صحاح میں بعض شاذ بھی ہوتی ہیں اور اس میں کوئی حدیث شاذ بھی نہیں، امام بخاری نے صرف صحت کا التزام کیا اور ان امام جلیل نے صحت وعدم شذوذ دونوں کا، اور بشہادت علامہ عمر جلبی وہ التزام تام ہوا کہ اس کی ہر حدیث کے لیے متعدد متابع موجود ہیں والحمدللہ رب العالمین ایسے امام اجل اوحد نے ایسی کتاب جلیل معتمد میں جو احادیث صحیحہ اس باب میں روایت فرمائی ہیں یہاں عدد مبارک قادریت سے تبرک کے لیے ان سے گیارہ حدیثیں ذکر کرکے باذنہٖ تعالیٰ برکاتِ دارین لیں وباللہ التوفیق۔

حدیث اوّل: قال رضی اللہ تعالٰی عنہ اخبرنا ابو محمد سالم بن علی الدمیاطی قال اخبرنا الاشیاخ الصلحاء قداۃ العراق الشیخ ابو طاھر بن احمد الصرصری والشیخ ابو الحسن الخفاف البغدادی والشیخ ابو حفص عمر البریدی والشیخ ابو القاسم عمر الدردانی والشیخ ابو الولید زید بن سعید والشیخ ابو عمر و عثمان بن سلیمان قالوا اخبرنا (الشیخان) ابو الفرج عبدالرحیم وابو الحسن علی ابنا اخت الشیخ القدوۃ احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ، قالا کنّا عند شیخنا الشیخ احمد بن الرفاعی بزاویتہ بام عبیدۃ فمد عنقہ وقال علیٰ رقبتی، فسألناہ عن ذٰلک فقال قد قال الشیخ عبدالقادر الآن ببغداد قدمی ھذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ۔[25]

مصنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم سے ابو محمد سالم بن علی دمیاطی نے حدیث بیان کی، کہا ہم کو چھ مشائخ کرام پیشوایانِ عراق حضرت ابو طاہر صرصری وابوالحسن خفاف وابو حفص بریدی وابو القاسم عمر وابوالولید زید وابو عمرو عثمان بن سلیمان نے خبر دی ان سب نے فرمایا کہ ہم کو حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں بھانجوں حضرت ابو الفرج عبدالرحیم وابوالحسن علی نے خبر دی کہ ہم اپنے شیخ حضرت رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اُن کی خانقاہ مبارک میں کہ ام عبیدہ میں ہے حاضر تھے حضرت رفاعی نے اپنی گردن مبارک بڑھائی اور فرمایا: علی رقبتی میری گردن پر۔ ہم نے اس کا سبب پوچھا، فرمایا: اسی وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں تمام اولیاء اللہ کی گردن پر۔

حدیث دوم: (قال قدس سرہ) اخبرنا الشریف الجلیل ابو عبداللہ محمد بن الخضر بن عبداللہ بن یحییٰ بن محمد الحسینی الموصلی قال: اخبرنا ابو الفرج عبدالمحسن ویسمّٰی حسنا بن محمد بن احمد بن الدویرۃ المقری الحنبلی البصری قال: قال الشیخ ابوبکر عتیق بن ابی

---

25 ۔ بہجۃ الاسرار ذکر من حنا رأسہ من المشائخ عندما قال ذلک الشیخ الخ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۳۔

الفضل محمد بن عثمان بن ابی الفضل البندلجی الاصل البغدادی المولد والدار والازجی المعروف بمعتوق زرت الشیخ سیدی احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنه بام عبیدۃ فسمعت اکابر اصحابه وقدماء مریدیه یقولون: کان الشیخ یوماً جالساً فی هذا الموضع، فحنا رأسه وقال: علی رقبتی، فسألوه عن ذٰلك فقال: قد قال الشیخ عبدالقادر الاٰن ببغداد: قدمی هذه علی رقبة کل ولی اللہ فارخنا ذٰلك الوقت فکان کما قال فی ذٰلك الوقت بعینه۔[26]

مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے شریف جلیل ابو عبداللہ محمد بن خضر بن عبداللہ بن یحییٰ بن محمد حسینی موصلی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ ابو الفرج عبدالمحسن حسن بن محمد بن احمد بن دویرہ مقری حنبلی نے خبر دی کہ شیخ ابو بکر عتیق بن ابوالفضل محمد بن عثمان بن ابوالفضل بندلجی الاصل بغدادی المولد ازجی المعروف بہ معتوق نے کہا کہ میں نے شیخ احمد بن ابو الحسن رفاعی رضی اللہ عنہ کی ام عبیدہ میں زیارت کی تو میں نے آپ کے اکابر اصحاب اور قدیم مریدوں کو کہتے ہوئے سنا کہ آج شیخ اس جگہ (برآمدے کی طرف انھوں نے اشارہ کیا) تشریف فرما تھے کہ اپنا سر جُھکا دیا اور فرمایا کہ میری گردن پر۔ جب آپ سے لوگوں نے اس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ابھی ابھی بغداد میں شیخ سیّد عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ ہم نے اس تاریخ کو محفوظ رکھا تو جیسا آپ نے کہا بعینہٖ وہ اسی وقت میں رونما ہوا تھا۔ (ت)

حدیث سوم: اخبرنا الشیخ الصالح ابو حفص عمر بن ابی المعالی نصر بن محمد بن احمد القرشی الهاشمی الطفسونجی المولد والدار الشافعی قال: اخبرنا الشیخ الاصل الصالح ابو عبداللہ محمد بن ابی الشیخ الصالح ابی حفص عمر بن الشیخ القدوۃ ابی محمد عبد الرحمٰن الطفسونجی قال: اخبرنا ابو عمر قال: حنا ابی یوماً عنقه بین اصحابه بطفسونج وقال: علی رأسی، فسألناہ فقال: قد قال الشیخ عبدالقادر الاٰن ببغداد: قدمی هذه علی رقبة کل ولی اللہ، فأرخناہ عندنا، ثم جاء الخبر من بغداد انه قال ذٰلك فی الیوم الذی أرخناہ۔[27]

ہمیں شیخ صالح ابو حفص عمر بن ابو المعالی نصر بن محمد بن احمد قرشی ہاشمی طفسونجی شافعی نے خبر دی کہ ہم سے شیخ اصیل صالح ابو عبداللہ محمد بن ابوالشیخ صالح ابو حفص عمر بن شیخ القدوہ ابو محمد عبدالرحمن طفسونجی نے حدیث بیان کی کہ ہم سے ابو عمر نے حدیث بیان کی کہ ایک دن طفسونج میں میرے والد نے اپنے مریدوں کے درمیان گردن جھکائی اور کہا کہ میرے سر

---

26 ۔ بهجة الاسرار، ذکر من حنا رأسه من المشائخ عند ما قال ذلك الشیخ الخ، مصطفیٰ البابی مصر، ص ۱۳۔

27 ۔ بهجة الاسرار، ذکر من حنا رأسه من المشائخ عند ما قال ذالك الشیخ الخ، مصطفیٰ البابی مصر، ص ۱۳۔

پر۔ ہمارے پوچھنے پر فرمایا کہ ابھی شیخ سید عبد القادر علیہ الرحمۃ نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ ہم نے اپنے پاس تاریخ نوٹ کرلی پھر بغداد سے خبر موصول ہوئی کہ شیخ عبد القادر علیہ الرحمۃ نے بالکل اسی دن یہ اعلان فرمایا تھا جو تاریخ ہم نے نوٹ کر رکھی تھی۔ (ت)

حدیث چہارم: اخبرنا الفقیہ ابو علی اسحق بن علی بن عبداللہ بن عبدالدائم بن صالح الھمدانی الصوفی الشافعی المحدث قال: اخبرنا الشیخ الجلیل الاصل ابو محمد عبداللطیف ابن الشیخ ابی النجیب عبدالقاھر بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ السھروردی ثم البغدادی الفقیہ الشافعی الصوفی قال: حضر ابی ابو النجیب ببغداد بمجلس الشیخ عبدالقادر رضی اللہ عنھما، فقال الشیخ عبدالقادر قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ، فطأ فطأ ابی رأسہ حتی کادت تبلغ الارض، وقال علیٰ رأسی علیٰ رأسی یقولھا ثلاثا۔[28]

ہم سے فقیہ ابو علی اسحاق بن علی بن عبد اللہ بن عبد الدائم بن صالح ہمدانی صوفی شافعی محدّث نے حدیث بیان کی کہ ہم سے شیخ جلیل الاصل ابو محمد عبد اللطیف بن شیخ ابو نجیب عبد القاہر بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ سہروردی ثم بغدادی فقیہ شافعی صوفی نے حدیث بیان کی کہ میرے والد ماجد ابو النجیب بغداد میں شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں حاضر تھے شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مجلس میں فرمایا: میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ تو میرے والد نے اس حد تک سر جھکایا کہ وہ زمین کے قریب جا پہنچا اور تین بار کہا: میرے سر پر، میرے سر پر، میرے سر پر[1]۔ (ت)

حدیث پنجم: اخبرنا الفقیہ الجلیل ابو غالب رزق اللہ ابن ابی عبداللہ محمد بن یوسف الرقی قال اخبرنا الشیخ الصالح ابو اسحٰق ابراھیم الرقی قال اخبرنا منصور قال اخبرنا القدوۃ الشیخ ابو عبداللہ محمد بن ماجد الرقی ح واخبرنا عالیا ابو الفتوح نصر اللہ بن یوسف بن خلیل البغدادی المحدث قال اخبرنا الشیخ ابو العباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزۃ الازجی قال

28۔ بھجۃ الاسرار، ذکر من حنا رأسہ من المشائخ عنہ ما قال ذالک الشیخ الخ، مصطفیٰ البابی مصر، ص ۱۳ و ۱۴۔

۱← ۔ نوٹ: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی کہ یہاں ہم بہجۃ الاسرار سے گیارہ حدیثیں ذکر کریں گے مگر حدیث دوم، سوم اور چہارم تین حدیثیں اصل (فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ۱۲) میں موجود نہیں ہیں بلکہ ان کی جگہ بیاض چھوڑا ہوا ہے۔ حدیث دوم کی سند کا ابتدائی حصہ اصل میں مذکور ہونے کی وجہ سے اس کی نشان دہی ہوگئی مگر حدیث سوم و چہارم کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کون سی تھیں، تاہم احادیث مذکورہ کے مضمون کو دیکھتے ہوئے حدیث دوم کے متصل بعد والی دو حدیثیں ہم نے بھجۃ الاسرار سے نقل کر دی ہیں جن کا مضمون کافی حد تک احادیثِ مذکورہ سے یگانگت رکھتا ہے۔ اس طرح گیارہ احادیث پوری ہوگئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔ (مترجم)

اخبرنا الشیخان ابو المظفر منصور بن المبارك والامام ابو محمد عبد الله بن ابی الحسن الاصبهانی قالوا سمعنا السیّد الشریف الشیخ القدوة ابا سعید القیلوی رضی الله تعالیٰ عنه یقول لما قال الشیخ عبدالقادر قدمی هذہٖ علیٰ رقبة کل ولی الله تجلی الحق عزّوجل علیٰ قلبه وجاءته خلعة من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علیٰ ید طائفة من الملئکة المقربین والبسها بمحضر من جمیع الاولیاء من تقدم منهم وما تاخر الاحیاء باجسادهم والاموات بارواحهم وکانت الملئکة ورجال الغیب حافین بمجلسهٖ واقفین فی الهوأصفوفاحتی استدالافق بهم ولم یبق ولی فی الارض الاحنا عنقه۔[29]

یعنی مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے فقیہ جلیل القدر رزق اللہ بن ابو عبداللہ محمد بن یوسف رقّی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ صالح ابو اسحٰق ابراہیم رقّی نے خبر دی کہ ہم کو منصور نے خبر دی کہ ہم کو شیخ امام ابو عبداللہ محمد بن ماجد رقی نے خبر دی۔ نیز ہمیں سند عالی سے ابو الفتح نصر اللہ بن یوسف بن خلیل بغدادی محدّث نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابو العباس احمد بن اسماعیل بن حمزہ ازجی نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابو المظفر منصور بن مبارک و امام ابو محمد عبداللہ بن ابی الحسن اصبہانی نے خبر دی ان سب حضرات نے فرمایا کہ ہم نے سید شریف شیخ امام ابو سعید قیلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ جب حضرت شیخ عبد القادر نے فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ اُس وقت اللہ عزوجل نے اُن کے قلبِ مبارک پر تجلّی فرمائی اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک گروہِ ملائکہ مقربین کے ہاتھ اُن کے لیے خلعت بھیجی اور تمام اولیائے اوّلین و آخرین کا مجمع ہوا، جو زندہ تھے وہ بدن کے ساتھ حاضر ہوئے اور جو انتقال فرما گئے تھے اُن کی ارواحِ طیبہ آئیں، ان سب کے سامنے وہ خلعت حضرت غوثیت کو پہنایا گیا، ملائکہ اور رجال الغیب کا اُس وقت ہجوم تھا ہوا میں پرے باندھے کھڑے تھے، تمام اُفق اُن سے بھر گیا اور روئے زمین پر کوئی ولی ایسا نہ تھا جس نے گردن نہ جھکادی ہو۔ (ت) والحمدللہ رب العالمین۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا	اُونچے اُونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا	اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا[30]
تاجِ فرقِ عُرفا کس کے قدم کو کہیے	سر جسے باج دیں وہ پاؤں ہے کس کا تیرا
گردنیں جھک گئیں سر بچھ گئے دل ٹوٹ گئے	کشفِ ساق آج کہاں یہ تو قدم تھا تیرا[31]

29 ۔ بہجۃ الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن ہیئۃ الحال عین قال ذٰلک مصطفےٰ البابی مصر ص ۹۵۸۔

30 ۔ حدائق بخشش وصل دوم در منقبت آقائے اکرم غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۴۔

31 ۔ حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۸۔

حدیث ششم: (قال اعلی اللہ تعالٰی مقاماته) اخبرنا ابو محمد الحسن بن احمد بن محمد وخلف بن احمد بن محمد الحریمی قال اخبرنا جدی محمد بن دنف قال اخبرنا الشیخ ابو القاسم بن ابی بکر بن احمد قال سمعت الشیخ خلیفة رضی اللہ تعالٰی عنه وکان کثیرا الرؤیا لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقلت له یا رسول اللہ لقد قال الشیخ عبدالقادر قدمی هٰذه علی رقبة کل ولی اللہ، فقال صدق الشیخ عبدالقادر وکیف لا وهو القطب وانا ارعاه۔[32]

مصنف نے کہا(اللہ تعالٰی اس کے مرتبے بلند فرمائے) کہ ہم کو ابو محمد حسن بن احمد بن محمد اور خلف بن احمد بن محمد حریمی نے خبر دی کہ ہم کو میرے جد محمد بن دنف نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابو القاسم بن ابی بکر احمد نے خبر دی کہ میں نے شیخ خلیفہ اکبر ملکی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا اور وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیدار مبارک سے بکثرت مشرف ہوا کرتے تھے فرمایا خدا کی قسم بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا عرض کی یارسول اللہ! شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ میرا پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ''عبدالقادر نے سچ کہا اور کیوں نہ ہو کہ وہی قطب ہیں اور میں اُن کا نگہبان۔''

کلبِ بابِ عالی عرض کرتا ہے الحمدللہ! اللہ نے ہمارے آقا کو اس کہنے کا حکم دیا، کہتے وقت ان کے قلبِ مبارک پر تجلّی فرمائی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خلعت بھیجا، تمام اولیاء اوّلین و آخرین جمع کیے گئے، سب کے مواجہ میں پہنایا گیا۔ ملائکہ کا جمگھٹ ہوا، رجال الغیب نے سلامی دی۔ تمام جہان کے اولیاء نے گردنیں جھکادیں۔ اب جو چاہے راضی ہو، جو چاہے ناراض۔ جو راضی ہو اس کے لیے رضا جو ناراض ہو اس کے لیے ناراضی۔ جس کا جی چلے اس سے کہو موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور[33] ۝ *مر جاؤ اپنی جلن میں بے شک اللہ دلوں کی جانتا ہے۔* وللہ الحجة البالغه۔

حدیث ہفتم: (قال بیض اللہ تعالٰی وجهه) اخبرنا الحسن بن نجیم الحورانی قال اخبرنا الشیخ العارف علی بن ادریس الیعقوبی قال سمعت الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنه یقول الانس لهم مشائخ والملئکة لهم مشائخ وانا شیخ الکل، قال وسمعته فی مرض موته یقول لِاَولادهٖ بینی وبینکم وبین الخلق کلهم بعد مابین السماء والارض لا تقیسونی باحد ولا تقیسوا

---

32 ۔ بہجۃالاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن ہیئۃ الحال حین قال ذٰلک مصطفٰے البابی مصر ص ۱۰۔

33 ۔ القرآن الکریم ۳/ ۱۱۹۔

علیٰٓ اَحَدًا۔[34]

مصنّف نے کہا (اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو روشن کرے) کہ ہم سے حسن بن نجیم حورانی نے حدیث بیان کی، کہا ہم کو ولیِ جلیل حضرت علی بن ادریس یعقوبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی، کہا میں نے حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا کہ فرماتے تھے: آدمیوں کے لیے پیر ہیں، قوم جن کے لیے پیر ہیں، فرشتوں کے لیے پیر ہیں، اور میں سب کا پیر ہوں۔ اور میں نے حضور کو اس مرض مبارک میں جس میں وصالِ اقدس ہوا سنا کہ اپنے شاہزادگان کرام سے فرماتے تھے: مجھ میں اور تم میں اور تمام مخلوقاتِ زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان و زمین میں۔ مجھ سے کسی کو نسبت نہ دو اور مجھے کسی پر قیاس نہ کرو۔

صدقت یا سیدنا وانت واللہ الصادق المصدوق۔

اے ہمارے آقا! آپ نے سچ کہا، خدا کی قسم! آپ صادق مصدوق ہیں (ت)

حدیث ہشتم: (قال طیب اللہ تعالیٰ ثراہ) اخبرنا ابو المعالی صالح بن احمد المالکی قال اخبرنا الشیخ ابو الحسن البغدادی المعروف بالخفاف والشیخ ابو محمد عبداللطیف البغدادی المعروف بالمطرز قال ابو الحسن اخبرنا شیخنا الشیخ ابو السعود احمد بن ابی بکر الحریمی سنۃ ثمانین وخمسمائۃ وقال ابو محمد اخبرنا شیخنا عبدالغنی بن نقطۃ قال اخبرنا شیخنا ابو عمرو عثمان الصریفینی قالا واللہ ما اظہر اللہ تعالیٰ ولا یظہر الی الوجود مثل الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[35]

مصنف (اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو خوشبودار بنائے) نے کہا کہ ہم کو ابو المعالی صالح بن احمد مالکی نے خبر دی کہ ہم کو دو مشائخ کرام نے خبر دی، ایک شیخ ابو الحسن بغدادی معروف بہ خفاف، دوسرے شیخ ابو محمد عبد اللطیف بغدادی معروف بہ مطرز۔ اول نے کہا ہمارے پیر و مرشد حضرت شیخ ابو السعود احمد بن ابی بکر حریمی قدس سرہٗ نے ہمارے سامنے ۵۸۰ھ میں فرمایا، اور دوم نے کہا ہم کو ہمارے مرشد حضرت عبد الغنی بن نقطہ نے خبر دی کہ اُن کے سامنے ان کے مرشد حضرت شیخ ابو عمرو عثمان صریفینی قدس سرہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ عزوجل نے اولیاء میں حضرت شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مثل نہ پیدا کیا نہ کبھی پیدا کرے۔

بقسم کہتے ہیں شاہانِ صریفین و حریم
کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا[36]

34۔ بھجۃ الاسرار ذکر کلمات اخبر بھا عن نفسہ الخ مصطفےٰ البابی مصر ص ۲۲ و ۲۳۔

35۔ بھجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعاً بشیٔ من عجائب احوالہ مختصراً مصطفےٰ البابی مصر، ص ۲۵۔

36۔ حدائقِ بخشش، فصل سوم، در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ عنہ، مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی، ص ۶۔

حدیث نهم: (قال رفع الله تعالیٰ کتابہ فی علیین) اخبرنا لشیخ ابو المحاسن یوسف بن احمد البصری قال سمعت الشیخ العالم ابا طالب عبدالرحمٰن بن محمد الهاشمی الواسطی قال سمعت الشیخ القدوۃ جمال الدین ابا محمد بن عبدالبصری بها یقول وقد سئل عن الخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام أحی هو ام میت قال اجتمعت بابی العباس الخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام وقلت اخبرنی عن حال الشیخ عبدالقادر قال هو فرد الاحباب وقطب الاولیاء فی هذا الوقت وما والله تعالیٰ ولیا الیٰ مقام الاوکان الشیخ عبدالقادر اعلاه ولا سقی الله جبیباً کأسا من حبه الاوکان للشیخ عبدالقادر اهناه، ولا وهب الله لمقرب حالا الاوکان الشیخ عبدالقادر اجله وقد اودعه الله تعالیٰ سرا من اسراره سبق به جمهور الاولیاء وما اتخذ الله ولیا کان او یکون الاوهو متأدب معه الیٰ یوم القیٰمة۔[37]

مصنف (اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال کو علیین میں بلند کرے) نے کہا کہ ہم کو شیخ ابو المحاسن یوسف بن احمد بصری نے خبر دی کہ میں نے شیخ ابو طالب عبد الرحمٰن بن محمد ہاشمی واسطی سے سنا کہتے تھے میں نے شیخ امام جمال الملۃ والدّین حضرت ابو محمد بن عبد بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بصرہ میں سنا، اُن سے سوال ہوا تھا کہ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں یا انتقال ہوا؟ فرمایا: میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا اور عرض کی: مجھے حضرت شیخ عبد القادر کے حال سے خبر دیجیے۔ حضرت خضر نے فرمایا: وہ آج تمام محبوبوں میں یکتا اور تمام اولیاء کے قطب ہیں اللہ تعالیٰ نے کسی ولی کو کسی مقام تک نہ پہنچایا جس سے اعلیٰ مقام شیخ عبد القادر کو نہ دیا ہو نہ کسی حبیب کو اپنا جام محبت پلایا جس سے خوشگوار تر شیخ عبد القادر نے نہ پیا ہو، نہ کسی مقرب کو کوئی حال بخشا کہ شیخ عبد القادر اس سے بزرگ تر نہ ہوں۔ اللہ نے ان میں اپنا وہ راز ودیعت رکھا ہے جس سے وہ جمہور اولیاء پر سبقت لے گئے، اللہ نے جتنوں کو ولایت دی اور جتنوں کو قیامت تک دے سب شیخ عبد القادر کے حضور ادب کیے ہوئے ہیں۔

جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا[38]

حدیث دهم: قال رفع الله تعالیٰ درجاته فی الفردوس اخبرنا الشریف ابو عبدالله محمد بن الخضر الحسینی الموصلی، قال سمعت ابی یقول کنت یوما جالسا بین یدی سیدی الشیخ محی

---

37 ۔ بہجۃ الاسرار ذکر الشیخ ابو محمد القاسم بن عبد البصری مصطفےٰ البابی مصر ص ۱۷۳۔

38 ۔ حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۶۔

الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فخطر فی قلبی زیارۃ الشیخ احمد رفاعی رضی اللہ عنہ فقال لی الشیخ احمد؟ قلت نعم فاطرق یسیراً، ثم قال لی یا خضر ھا الشیخ احمد فاذا انا بجانبہ فرأیت شیخاً مھابا فقمت الیہ وسلمت علیہ، فقال لی یا خضر و من یری مثل الشیخ عبدالقادر سید الاولیاء یتمنی رؤیۃ مثلی وھل انا الامن رعیتہ ثم غاب وبعد وفاۃ الشیخ انحدرت من بغداد الی ام عبیدۃ لا زورہ، فلما قدمت علیہ اذا ھو الشیخ الذی رأیتہ فی جانب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ذٰلک الوقت لم تجدد رؤیتہ عندی زیادۃ معرفۃ بہ فقال لی یا خضر الم تکف الاولیٰ۔[39]

مصنف نے کہا (اللہ تعالیٰ جنت فردوس میں اس کے درجے بلند فرمائے) کہ ہم کو سید حسینی ابو عبداللہ محمد بن خضر موصلی نے خبر دی کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سنا کہ ایک روز میں حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور حاضر تھا میرے دل میں خطرہ آیا کہ شیخ احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کروں، حضور نے فرمایا: کیا شیخ احمد کو دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں۔ حضور نے تھوڑی دیر سر مبارک جھکایا پھر مجھ سے فرمایا: اے خضر! لو یہ ہیں شیخ احمد۔ اب جو میں دیکھوں تو اپنے آپ کو حضرت احمد رفاعی کے پہلو میں پایا اور میں نے اُن کو دیکھا کہ رعب دار شخص ہیں میں کھڑا ہوا اور اُنھیں سلام کیا۔ اس پر حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا: اے خضر! وہ جو شیخ عبدالقادر کو دیکھے جو تمام اولیاء کے سردار ہیں وہ میرے دیکھنے کی تمنا میں تو انھیں کی رعیت میں سے ہوں۔ یہ فرما کر میری نظر سے غائب ہوگئے۔ پھر حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال اقدس کے بعد بغداد شریف سے حضرت سیدی احمد رفاعی کی زیارت کو ام عبیدہ گیا اُنھیں دیکھا تو وہی شیخ تھے جن کو میں نے اُس دن حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دیکھا تھا۔ اس وقت کے دیکھنے نے کوئی اور زیادہ ان کی شناخت مجھے نہ دی۔ حضرت رفاعی نے فرمایا: اے خضر! کیا پہلی تمھیں کافی نہ تھی!

حدیث یازدھم: (قال جمعنا اللہ تعالیٰ وایّاہ یوم الحشر تحت لواء الحضرۃ الغوثیۃ)

اخبرنا ابو القاسم محمد بن عُبادۃ الانصاری الحلبی قال سمعت الشیخ العارف ابا اسحق ابراھیم بن محمود البعلبکی المقری قال سمعت شیخنا الامام ابا عبداللہ محمد البطائحی، قال انحدرت فی حیاۃ سیدی الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الیٰ ام عبیدۃ، واقمت برواق الشیخ احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایّاماً فقال لی الشیخ احمد یوماً اذکرلی شیئا من مناقب الشیخ

39۔ بھجۃ الاسرار، ذکر احمد بن ابی الحسن الرفاعی، مصطفیٰ البابی، مصر، ص ۲۳۷، ۲۳۸۔

عبدالقادر وصفاته فذكرت له شيئا منها، فجاء رجل فی اثناء حديثی فقال لی مه لا تذكر عندنا مناقب غير مناقب هذا، او اشار الى الشيخ احمد فنظر اليه الشيخ احمد مغضبا، فرفع الرجل من بين يديه ميتاً، ثم قال ومن يستطع وصف مناقب الشيخ عبدالقادر ومن يبلغ مبلغ الشيخ عبدالقادر ذٰلك رجل بحر الشرعة عن يمينه، وبحر الحقيقة عن يساره، من ايهما شاء اغترف الشيخ عبدالقادر لا ثانی له فی عصرنا هٰذا، قال وسمعته يوما يوصی اولاد اخته واكابر اصحابه، وقد جاء رجل يودعه مسافراً الى بغداد قال له اذا دخلت الىٰ بغداد فلا تقدم علىٰ زيارة الشيخ عبدالقادر شيئًا ان كان حيّا ولا على زيارة قبره ان كان ميتا، فقد اخذله العهد ايما رجل من اصحاب الاحوال دخل بغداد ولم يزره سلب حاله ولو قبيل الموت، ثم قال والشيخ محی الدين عبدالقادر حسرة علی من لم يره[40] رضی الله تعالیٰ عنه۔

مصنف نے کہا (اللہ تعالیٰ ہمیں اور اسے یوم محشر کو غوثِ اعظم کے جھنڈے کے نیچے جمع فرمائے) کہ ہم کو ابو القاسم محمد بن عُبادہ انصاری حلبی نے خبر دی کہ میں نے شیخ عارف باللہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمود بعلبکی مقری کو فرماتے سنا، کہا میں نے اپنے مرشد امام ابو عبداللہ بطائحی کو سُنا کہ فرماتے تھے: میں حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ام عبیدہ گیا اور حضرت سیّدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خانقاہ میں چند روز مقیم رہا ایک روز حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا ہمیں حضرت شیخ عبد القادر کے کچھ مناقب و اوصاف سناؤ، میں نے کچھ مناقب شریفہ ان کے سامنے بیان کیے میرے اثنائے بیان میں ایک شخص آیا اور اُس نے مجھ سے کہا کیا ہے اور حضرت سیّد رفاعی کی طرف اشارہ کر کے کہا ہمارے سامنے اُن کے سوا کسی کے مناقب نہ ذکر کرو، یہ سُنتے ہی حضرت سیدنا رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس شخص کو ایک غضب کی نگاہ سے دیکھا کہ فوراً اس کا دم نکل گیا لوگ اس کی لاش اُٹھا کر لے گئے، پھر حضرت سیّد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا شیخ عبد القادر کے مناقب کون بیان کر سکتا ہے، شیخ عبد القادر کے مرتبہ کو کون پہنچ سکتا ہے، شریعت کا دریا اُن کے دہنے ہاتھ پر ہے اور حقیقت کا دریا اُن کے بائیں ہاتھ پر، جس میں سے چاہیں پانی پی لیں، ہمارے اس وقت میں شیخ عبد القادر کا کوئی ثانی نہیں۔ امام ابو عبداللہ فرماتے ہیں ایک دن میں نے حضرت رفاعی کو سنا کہ اپنے بھانجوں اور اکابر مریدین کو وصیّت فرماتے تھے ایک شخص بغداد مقدس کے ارادے سے اُن سے رخصت ہونے آیا تھا فرمایا جب بغداد پہنچو تو حضرت شیخ عبد القادر اگر دنیا میں تشریف فرما ہوں تو اُن کی زیارت اور پردہ فرما جائیں تو اُن کے مزار مبارک کی زیارت سے پہلے کوئی کام نہ کرنا کہ اللہ عزوجل

---

40 ۔ بهجة الاسرار ذكر الشيخ احمد ابی الحسن الرفاعی، مصطفےٰ البابی، مصر، ص ۲۳۸۔

نے اُن سے عہد فرمار کھا ہے کہ جو کوئی صاحبِ حال بغداد آئے اور اُن کی زیارت کو نہ حاضر ہو اُس کا حال سلب ہو جائے اگرچہ اُس کے مرتے وقت۔ پھر حضرت رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر حسرت ہیں اس پر جسے اُن کا دیدار نہ ملا۔

یہ کمینہ بندۂ بارگاہ عرض کرتا ہے: ؎

اے حسرت آنانکہ ندیدند جمالت
محروم مدار ایں سگ خود راز نوالت

(جنہوں نے آپ کا جمال نہ دیکھا ان پر حسرت ہے، اپنے اس کتے کو اپنی عطا سے محروم نہ رکھیں۔ت)

بحرمة جدّك الكريم عليه ثم عليك الصّلوٰة والتسليم (اپنے کریم نانا کے صدقے میں۔ان پر پھر آپ پر درود و سلام ہو۔ت)

مسلمان ان احادیثِ صحیحہ جلیلہ کو دیکھے اور اُس شخص کے مثل اپنا حال ہونے سے ڈرے جس کا خاتمہ حضرت غوثیت کی شان میں گستاخی اور حضرت سیّد رفاعی کے غضب پر ہوا، والعیاذ باللہ ربّ العالمین۔

اے شخص! ظاہر شریعت میں حضرت سرکار غوثیت کی محبت بایں معنیٰ رکنِ ایمان نہیں کہ جو اُن سے محبت نہ رکھے شرع اُسے فی الحال کافر کہے یہ تو صرف انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والثناء کے لیے ہے مگر واللہ کہ اُن کے مخالف سے اللہ عزّوجل نے لڑائی کا اعلان فرمایا ہے خصوص کا انکار نصوص کے انکار کی طرف لے جاتا ہے، عبدالقادر کا انکار قادرِ مطلق عزّجلالہٗ کے انکار کی طرف کیوں نہ لے جائے گا۔ ؎

بازِ اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی
دیکھ اُڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا
شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے
کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا[41]

والعياذ بالله القادر رب الشيخ عبدالقادر وصلى الله تعالىٰ وبارك وسلّم على جد الشيخ عبدالقادر ثم على الشيخ عبدالقادر اٰمين!

شیخ عبدالقادر کے قدرت والے معبود کی پناہ، شیخ عبدالقادر کے نانا جان پھر خود شیخ عبدالقادر پر اللہ تعالیٰ درود، برکت اور سلام نازل فرمائے، آمین!

41۔ حدائقِ بخشش وصل چہارم در منافت اعداء واستعانت از آقا رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۹۔

تذئیل: اخیر میں ہم دو۲ جلیل القدر اجلۃ المشاہیر علماء کبار مکّہ معظّمہ کے کلمات ذکر کریں جن کی وفات کو تین تین سو برس سے زائد ہوئے، اوّل امام اجل ابنِ حجر مکّی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، دوم علامہ علی قاری مکی حنفی صاحبِ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہا کتبِ جلیلہ۔ دو۲ غرض سے:

ایک یہ کہ اگر دو مطرودوں، مخذولوں، گمناموں، مجہولوں واسطی و قرمانی کی طرح کسی کے دل میں کتاب مستطاب بهجة الاسرار شریف سے آگ ہو تو ان سے لاگ کی تو کوئی وجہ نہیں یہ بالاتفاق اجلّہ اکابر علماء ہیں۔

دوسرے یہ کہ دونوں صاحب اکابر مکّہ معظّمہ سے ہیں، تو اُس افتراء کا جواب ہو گا جو مخالف نے اہلِ عرب پر کیا حالانکہ غالباً تاریخ الحرمین وغیرہ میں ہے، اور حاضری حرمین طیّبین سے مشرف ہونے والا جانتا ہے کہ اہلِ حرمین طیّبین بعد حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُٹھتے بیٹھتے حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرتے ہیں اور حضور کے برابر کسی کا نام نہیں لیتے۔ ان حضرات کی بھی گیارہ ہی عبارات نقل کریں:

۱۔ علامہ علی قاری حنفی مکّی متوفی ۱۰۱۴ھ کتاب نزہۃ الخاطر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبد القادر میں فرماتے ہیں:

لقد بلغنی عن بعض الاکابر ان الامام الحسن ابن سیدنا علی رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما لما ترك الخلافة لما فیها من الفتنة والآفة عوضه اللّٰه سبحٰنه وتعالیٰ القطبیة الکبریٰ فیه وفی نسله وکان رضی اللّٰه تعالیٰ عنه القطب الاکبر وسیدنا السید الشیخ عبدالقادر هو القطب الاوسط والمهدی خاتمة الاقطاب۔[42]

بے شک مجھے اکابر سے پہنچا کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بخیال فتنہ وبلایہ خلافت ترک فرمائی اللہ عزوجل نے اس کے بدلے اُن میں اور ان کی اولاد امجاد میں غوثیتِ عظمیٰ کا مرتبہ رکھا۔ پہلے قطب اکبر خود حضور سیدنا امام حسن ہوئے اور اوسط میں صرف حضور سیدنا سیّد عبدالقادر اور آخر میں حضرت امام مہدی ہوں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اس عبارت میں لفظ حصر ملحوظ رہے۔

۲۔ اُسی میں ہے:

من مشائخه حماد الدباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه روی ان یوما کان سیدنا عبدالقادر عنده فی رباطه ولما غاب من حضرته قال ان هٰذا الاعجمی الشریف قدماً یکون علیٰ رقاب اولیاء اللّٰه یصیر ما مورا من عند مولاه بان یقول قدمی هٰذه علیٰ رقبة کل ولی اللّٰه ویتواضع له جمیع اولیاء

42۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیّدی الشریف عبد القادر (قلمی) ص ۶۔

اللہ فی زمانہ ویعظمونہ لظھور شانہ۔[43]

حضرت حماد دباس حضور سیدنا غوث اعظم کے مشائخ سے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایک روز انھوں نے سرکار غوثیت کی غَیبت (غیر موجودگی) میں فرمایا: ان جوان سیّد کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا انھیں اللہ عزّوجل حکم دے گا کہ فرمائیں میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، اور ان کے زمانے میں جمیع اولیاء اللہ ان کے لیے سر جھکائیں گے، اور ان کے ظہور مرتبہ کے سبب ان کی تعظیم بجالائیں گے۔

مامور من اللہ ہونا ملحوظ رہے اور جمیع اولیاء زمانہ میں بے شک حضرت سیّدی رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل۔

﴿۳﴾۔ اُسی میں حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا "قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ[44]" فرمانا اور اولیاء حاضرین وغائبین کا گردنیں جھکانا اور قدم مبارک اپنی گردنوں پر لینا اور ایک شخص کا انکار کرنا اور اس کی ولایت سلب ہو جانا بیان کر کے فرماتے ہیں:

وھٰذا تنبیہ بیّنۃ علیٰ انہ قطب الاقطاب والغوث الاعظم۔[45]

یہ روشن دلیل قاطع ہے اس پر کہ حضور تمام قطبوں کے قطب اور غوث اعظم ہیں۔

﴿۴﴾۔ اُسی میں ہے:

ومن کلامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحدثا بنعم اللہ تعالیٰ علیہ بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعد مابین السماء والارض فلا تقیسونی باحد ولا تقیسوا علیٰ احدًا یعنی فلا یقاس الملوك بغیرھم وھٰذا کلہ من فتوح الغیب المبرء من کل عیب۔

حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ عزّوجل کی اپنے اوپر نعمتیں ظاہر فرمانے کو جو کلام ارشاد فرمائے اُن میں سے یہ ہے کہ فرمایا مجھ میں اور تمام مخلوقاتِ زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان وزمین میں، مجھے کسی سے نسبت نہ دو اور مجھ پر کسی کو قیاس نہ کرو۔ اس پر علامہ علی قاری فرماتے ہیں اس لیے کہ سلاطین کا رعیّت پر قیاس نہیں ہوتا اور یہ سب غیب کے فتوحات سے ہے جو ہر عیب سے پاک وصاف ہے۔

﴿۵﴾۔ اُسی میں ہے:

وعن عبداللہ بن علی بن عصرون التمیمی الشافعی قال دخلت وانا شاب الی بغداد فی طلب

43۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیّدی الشریف عبد القادر (قلمی) ص ۸۔

44۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیّدی الشریف عبد القادر (قلمی) ص ۹۔

45۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیّدی الشریف عبد القادر (قلمی) ص ۱۰۔

العلم وکان ابن السقا یومئذ رفیقی فی الاشتغال بالنظامیة وکنا نتعبد ونزور الصالحین وکان رجل ببغداد یقال له الغوث، وکان یقال عنه انه یظهر اذا شاء ویخفی اذا شاء فقصدت انا وابن السقا والشیخ عبدالقادر الجیلانی وهو شاب یومئذ الیٰ زیارته فقال ابن السقا ونحن فی الطریق الیوم اسأله عن مسئلة لا یدری لها جوابا، فقلت وانا اسئله[46] عن مسئلة فانظر ما ذا یقول فیها وقال سیدی الشیخ عبدالقادر قدس سره الباهر معاذ الله ان اسأله شیئا، وانا بین یدیه اذًا انظر برکات رؤیته، فلما دخلنا علیه لم نره فی مکانه فمکثنا ساعة فاذا هو جالس فنظر الی ابن السقا مغضبا وقال له ویلك یا ابن السقا تسألنی عن مسئلة لم أردلها جوابا، هی کذا وجوابها کذا، انی لاری نارالکفر تلهب فیك۔ ثم نظر الیّ وقال یا عبدالله تسألنی عن مسألة لتنظر ما اقول فیها هی کذا وجوابها کذا لتخرن علیك الدنیا الیٰ شحمتی اذنیك یا ساءة ادبك۔ ثم نظر الیٰ سیدی عبدالقادر وادناه منه واکرمه وقال له یا عبدالقادر لقد ارضیت الله ورسوله بادبك کانّی اراك ببغداد وقد صعدت علی الکرسی متکلما علی الملأ وقلت قدمی هٰذه علیٰ رقبة کل ولی الله، وکانّی اری الاولیاء فی وقتك وقد حنوا رقابهم اجلا لالك، ثم غاب عنا لموقته فلم نره بعد ذٰلك، قال واما سیدی الشیخ عبدالقادر فانه ظهرت امارة قربه من الله عزّوجلّ واجتمع علیه الخاص والعام، وقال قدمی هٰذه علیٰ رقبة کل ولی الله واقرت الاولیاء بفضله فی وقته واما ابن السقافرأی بنتا للملك حسینة ففتن بها وسأل ان یزوجها به فابیٰ الا ان یتنصّر فاجابه الیٰ ذٰلك۔ والعیاذ بالله تعالیٰ۔ واما انا فجئت الیٰ دمشق واحضرنی السلطان نور الدین الشهید و ولانی علی الاوقاف فولیتها واقبلت علیّ الدنیا اقبالا کثیرا قد صدق کلام الغوث فینا کلنا۔

امام عبداللہ بن علی بن عصرون تمیمی شافعی سے روایت ہے میں جوانی میں طلبِ علم کے لیے بغداد گیا اس زمانے میں ابن السقا مدرسہ نظامیہ میں میرے ساتھ پڑھا کرتا تھا، ہم عبادت اور صالحین کی زیارت کرتے تھے، بغداد میں ایک صاحب کو غوث کہتے، اور ان کی یہ کرامت مشہور تھی کہ جب چاہیں ظاہر ہوں جب چاہیں نظروں سے چھپ جائیں، ایک دن میں اور ابن السقا اور اپنی نو عمری کی حالت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اُن غوث کی زیارت کو گئے، راستے میں ابن السقا نے کہا آج اُن سے وہ مسئلہ پوچھوں گا جس کا جواب اُنھیں نہ آئے گا۔ میں نے کہا میں بھی ایک مسئلہ پوچھوں گا دیکھوں کیا جواب دیتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ الاعلیٰ نے فرمایا معاذ اللہ کہ میں اُن کے سامنے ان سے کچھ پوچھوں میں تو اُن کے

46۔ نزہۃ الخاطر والفاتر فی ترجمۃ سید الشریف عبد القادر (قلمی نسخہ) ص ۳۰۔

دیدار کی برکتوں کا نظارہ کروں گا۔ جب ہم اُن غوث کے یہاں حاضر ہوئے اُن کو اپنی جگہ نہ دیکھا تھوڑی دیر میں دیکھا تشریف فرما ہیں ابن السقا کی طرف نگاہِ غضب کی اور فرمایا تیری خرابی اے ابن السقا! تو مجھ سے وہ مسئلہ پوچھے گا جس کا مجھے جواب نہ آئے تیرا مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ، بے شک میں کفر کی آگ تجھ میں بھڑکتی دیکھ رہا ہوں۔ پھر میری طرف نظر کی اور فرمایا: اے عبد اللہ! تم مجھ سے مسئلہ پوچھو گے کہ میں کیا جواب دیتا ہوں تمھارا مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ، ضرور تم پر دُنیا اتنا گوبر کرے گی کہ کان کی لَو تک اُس میں غرق ہوگے، بدلہ تمھاری بے ادبی کا۔ پھر حضرت شیخ عبد القادر کی طرف نظر کی اور حضور کو اپنے نزدیک کیا اور حضور کا اعزاز کیا اور فرمایا: اے عبد القادر! بے شک آپ نے اپنے حسنِ ادب سے اللہ و رسول کو راضی کیا گویا میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ آپ مجمع بغداد میں کُرسی وعظ پر تشریف لے گئے اور فرما رہے ہیں کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، اور تمام اولیائے وقت نے آپ کی تعظیم کے لیے گردنیں جھکائی ہیں۔ وہ غوث یہ فرما کر ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئے پھر ہم نے انھیں نہ دیکھا۔ حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تو نشانِ قرب ظاہر ہوئے کہ وہ اللہ عزوجل کے قرب میں ہیں خاص و عام اُن پر جمع ہوئے اور انھوں نے فرمایا: میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ اور اولیائے وقت نے اس کا اُن کے لیے اقرار کیا، اور ابن السقا ایک نصرانی بادشاہ کی خوبصورت بیٹی پر عاشق ہوا اس سے نکاح کی درخواست کی اس نے نہ مانا مگر یہ کہ نصرانی ہو جائے، اس نے یہ نصرانی ہونا قبول کر لیا، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ رہا میں، میرا دمشق جانا ہوا وہاں سلطان نور الدین شہید نے مجھے افسر اوقاف کیا اور دنیا بہ کثرت میری طرف آئی۔ غوث کا ارشاد ہم سب کے بارے میں جو کچھ تھا صادق آیا۔[47]

اولیاءِ وقت میں حضرت رفاعی بھی ہیں۔ یہ مبارک روایت بہجۃ الاسرار شریف میں دو سندوں سے ہے، اور ایک یہی کیا۔ علامہ علی قاری نے اس کتاب میں چالیس روایات اور بہت کلمات کہ ذکر کیے سب بہجۃ الاسرار شریف سے ماخوذ ہیں، یونہی اکابر ہمیشہ اس کتاب کی احادیث سے استناد کرتے آئے مگر محروم محروم ہے۔

۶۔ اُسی میں ہے:

قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعزّۃ ربّی ان السعداء والاشقیاء یعرضون علیّ وان بُؤبُؤ عینی فی اللوح المحفوظ انا حجّۃ اللہ علیکم جمیعکم انا نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ووارثہ فی الارض ویقول الانس لھم مشائخ والجن لھم مشائخ والملئکۃ لھم مشائخ وانا شیخ الکل، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ونفعنا بہ۔[48]

47۔ بہجۃ الاسرار ذکر اخبار المشائخ منہ بذلک مصطفیٰ البابی مصر ص۶۔

48۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیّد الشریف عبد القادر (قلمی نسخہ) ص ۳۲۔

حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "مجھے عزتِ پروردگار کی قسم! بے شک سعید و شقی مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں، بے شک میری آنکھ کی پُتلی لوحِ محفوظ میں ہے، میں تم سب پر اللہ کی حجت ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نائب اور تمام زمین میں اُن کا وارث ہوں۔ اور فرمایا کرتے: آدمیوں کے پیر ہیں، قومِ جن کے پیر ہیں، فرشتوں کے پیر ہیں اور میں ان سب کا پیر ہوں"۔ علی قاری اسے نقل کرکے عرض کرتے ہیں: اللہ عزّوجل کی رضوان حضور پر ہو اور حضور کے برکات سے ہم کو نفع دے۔

﴿۷۔ اسی میں ہے: روی عن السید الکبیر القطب الشهیر سیّدی احمد الرفاعی رضی الله تعالیٰ عنه انه قال الشیخ عبدالقادر بحر الشریعة عن یمینه وبحر الحقیقة عن یساره من ایهما شاء اغترف السید عبدالقادر لا ثانی له فی عصرنا هذا رضی الله تعالیٰ عنه۔[49]

سید کبیر قطب شہیر سیّدی احمد الرفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: شیخ عبدالقادر وہ ہیں کہ شریعت کا سمندر اُن کے دہنے ہاتھ ہے اور حقیقت کا سمندر اُن کے بائیں ہاتھ، جس میں سے چاہیں پانی پی لیں۔ اس ہمارے وقت میں سید عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

﴿۸۔ امام ابن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

انهم قد یؤمرون تعریفا لجاهل اوشکرا وتحدثا بنعمة الله تعالیٰ کما وقع للشیخ عبدالقادر رضی الله تعالیٰ عنه انه بینما هو بمجلس وعظه واذا هو یقول قدمی هٰذہٖ علیٰ رقبة کل ولی الله تعالیٰ فاجابه فی تلك الساعة اولیاء الدنیا قال جماعة بل و اولیاء الجن جمیعهم وطأطئوا رءوسهم وخضعوا له واعترفوا بما قاله الا رجل باصبهان فابیٰ فسلب حاله۔[50]

کبھی اولیاء کو کلمات بلند کہنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جو اُن کے مقاماتِ عالیہ سے ناواقف ہے اسے اطلاع ہو یا شکرِ الٰہی اور اس کی نعمت کا اظہار کرنے کے لیے جیسا کہ حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہوا کہ انھوں نے اپنی مجلسِ وعظ میں دفعۃً فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، فوراً تمام دُنیا کے اولیاء نے قبول کیا (اور ایک جماعت کی روایت ہے کہ جملہ اولیاء جِن نے بھی) اور سب نے اپنے سر جھکا دیے اور سرکار غوثیت کے حضور جھک گئے اور اُن کے اس ارشاد کا اقرار کیا مگر اصفہان میں ایک شخص منکر ہوا فوراً اُس کا حال سلب ہو گیا۔

﴿۹۔ پھر فرمایا:

---

49 ۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ۳۴۔

50 ۔ الفتاوی الحدیثیہ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴۔

ومن طأطأ رأسه ابو النجیب السهروردی وقال علیٰ رأسی علیٰ رأسی واحمد الرفاعی قال علیٰ رقبتی وحمید منهم وسئل فقال الشیخ عبدالقادر بقول کذا وکذا، وابو مدین فی المغرب وانا منهم اللّٰهم انّی اشهدك واشهد ملٰئکتك انی سمعت واطعت، وکذا الشیخ عبدالرحیم القناوی مدّعنقه وقال صدق الصادق المصدوق۔[51]

حضور کے ارشاد پر جنھوں نے اپنے سر جھکائے اُن میں سے (سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے پیرانِ پیر) حضرت سیّدی عبدالقاہر ابو النجیب سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں انھوں نے اپنا سر مبارک جھکا دیا اور کہا (گردن کیسی) میرے سر پر میرے سر پر۔ اور اُن میں سے حضرت سیدی احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں انھوں نے کہا میری گردن پر، اور کہا یہ چھوٹا سا احمد بھی انھیں میں ہے جن کی گردن پر حضور کا پاؤں ہے، اس کہنے اور گردن جھکانے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد مقدس میں ارشاد فرمایا ہے کہ "میرا یہ پاؤں ہر ولی کی گردن پر" لہٰذا میں نے بھی سر جھکایا اور عرض کی کہ یہ چھوٹا سا احمد بھی اُنھیں میں ہے، اور انھیں میں سے حضرت سیدی ابو مدین شعیب مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اُنھوں نے سر مبارک جھکایا اور کہا میں بھی اُنھیں میں ہوں الٰہی میں تجھے اور تیرے فرشتوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے قدمی کا ارشاد سُنا اور حکم مانا۔ اسی طرح حضرت سیدی شیخ عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی گردن مبارک بچھائی اور کہا سچ فرمایا سچّے مانے ہوئے سچّے نے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

﴿۱۰۔ پھر فرمایا:

ذکر کثیرون من العارفین الذین ذکرناهم وغیرهم انه لم یقل الابامر اعلاما بقطبیّته فلم یسع احدًا التخلف بل جاء باسانید متعددة عن کثیرین انهم اخبر واقبل مولده بنحو مائة سنة انه سیولد بارض العجم مولود له مظهر عظیم یقول ذٰلك فتندرج الاولیاء فی وقته تحت قدمه۔[52]

اولیائے کرام کہ ہم نے ذکر کیے یعنی حضرت نجیب الدین سہروردی و حضرت سید احمد رفاعی و حضرت شعیب مغربی و حضرت عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُنھوں نے اور اُن کے سوا اور بہت عارفین کرام نے تصریح فرمائی کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف سے ایسا نہ فرمایا بلکہ اللہ عزوجل نے اُن کی قطبیت کبریٰ ظاہر فرمانے کے لیے انھیں اس فرمانے کا حکم دیا و لہٰذا کسی ولی کو گنجائش نہ ہوئی کہ گردن نہ بچھاتا اور قدم مبارک اپنی گردن پر نہ لیتا بلکہ متعدد سندوں سے بہت اولیائے کرام مقدمین سے مروی ہوا کہ انھوں نے سرکار غوثیت کی ولادتِ مبارکہ سے تقریباً

---

51 ۔ الفتاوی الحدیثیہ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴۔

52 ۔ الفتاوی الحدیثیہ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴۔

سو برس پہلے خبر دی تھی کہ عنقریب عجم میں ایک صاحب عظیم مظہر والے پیدا ہوں گے اور یہ فرمائیں گے "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر" اس فرمانے پر اُس وقت کے تمام اولیاء ان کے قدم کے نیچے سر رکھیں گے اور اُس قدم کے سایہ میں داخل ہوں گے۔ اللھم لک الحمد صل علی محمد وابنہ وذریتہ۔

﴿۱۱۔ پھر فرمایا: وحکی امام الشافعیة فی زمنه ابو سعید عبداللّٰہ بن ابی عصرون قال دخلت بغداد فی طلب العلم فوافقت ابن السقا ورافقته فی طلب العلم بالنظامیة، وکنا نزور الصالحین وکان ببغداد رجل یقال له الغوث[53] (الی اٰخر الحدیث المذکور)

"امام ابو سعید عبداللہ بن ابی عصرون نے کہ اپنے زمانہ میں شافعیہ کے امام تھے ذکر فرمایا کہ میں بغدادِ مقدس میں طلبِ علم کے لیے گیا ابن السقا اور میں مدرسہ نظامیہ میں شریکِ درس تھے اور اُس وقت بغداد میں ایک شخص کو غوث کہتے تھے (وہی پوری حدیث کہ نمبر ۵ میں گزری، ان غوث کا ہمارے حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بشارت دینا کہ آپ بر سرِ منبر مجمع میں فرمائیں گے "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر" اور تمام اولیائے عصر آپ کے قدم پاک کی تعظیم کے لیے اپنی گردنیں خم کریں گے، اور پھر ایسا ہی واقع ہونا، حضور کا یہ ارشاد فرمانا اور تمام اولیائے عالم کا اقرار کرنا کہ بے شک حضور کا قدم ہم سب کی گردن پر ہے۔)

آخر میں ابن حجر نے فرمایا:

وھٰذہ الحکایة التی کادت ان تتواتر فی المعنی لکثرۃ ناقلھا وعدالتھم۔[54]

یعنی یہ حکایت قریب تواتر ہے کہ اس کے ناقلین بکثرت ثقہ عادل ہیں۔

فتاوٰی حدیثیہ نے ابن السقا کی بدانجامی میں یہ اور زائد کیا کہ جب وہ بدبخت کہ بہت بڑا عالم جید اور علوم شرعیہ میں اپنے اکثر اہلِ زمانہ پر فائق اور حافظِ قرآن اور علمِ مناظرہ میں کمال سربرآوردہ تھا جس سے جس علم میں مناظرہ کرتا اُسے بند کر دیتا، ایسا شخص جب شانِ غوث میں گستاخی کی شامت سے معاذ اللہ نصرانی ہو گیا بادشاہ نصاریٰ نے اُسے بیٹی تو دے دی مگر جب بیمار پڑا اُسے بازار میں پھنکوا دیا بھیک مانگتا اور کوئی نہ دیتا، ایک شخص کہ اُسے پہچانتا تھا گزرا اُس سے پوچھا تو حافظ تھا اب بھی قرآن کریم میں سے کچھ یاد ہے۔ کہا سب محو ہو گیا صرف ایک آیت یاد رہ گئی:

ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔[55]

53۔ الفتاوی الحدیثیہ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴۔

54۔ الفتاوی الحدیثیہ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵۔

55۔ القرآن الکریم ۱۵/ ۲۔

کتنی تمنائیں کریں گے وہ جنھوں نے کفر اختیار کیا کہ کسی طرح مسلمان ہوتے۔

امام ابن ابی عصرون فرماتے ہیں پھر ایک دن میں اُسے دیکھنے گیا اُسے پایا کہ گویا اس کا سارا بدن آگ سے جلا ہوا ہے، وہ نزع میں تھا، میں نے اُسے قبلہ کی طرف کیا وہ پورب کو پھر گیا، میں نے پھر قبلہ کو کیا وہ پھر پھر گیا۔ اسی طرح میں جتنی بار اُسے قبلہ رُخ کرتا وہ پورب کو پھر جاتا یہاں تک کہ پورب ہی کی طرف منہ کیے اُس کا دم نکل گیا، وہ اُن غوث کا ارشاد یاد کیا کرتا اور جانتا تھا کہ اُسی گستاخی نے اس بلا میں ڈالا،[56] **والعیاذ باللہ تعالیٰ انتھیٰ۔**"

اگر کہے پھر اسلام کیوں نہیں لاتا تھا، کلمہ پڑھ لینا کیا مشکل تھا **اقول** اس کا جواب قرآن عظیم دے گا:

وما تشآؤن الّا ان یشاء اللہ رب العٰلمین۔[57]

تم کیا چاہو جب تک اللہ نہ چاہے جو مالک سارے جہان کا ہے۔

اور فرماتا ہے:

کلا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون۔[58]

کوئی نہیں بلکہ اُن کی بد اعمالیوں نے اُن کے دلوں پر زنگ چڑھادی ہے۔

اور فرماتا ہے:

ذٰلک بانّھم اٰمنوا ثم کفروا فطبع علیٰ قلوبھم فھم لا یفقھون۔[59]

یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کفر کیا تو اُن کے دلوں پر مُہر لگادی گئی کہ اب اُنھیں کچھ سمجھ نہ رہی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

وفی ھٰذہ ابلغ زجرا واکد ردع عن الانکار علیٰ اولیاء اللہ تعالیٰ خوفا من ان یقع المنکر فیما وقع فیہ ابن السقا من تلک الفتنۃ المھلکۃ الابدیۃ التی لا اقبح منھا، نعوذ باللہ من ذٰلک، ونسألہ بوجھہ الکریم وحبیبہ الرؤف الرحیم ان یؤمننا من ذٰلک ومن کل فتنۃ ومحنۃ وبمنہ وکرمہ وفیھا ایضا التحثّ علیٰ اعتقادھم والادب معھم وحسن الظن بھم ما امکن۔[60]

---

56 ۔الفتاویٰ الحدیثیہ مطلب فی قول الشیخ عبد القادر قدمی ہذہ علی رقبۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵۔

57 ۔القرآن الکریم ۸۱/ ۲۹۔

58 ۔القرآن الکریم ۸۱/ ۱۴۔

59 ۔القرآن الکریم ۶۳/ ۳۔

60 ۔الفتاویٰ الحدیثیہ مطلب فی قول الشیخ عبد القادر قدمی ہذا علیٰ رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵۔

اس واقعہ میں اولیائے کرام پر انکار سے کمال جھڑکنا اور سخت منع ہے اس خوف سے کہ منکر اس مہلک فتنے میں پڑ جائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ کا ہلاک ہے اور جس سے بدتر کوئی خباثت نہیں جس میں ابن السقا پڑ گیا، اللہ عزّوجل کی پناہ۔ ہم اللہ عزوجل سے اس کے وجہ کریم اور اس کے حبیب رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے مانگتے ہیں کہ ہم کو اپنے احسان و کرم کے ساتھ اس سے اور ہر فتنہ و محنت سے امان بخشے۔ نیز اس واقعہ میں کمال ترغیب ہے اس کی کہ اولیائے کرام کے ساتھ عقیدت و ادب رکھیں اور جہاں تک ہو اُن پر نیک گمان کریں۔

فقیر کوئے قادری اُمید کرتا ہے کہ اتنے بیان میں اہلِ انصاف و سعادت کے لیے کفایت ہو۔ اللہ عزّوجل مسلمان بھائیوں کو اتباعِ حق و ادبِ اولیاء کی توفیق دے اور ابن السقا بجہنم اُس شخص کے حال سے پناہ دے جس نے بزعمِ خود حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارگاہ میں حقِ نیاز مندی ادا کیا اور نتیجہ معاذ اللہ وہ ہوا کہ سید کبیر کے غضب اور حضور غوثیت کی سرکار میں اساءتِ ادب پر خاتمہ ہوا، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اے برادر! مقتضائے محبت اتباع و تصدیق ہے نہ کہ نزاع و تکذیب۔ سچّا محب حضرت احمد کبیر کے ارشادات کو بالائے سر لے گا اور جس بارگاہِ ارفع کو اُنھوں نے سب سے ارفع بتایا اور اُن کا قدمِ اقدس اپنے سر مبارک پر لیا اُنھیں کو ارفع و اعظم مانے گا۔ عبد الرزاق محدّث شیعی تھا مگر حضرات عالیہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ سے افضل کہتا، اُس سے پوچھا جاتا تو جواب دیتا کفیٰ بی ازدراء ان احب علیا ثم اخالفہ [61] یعنی امیر المومنین نے خود حضراتِ شیخین کو اپنے نفس کریم سے افضل بتایا ہے مجھے یہ گناہ بہت ہے کہ علی سے محبت رکھوں پھر اُن کا خلاف کروں۔ واقعی تکذیب و مخالفت اگرچہ بزعم عقیدت و محبت ہو اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ، اللہ عزوجل اپنے محبوبوں کا حُسنِ ادب روزی کرے اور اُنھیں کی محبت پر خاتمہ فرمائے اور انھیں کے گروہ پاک میں اُٹھائے، آمین! آمین!

اٰمین بجاھھم عندك یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولٰنا واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین الیٰ یوم الدین عدد کل ذرۃ ذرۃ الف الف الف مرۃ فی کل اٰن وحین الیٰ ابد الاٰبدین، اٰمین، والحمد للہ رب العالمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اے بہترین رحم فرمانے والے ان محبوبوں کا تیرے نزدیک جو مرتبہ ہے اس کے صدقے ہماری دعا قبول فرما۔ اللہ ہمیشہ ہمیشہ قیامت کے روز تک ہر گھڑی ہر لمحے ہمارے آقا و مولیٰ، ان کی آل، صحابہ، بیٹے اور ان کے گروہ سب پر کروڑوں درود بھیجے، آمین۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ (ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

61۔ میزان الاعتدال، ترجمہ ۵۰۴۴، عبد الرزاق بن ہمام، دار المعرفۃ، بیروت، ۲/ ۶۱۲۔

جمادی الاُولیٰ

مشمولات صفحہ نمبر

فغانِ جانِ غمگیں بَر آستانِ والا تمکیں اسد اللہ المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

مرتضیٰ شیرِ خُدا مَرحَب کُشا خیبر کشا — سروَرا لشکر کشا مشکل کشا امداد کُن
حیدرا اژدر دَرا ضِرغامِ غام ہائل منظرا — شہرِ عرفاں را درا روشن دُرا امداد کُن
ضیغما غیظ و غما زیغ و فتن را راغما — پہلوانِ حق امیرِ لافتیٰ امدا کُن
اے خدا را تیغ واے اندام احمد را سپر — یا علی یا بو الحسن یا بو العلےٰ امداد کُن
یا یدُ اللہ یا قوی یا زورِ بازوے نبی — من ز پا افتادم اے دستِ خدا امداد کُن
اے نگارِ راز دار قصرِ اللہ اتجٰ — اے بہارِ لالہ زارِ انّما امداد کُن
اے تنت را جامہ پر زر جلوہ بارِیّ عبا — اے سَرت را تاجِ گوہر ہَلْ اَتیٰ امداد کُن
اے رُخت را غازۂ تطہیر و اذہابِ نجس — اے لبت را مایۂ فصلُ القضا امداد کُن
اے بجّبات و حریر ایمن زِ شمس و زمہریر — اے ترا فردوس مشتاقِ لِقا امداد کُن
اے بحضرت روزِ حسرت رو بنصرت جاں بسوز — شکرِ ایں نصرت بیک نظرت مرا امداد کُن
یا طلیق الوجہ فی یومٍ عبوسٍ قمطریر — یا بہیج القلب فی یوْمِ الاسےٰ امداد کُن
اے وقا ہم رَبُّہم امنت زِ شرِّ مستطیر — مجرمم می جویم از کیفر وقا امداد کُن
اے تنت دَر راہِ مَولیٰ خاک و جانت عرشِ پاک — بو تراب اے خاکیاں را پیشوا اِمداد کُن
اے شبِ ہجرت بجائے مصطفیٰ بر رختِ خواب — اے دمِ شدّت فدائے مصطفیٰ امداد کُن
اے عدوئے کفر و نصب و رفض و تفضیل و خروج — اے علوئے سنّت و دینِ ہدیٰ امداد کُن

شمعِ بزم و تیغِ رزم و کوہِ عزم و کان حزم
اے کذا واے فزوں تر اَز کذا امداد کُن

تَنْزِیْهُ الْمَکَانَةِ الْحَیْدَرِیَّةِ عَنْ وَّصْمَةِ عَهْدِ الْجَاهِلِیَّةِ

(۱۳۱۲ھ)

(زمانۂ جاہلیت کے عیب سے مقامِ حیدری کی پاکی کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ: از بنارس کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۹ جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ

بہ خدمت لازم البرکت، جامع معقول و منقول، حاوی فروع واصول، جناب مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب مد اللہ فیضانہ (اللہ تعالٰی آپ کا فیضان ہمیشہ جاری رکھے۔ت) از جناب خادم الطلبہ عبدالغفور سلام علیک قبول باد، اس مسئلہ میں یہاں درمیان علماء کا اختلاف ہے لہذا مسئلہ ارسال خدمت لازم البرکت ہے امید کہ جواب سے مطلع فرمائیں۔

زید کہتا ہے کہ جناب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ چونکہ قبل از بلوغ ایمان لائے اور نہ پہلے بت پرستی شرک وکفر وغیرہ کے آپ مبتلا ہوئے نیز بلحاظ حدیث شریف:

كل مولود يولد على الفطرة[1]۔

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔(ت)

یہ کہنا کہ آپ پہلے کافر تھے بعد ازاں مسلمان ہوئے صحیح نہیں، اور جملۂ مذکور بہ نسبت آپ کے سوئے ادب میں داخل ہے۔

1۔ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۱۸۵۔
سنن ابی داود، کتاب السنة، باب فی ذراری المشرکین، آفتاب عالم پریس، لاہور، ۲/ ۲۹۲۔
جامع الترمذی، ابواب القدر باب ما جاء کل مولود یولد علی الملة، امین کمپنی، دہلی، ۲/ ۳۶۔
مسند احمد بن حنبل، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۲/ ۲۳۳۔

عمرو کہتا ہے چونکہ اطفال تابع والدین کے ہوتے ہیں اور والدین آپکے حالت کفر پر تھے، لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے علی مرتضیٰ کافر تھے بعد ازاں مسلمان ہوئے فقط۔ اس صورت میں زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا؟ بینوا توجروا۔ (بیان فرمائیے اجر دیے جاؤ گے۔ت)

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی کرم وجہ علی للمرتضٰی : فلم یزل محظوظاً منہ بعین الرضٰی : والصلوٰۃ والسلام علی السید العلی الرضی الارضٰی : شفیع المذنبین یوم فصل القضا : وعلٰی اٰلہ وصحبہٖ بعدد کل من یاتی ومضٰی: اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان رحم والا ہے۔ ساری تعریف اللہ کے لئے جس نے علی مرتضیٰ کے چہرے کو عزت وکرامت بخشی تو وہ ہمیشہ اس کی رضاوخوشنودی سے بہرہ ور رہے۔ اور درود وسلام ہو بلند، پسندیدہ، پسندیدہ تر سردار، فیصلہ قضا کے دن گنہگاروں کے شفیع پر اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر تمام اگلے پچھلوں کی تعداد کے برابر۔(ت)

قول زید حق وصحیح قول عمرو باطل وقبیح ہے۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) یہ تو ظاہر ومعلوم وثابت ہے کہ حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الاسنٰی وقت بعثت سراپابرکت حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فورًا مشرف بتصدیق وایمان ہوئے، اس وقت عمر مبارک حضرت مرتضوی آٹھ دس سال تھی اور بالیقین جو عاقل بچہ اسلام لائے حکم اسلام میں مستقل بالذات ہے پھر کسی کی تبعیت سے اس پر حکم دیگر حلال نہیں۔

فی المواھب : کان سن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اذذاك عشر سنین فیما حکاہ الطبری[2] اھ مواہب اللدنیہ میں ہے: اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی، جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے اھ۔

قال الزرقانی : وھو قول ابن اسحٰق واقتصر المصنف علیہ لقول الحافظ انہ ارجح الاقوال[3]۔ زرقانی نے فرمایا: یہی ابن اسحٰق کا بھی قول ہے، مصنف نے صرف اسی قول کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ سب سے راجح قول یہی ہے۔(ت)

وروی ابن سفیان باسناد صحیح عن عروۃ قال اسلم علی وھو ابن ثمان سنین وصدر بہٖ فی العیون الخ[4]۔ اور ابن سفیان نے بسند صحیح حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی آٹھ برس کی عمر میں اسلام

2۔ المواھب اللدنیہ، المقصد الاول، اول من اٰمن، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱ /۲۱۶۔

3۔ شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ، اول من اٰمن، دار المعرفۃ، بیروت، ۱ /۲۴۲۔

4۔ شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ، اول من اٰمن، دار المعرفۃ، بیروت، ۱ /۲۴۲۔

لائے۔ عیون الاثر (لابن سید الناس) میں اسی قول کو پہلے ذکر کیا۔ (ت)

وفی ردالمحتار: قوله وسنّهٗ سبع وقیل ثمان وهو الصحیح، واخرجه البخاری فی تاریخه عن عروة۔ وقیل عشر اخرجه الحاکم فی المستدرك۔ وقیل خمسة عشر وهو مردود وتمام ذٰلك مبسوط فی الفتح[5] اھ ردالمحتار میں ہے: قولہ ان کی عمر سات سال تھی اور کہا گیا کہ آٹھ سال تھی۔ یہی صحیح ہے، اسی کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عروہ سے روایت کیا۔ اور کہا گیا کہ دس سال تھی، اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔۔۔ اور کہا گیا کہ پندرہ سال تھی، یہ قول مردود ونامقبول ہے۔ پوری تفصیل فتح القدیر میں ہے۔ اھ (ت)

وفی نکاحه عن احکام الصغار للاستروشنی انه قبل البلوغ تبع لابویه فی الدین مالم یصف الاسلام اھ قال: فافادان التبعیة لاتنقطع الابالبلوغ اوبالاسلام بنفسه وبه صرح فی البحر (عه) والمنح من باب الجنائز[6] اھ۔ ردالمحتار کتاب النکاح میں احکام الصغار للاستروشنی سے نقل ہے: بچہ قبل بلوغ دین میں اپنے والدین کا تابع ہے جب کہ خود مسلمان نہ ہوا ہو، شامی نے کہا: افادہ فرمایا کہ یہ تبعیت بالغ ہونے یا خود اسلام لانے ہی سے ختم ہوتی ہے، اسی کی تصریح بحر الرائق اور منح الغفار باب الجنائز میں بھی ہے اھ (ت)

[عه: ولفظه: ولاتزول التبعیة الی البلوغ، نعم تزول التبعیة اذا اعتقد دینا غیر دین ابویه اذا عقل الادیان فحینئذ صار مستقلاً۔[7]]

ولفظہ: تبعیت بلوغ تک ختم نہیں ہوتی، ہاں اس وقت تبعیت ختم ہو جاتی ہے جب ادیان کی سمجھ رکھ کر اپنے ماں باپ کے دین کے علاوہ کسی دین کا معتقد ہو جائے اب وہ (تابع نہ رہا) خود مستقل ہو گیا۔ (ت)

تو بعد بعثت تو اس خیال شنیع کی زنہار گنجائش نہیں بلکہ اس سے پیشتر بھی کہ جب قریش مبتلائے قحط ہوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب پر تخفیف عیال کے لئے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو اپنی بارگاہ ایمان پناہ میں لے آئے تھے کما ذکرہ ابن اسحٰق فی سیرته[8] (جیسا کہ اس کو ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ذکر کیا۔ ت)

حضرت مولیٰ نے حضور مولی الکل سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آراء دیکھا، حضور ہی کی باتیں سنیں، عادتیں سیکھیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہ

5۔ ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب المرتد، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۳/ ۳۰۷۔

6۔ ردالمحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲/ ۳۹۴۔

7۔ بحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلوته، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۲/ ۱۹۰۔

8۔ السیرة النبویة لابن هشام، ذکر ان علی بن ابی طالب رضی الله عنه، اول ذکر اسلم الجزئین الاولین، دار ابن کثیر، بیروت، ص ۲۶۴۔

بارک وسلم۔ توجب سے اس جناب عرفان مآب کو ہوش آیا قطعاً یقیناً رب عزوجل کو ایک ہی جانا، ایک ہی مانا۔ ہرگز ہرگز بتوں کی نجاست سے اس کا دامن پاک کبھی آلودہ نہ ہوا۔ اسی لئے لقب کریم "کرم اللہ تعالیٰ وجہہ" ملا۔

ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذوالفضل المبين (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے وہ نمایاں فضل والا ہے۔ت)

اب رہ گئے صرف چند برس جو روزِ پیدائش سے بالکل ناسمجھی کے ہوتے ہیں جن میں بچہ نہ کچھ ادراک رکھتا ہے، نہ سمجھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمر میں حقیقۃً تو کوئی بچہ کافر نہیں کہا جاسکتا کہ صدق مشتق قیام مبدء کو مستلزم۔ کفر تکذیب ہے، اور تکذیب بے ادراک وتمیز نا متصور (عہ) بلکہ اس وقت تک ہر بچے کا دین فطری اسلام ہے۔

كما نطقت به صحاح الاحاديث (جیسا کہ صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں۔ت)

[عہ: نتیجہ یہ نکلا کہ کفر بے ادراک وتمیز غیر متصور ہے۔ لہٰذا ناسمجھ بچہ کفر سے خالی ہوگا۔ جب کفر اس کے ساتھ قائم نہیں تو اس پر کافر کا اطلاق بھی درست نہیں کیونکہ کافر، کفر سے مشتق ہے اور کسی پر مشتق صادق ہونے کے لئے مصدر سے اس کا متصف ہونا لازم ہے جیسے لفظ عالم کسی پر صادق آنے کے لئے علم سے اس کا متصف ہونا لازم ہے۔ لہٰذا بچہ جب مبدأ (کفر) سے خالی ٹھہرا تو اس پر مشتق (کافر) کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا ۱۲ محمد احمد مصباحی۔]

ہاں جس کے والدین کافر ہوں اس پر ان کی تبعیت کا حکم کیا جاتا ہے جبکہ تبعیت متصور بھی ہو ورنہ نہیں، جیسے وہ بچہ جسے دارالاسلام میں اسیر کر لائیں اور اس کے کافر ماں باپ دارالحرب میں رہیں، کہ بوجہ اختلافِ دار تبعیت ابوین منقطع ہوگئی، اب بہ تبعیت دار اسے مسلم کہا جائیگا۔

فی جنائز الدر "صبي سبي مع احد ابويه لايصلى عليه لانه تبع له ولو سبي بدونه فمسلم تبعًا للدار او للسابي[9] اھ ملخصًا۔" درمختار کتاب الجنائز میں ہے: کوئی بچہ اپنے حربی والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ (دارالحرب سے) گرفتار کرکے (دارالاسلام میں) لایا گیا (اور مر گیا) تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ وہ (کافر حربی کے) تابع ہے۔ ہاں اگر تنہا گرفتار ہو تو دارالاسلام یا گرفتار کرنے والے کے تابع ہونے کے باعث مسلم ہے اھ ملخصاً۔ (ت)

وفی نکاحہ: الولد يتبع خير الابوين دينًا ان اتحدت الدار[10] الخ۔ درمختار کتاب النکاح میں ہے: باعتبار دین ماں باپ میں سے جو بہتر ہو بچہ اسی کا تابع ہوتا ہے اگر دار ایک ہو الخ (ت)

جب یہ امر منقح ہولیا اب یہاں اس نرے ناسمجھ کی عمر پر بھی یہ ناگوار وناسزا خیال دو امر کے ثبوت کافی کا محتاج:

امر اول حضرت فاطمہ (عہ۱) بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابوطالب دونوں کا اس وقت تک کافر ہونا کہ ان میں ایک بھی موحد

9۔ الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱/ ۱۲۳۔

10۔ الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱/ ۲۱۰۔

ہو تو بچہ اس کی تبعیت سے موحد کہا جائے گا کافر کی تبعیت ہر گز نہ کرے گا لما نصوا علیہ قاطبۃ من ان الولد یتبع خیر الابوین دینا[11] (کیونکہ تمام علماء نے نص فرمایا کہ ماں باپ میں سے باعتبار دین جو بہتر ہو بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے۔ت)

[عہ۱: حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی والدہ ماجدہ جو صحابیہ ہوئیں ۱۲ محمد احمد]

امر دوم اس وقت حکم تبعیت صادق و ثابت ہونا۔

ان دو امر سے اگر ایک بھی پایہ ثبوت سے ساقط رہے گا تو یہ بے ہودہ خیال، خیال کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا، مگر مولیٰ علی کے رب جل وعلا کو حمد وثنا ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان دو میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔

اولا اہل فترت جنہیں انبیاء اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت نہ پہنچی تین قسمیں ہیں:

اول موحد جنہیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہ توحید دکھائی جیسے قس بن ساعدہ (عہ۲) وزید بن عمرو بن نفیل وعامر بن اظرب عدوانی وقیس بن عاصم تمیمی وصفوان بن ابی امیہ کنانی وزہیر بن ابی سلمہ[12] شاعر مشہور وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

[عہ۲: یہ دونوں مقبول بندے زمانہ جاہلیت میں نہ صرف موحد تھے بلکہ پیش از بعثت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت شریفہ پر بھی ایمان رکھتے۔ قس نے بازار عکاظ کے خطبے میں اپنی قوم سے فرمایا: عنقریب ادھر سے ایک حق ظاہر ہونے والا ہے۔ اور مکہ کی طرف اشارہ کیا، لوگوں نے کہا وہ حق کیا ہے؟ لوی بن غالب کی اولاد سے ایک مرد کہ تمہیں کلمہ اخلاص اور ہمیشہ کے چین اور دائمی نعمت کی طرف دعوت فرمائے گا تم اس کی بات ماننا، اگر میں جانتا کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو سب سے پہلے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا۔]

رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ[13] عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (اس کو ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ت)

عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے زید بن عمرو نے کہا میں اپنی قوم کا مخالف اور دین ابراہیم واسمٰعیل کا تابع ہوا، وہ دونوں بتوں کو نہ پوجتے اور اس قبلہ کی طرف نماز پڑھتے تھے، میں اولاد اسمٰعیل سے ایک نبی کے انتظار میں ہوں مگر میرے خیال میں اس کا زمانہ نہ پاؤں گا میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہے، اے عامر! اگر تمہاری عمر وفا کرے تو انہیں میرا اسلام پہنچانا۔ عامر فرماتے ہیں: جب میں نے

11۔الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱/ ۲۱۰۔

12۔شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ، المقصد الاول، باب وفاۃ امہ وما یتعلق بابویہ ، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱/ ۱۸۳۔

13۔شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ، بحوالہ ابی نعیم فی دلائل النبوۃ، المقصد الاول، دارالمعرفۃ بیروت، ۱/ ۱۸۳۔

حضور پر نور ﷺ سے زید کا یہ قصہ بیان کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اوران کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اورارشاد فرمایا: میں نے اسے دیکھا کہ جنت میں دامن کشاں سیر کر رہا ہے۔

رواہ ابن سعد والفاکھی عنہ[14] رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲منہ غفرلہ (اس کو ابن سعد اور فاکہی نے عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوم مشرک کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے، جیسے کہ اکثر عرب۔

سوم غافل کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی بہائم کے مثل زندگی کی۔ اعتقادیات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی یا نظر وفکر کی مہلت نہ پائی۔ بہت زنان (عورتوں) وچوپایوں واہل بوادی (صحرا جنگل والوں) کی نسبت یہی مظنون (گمان) ہے۔

قال العلامة الزرقانی: ومن جاهلية عم الجهل فيها شرقًاوغربًاوفقد فيها من يعرف الشرائع ويبلغ الدعوة علی وجهها الانفرايسيرا من احبار اهل الكتاب مفرقين فی اقطار الارض كالشام وغيرها وان كان النساء اليوم مع فشو الاسلام شرقًاوغربًا مالايدرين غالب احكام الشريعة لعدم مخالطتهن الفقهاء، فما ظنك بزمان الجاهلية والفترة الذی رجاله لايعرفون ذٰلك فضلاعن نسائه، ولذالما بعث صلی الله تعالٰی عليه وسلم تعجب اهل مكة وقالواأبعث الله بشرا رسولا، وقالوالوشاء ربنالانزل ملئكة وربما كانوا يظنون ان ابراهيم عليه السلام بعث بما هم عليه فانهم لم يجدوا من يبلغهم شريعته علی وجههالدثورها وفقد من يعرفها، اذكان بينهم وبينه ازيد من ثلثة آلاف سنة ،قاله فی مسالك الحنفاء والدرج المنيفة اھ باختصار[15]۔ علامہ زرقانی نے کہا: ایسا عہد جاہلیت جس میں مشرق ومغرب ہر طرف جہالت عام ہے۔ احکام شریعت جاننے والے اور صحیح طور سے دعوت کی تبلیغ کرنے والے ناپید ہیں، صرف چند علماء اہل کتاب ہیں جو اطراف زمین شام وغیرہ میں منتشر ہیں۔۔۔۔۔ اور آج جبکہ اسلام شرق وغرب میں پھیل چکا ہے عورتوں کا یہ حال ہے کہ اکثر احکام شرع سے بے خبر رہتی ہیں کیونکہ علماء سے ان کا ربط اوروابستگی نہیں۔ پھر عہد جاہلیت اورزمانہ فترت کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جبکہ عورتیں درکنار مرد بھی ان سب سے ناآشنا ہوتے تھے، اسی لئے تو جب رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تواہل مکہ کو تعجب ہوا، بولے: کیا اللہ نے کسی انسان کو رسول بنا کر مبعوث کیا ہے؟ اور بولے: اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اتارتا۔ وہ تو یہاں تک سمجھا کرتے تھے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں ان ہی باتوں کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث

14۔شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية، بحواله ابن سعد والفاكهی، المقصد الاول، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱/ ۱۸۳۔

15۔شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية، المقصد الاول، باب وفاة امه وما يتعلق بابويه، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱/ ۱۸۴۔

ہوئے تھے، اس غلط خیال کی یہی وجہ تھی کہ شریعت ابراہیمی کو صحیح طور سے کوئی پہنچانے والا ہی انکو نہ ملا، کیونکہ اس کے نشانات مٹ گئے تھے اوراس کے جاننے والے بھی ناپید ہوچکے تھے، اس لیے کہ ان اہل مکہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا۔ یہ مسالک الحنفاء اورالدرج المنیفہ میں فرمایا گیاہے اھ باختصار (ت)

جماہیر ائمہ اشاعرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک بعثت اقدس حضور خاتم النبیین ﷺ ہو کر دعوتِ الٰہیہ انہیں نہ پہنچی یہ سب فرقے ناجی وغیر معذب تھے۔

لقولہ تعالٰی وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا[16]۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق: ہم عذاب فرمانے والے نہ تھے یہاں تک کہ بھیج لیں رسول۔

(الجواب بتعمیم الرسول العقل او تخصیص العذاب بعذاب الدنیا خلاف الظاہر فلا یصار الیہ الا بموجب ولا موجب اقول بلٰی احادیث صحیحۃ صریحۃ کثیرۃ بثیرۃ ناطقۃ بعذاب بعض اھل الفترۃ کعمرو بن لحی وصاحب المحجن وغیرھما وبہ علم ان ردھا یجعلھا معارضۃ للقطعی کما صدر عن العلامۃ الابی والامام السیوطی و کثیر من الاشعریۃ لاسبیل الیہ فان قطعیۃ الدلالۃ غیر مسلم فلا یھجم بمثل ذٰلک علٰی رد الصحاح والکلام ھٰھنا طویل لیس ھذا موضعہ ولا نحن بصددہ۔) (اشاعرہ کے جواب میں یہ کہنا کہ رسول سے مراد عام ہے خواہ انسان ہو یا عقل یا یہ کہ عذاب سے مراد صرف عذاب دنیا ہے (یعنی جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں دنیا میں عذاب نہیں دیتے اور عذاب آخرت دعوت رسول پہنچے بغیر بھی ہوسکتا ہے) یہ (تاویل) خلاف ظاہر ہے جس کی طرف رجوع کا کوئی موجب نہیں۔

اقول کیوں نہیں بہت ساری صحیح صریح حدیثیں بعض اہل فترت کے عذاب (دنیاوی) پر ناطق ہیں جیسے عمرو بن لحی اور ٹیڑھے ڈنڈے والا آدمی جو اپنے ڈنڈے سے لوگوں کی چیزیں اچک کر چُرا لیتا تھا) اوران دونوں کے علاوہ۔۔۔۔۔ اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان صحیح حدیثوں کا رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں یہ کہتے ہوئے کہ یہ احادیث نص قطعی کے خلاف ہیں جیسا کہ علامہ ابی، امام سیوطی اور بہت سے اشعریہ نے یہی کہہ کر رد کردیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس معنٰی پر آیت کی دلالت قطعی ہونا مسلّم نہیں تو پھر غیر قطعی الدلالۃ نص سے احادیث صحیحہ کے رد کا ارتکاب نہیں کیا جاسکتا۔ کلام یہاں پر طویل ہے جس کا یہ محل نہیں اورنہ ہی یہاں پر ہمارا مقصود ہے ۱۲ مترجم۔

خصوصاً جُہال عرب جنہیں قرآن عظیم جابجا امی وجاہل وبے خبر وغافل بتارہا ہے، صاف ارشاد ہوتا ہے: تنزیل العزیز الرحیم، لتنذر قومًا ما انذر اٰباؤھم فھم غٰفلون[17]۔ اتارا ہوا زبردست مہر والے کا کہ تو ڈرائے ان لوگوں

16۔ القرآن الکریم ۱۵ /۱۷۔

17۔ القرآن الکریم ۳۶ /۵و۶۔

کو کہ نہ ڈرائے گئے انکے باپ دادا تو وہ غفلت میں ہیں۔

اور خود ہی ارشاد ہوتا ہے: ذٰلك ان لم یکن ربك مهلك القرٰی بظلم و اهلها غٰفلون[18]۔ یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ظلم سے جب کہ ان کے رہنے والے غفلت میں ہوں۔

قلت ای وهذا وان کان ظاهرًا فی عذاب الدنیا وعذاب الاٰخرة منتف بالفحوٰی فان الملك الكريم الذی لم یرض للغافل بعذاب منقطع لایرضٰی بعذاب دائم من باب اولٰی اقول لٰكن الغفلة انما هی علٰی امر الرسالة والنبوة والسمعیات لبعث وغیره، وقد قلنا بموجبها فی ذٰلك۔ اما التوحید فلا غفلة عنه مع وضوح الدلائل وکفایة العقل وقد قال الله تعالٰی: قل لمن الارض ومن فیها ان کنتم تعلمون۔ سیقولون لله قل افلا تذکرون۔ قل من رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم۔ سیقولون لله ط قل افلا تتقون۔ قل من بیده ملکوت کل شیئ وهو یجیر ولا یجار علیه ان کنتم تعلمون۔ سیقولون لله ط قل فانی تسحرون[19]۔ وقال تعالٰی: ولئن سالتهم من خلق السمٰوٰت والارض وسخر الشمس والقمر لیقولن الله فانی یؤفکون[20]۔

الٰی غیر ذٰلك من الاٰیات۔ کل ذٰلك مع قوله عزمن قائل۔ ان تقولوا انما انزل الكتٰب علٰی طائفتین من قبلنا وان کنا عن دراستهم لغٰفلین[21]۔

فافهم۔ قلت یہ آیت اگرچہ غفلت والے سے عذاب دنیا کی نفی میں ظاہر ہے اور عذاب آخرت کی نفی مفہوم سے ہو جاتی ہے کیونکہ جس بادشاہ کریم نے غافل کے لئے دنیا کا فانی عذاب پسند نہ کیا وہ آخرت کا دائمی عذاب بدرجہ اولٰی پسند نہ فرمائیگا۔ اقول لیکن یہ وہ غفلت ہے جو رسالت، نبوت اور سمعی عقائد بعث وغیرہ کے باب میں ہو، اور اس باب میں موجب غفلت پائے جانے کے ہم قائل ہیں لیکن توحید سے غفلت کا کوئی موجب نہیں جبکہ اس کے دلائل واضح ہیں اور عقل اس کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ باری تعالٰی کا ارشاد ہے: تم فرماؤ کس کی ہے زمین اور جو اس میں ہیں اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے اللہ کی۔ تم فرماؤ پھر تم کیوں دھیان نہیں دیتے؟ تم فرماؤ کون ہے ساتوں آسمانوں کا مالک اور بڑے عرش کا مالک؟ بولیں گے: یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ فرماؤ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ تم فرماؤ کون ہے جس کے ہاتھ ہر چیز کا اقتدار ہے اور وہ پناہ دینے والا ہے اور اس کے خلاف پناہ نہیں دی جاسکتی اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ فرماؤ پھر تم کس جادو کے فریب میں پڑے ہو۔ اور ارشاد باری ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند، تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ پھر کہاں اوندھے جاتے ہیں؟ اور ان کے علاوہ آیات۔ ساتھ ہی یہ ارشاد بھی ہے: کبھی تم کہو کہ

18۔ القرآن الکریم ٦ / ١٣١۔

19۔ القرآن الکریم ٨٩ / ٨٤ تا ٢٣۔

20۔ القرآن الکریم ٢٩ / ٦١۔

21۔ القرآن الکریم ٦ / ١٥٦۔

کتاب تو ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر نازل کی گئی تھی اور ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے، غور کیجئے۔(ت)

ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ائمہ بخارا وغیر ہم بھی اسی کے قائل ہوئے۔ امام محقق کمال الدین ابن الہمام قدس سرہ نے اسی کو مختار رکھا۔

شرح فقہ اکبر میں ہے :قال ائمة البخاری امنا لایجب ایمان ولایحرم کفر قبل البعثت کقول الاشاعرة[22]۔ائمہ بخاری نے اشاعرہ کی طرح فرمایا:ہمارے نزدیک قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں۔(ت)

فواتح الرحموت میں ہے :عندالاشعریة والشیخ ابن الهمام لایؤاخذون ولو اتوا بالشرك والعیاذبالله تعالیٰ[23]۔اشعریہ اور شیخ ابن الہمام کے نزدیک ان سے مواخذہ نہیں اگرچہ مرتکب شرک ہوں ، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔(ت)

حاشیہ طحطاویہ علی الدر المختار میں ہے :اهل الفترة ناجون ولو غیروا وبدلوا علی ماعلیه الاشاعرة وبعض المحققین من الماتریدیه ونقل الکمال فی التحریر عن ابن عبدالدولة انه المختار لقوله تعالیٰ : وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا۔۔۔۔۔۔ ومافی الفقه الاکبر من ان والدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ماتاعلی الکفر فمدسوس علی الامام[24] الخ۔اہل فترت ناجی ہیں اگرچہ تغییر و تبدیل کے مرتکب ہوں۔ اس پر اشاعرہ اور بعض محققین ماتریدیہ ہیں۔ کمال ابن ہمام تحریر میں ابن عبد الدولہ سے ناقل ہیں کہ یہی مختار ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ہم عذاب فرمانے والے نہیں جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج لیں۔۔۔۔۔۔ اور فقہ اکبر میں جو ہے کہ حضور ﷺ کے والدین نے حالت کفر میں انتقال کیا تو یہ مصنف فقہ اکبر امام اعظم پر دسیسہ کاری ہے(ت)

اس قول پر تو ظاہر کہ اہل فترت کو تا زمان فترت کافر نہ کہا جائے گا کہ وہ ناجی ہیں، او کافر ناجی نہیں تو شکل ثانی نے صاف نتیجہ دیا کہ وہ کافر نہیں۔

وعلیٰ هذا استدل به السید العلامة علیٰ نزهة الابوین الشریفین عن الکفر۔ رضی الله تعالیٰ عنهما وعن کل من احب اجلالهما اجلالا لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔ اسی بنیاد پر اس سے سید علامہ طحطاوی نے والدین کریمین کے کفر سے منزہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہوا اور ہر اس شخص سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکرام کی خاطر ان کا اکرام پسند کرے۔(ت)

ولہٰذا ائمہ اشاعرہ میں کوئی انہیں مسلم کہتا ہے کوئی معنی مسلم میں۔

22۔منح الروض الازهر فی شرح الفقه الاکبر، معنی قرب الباری الخ، دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ص:۳۰۷۔

23۔فواتح الرحموت، بذیل المستصفی المقالة الثانیة، الباب الاول، منشورات الشریف الرضی قم، ایران، ۱/ ۲۹۔

24۔حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، المکتبۃ العربیہ، کوئٹہ، ۲/ ۸۰۔

قال الزرقانی "ثم اختلفت عبارة الاصحاب فیمن لم تبلغه الدعوة فاحسنها من قال انه ناج، وایاها اختار السبکی، ومنهم من قال علی الفترة(عه) منهم من قال مسلم قال الغزالی والتحقیق ان یقال فی معنٰی مسلم[25]۔ "زرقانی نے فرمایا: پھر اصحاب (ائمہ رحمہم اللہ) کی عبارتیں اس کے بارے میں مختلف ہو گئیں جسے دعوت نہ پہنچی سب سے عمدہ عبارت اس کی ہے جس نے کہا وہ ناجی ہے۔ اسی کو امام سبکی نے اختیار کیا، کسی نے کہا وہ فترۃ پر ہے۔ کسی نے کہا مسلم ہے۔ امام غزالی نے فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ اسے معنیٰ مسلم میں کہا جائے۔(ت)

[عه: هکذا فی نسختی بالتاء ویترأای لی انه "الفطرة" بالطاء ۱۲منه۔]

(اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میرے نسخہ میں اسی طرح تا سے ہے میرا خیال ہے کہ یہ طا کے ساتھ "فطرۃ" ہے ۱۲منہ (ت)

اس طور تو خود ابوطالب پر حکم کفر اس وقت سے ہوا جب بعد بعثت اقدس تسلیم واسلام سے انکار کیا، اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الاسنیٰ خود اسلام لاکر حکم تبعیت سے قطعاً منزہ ہو چکے تھے وللہ الحمد۔

بعض علماء قائل تفصیل ہوئے کہ اہل فترت کے مشرک معاقب اور موحد وغافل مطلقاً ناجی۔ یہ قول اشاعرہ سے امامین جلیلین نووی ورازی رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے۔

وتعقبه الامام الجلال السیوطی فی رسائله فی الابوین الکریمین رضی الله تعالٰی عنهما بما یرجع الی القول بالامتحان ۔ والعلامة ابوعبدالله محمد بن خلف الابی المالکی فی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم کما نقل کلامه فی المواهب ۔ اقول لکنه عاد، اٰخر الی تسلیمه حیث قال اولا لما دلّت القواطع علی انه لاتعذیب حتی تقوم الحجة علینا انهم غیر معذبین[26]اھ ثم استشعر ورود الاحادیث وقسمهم اٰخر الکلام الی موحد ومبدل وغافل، ثم قال فیحمل من صح تعذیبه علی اهل القسم الثانی لکفرهم بما تعدوابه من الخبائث، والله سبحٰنه وتعالٰی قدسمّٰی جمیع هٰذا القسم کفارًا ومشرکین فانا نجدالقرآن کلما حکٰی حال احدهم سجل علیهم بالکفر والشرك، کقوله تعالٰی "ماجعل الله من بحیرة ولاسائبة" ثم قال الله تعالٰی ولکن الذین کفروایفترون علی الله الکذب ط واکثرهم لایعقلون[27]۔ الخ، فهٰذا کماتری رجوع الٰی ما قاله هٰذاان الامامان من تعذیب من اشرك منهم۔ اقول وفی استدلاله بالاٰیة خفاء ظاهر اذلیست

25۔شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة، المقصد الاول، باب وفاة امه الخ، دارالمعرفة، بیروت، ۱ /۱۷۲۔

26۔المواهب اللدنیة، المقصد الاول، قضیة نجاة والدیه □ الخ، دارالمعرفة، بیروت، ۱ /۱۷۹۔

27۔المواهب اللدنیة، المقصد الاول، قضیة نجاة والدیه □، دارالمعرفة، بیروت، ۱ /۱۸۱۔

نصًّا فی ان المراد بهم من اخترع ذٰلك من اهل الفترة، بل الكفار لما تدينوا بتلك الاباطيل سجل عليهم بانهم يفترون على الله الكذب وبالجملة فمفاد الاٰية ان الكافرين يفترون لا ان المفترين كلهم كافرون، حتى يكون تسجيلا علٰى كفر اهل الفترة۔ اس قول کا امام جلال الدین سیوطی نے اسلام والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق اپنے رسائل میں تعاقب کیا ہے جس کا مآل یہ ہے کہ پہلے اہل فترت کا امتحان (پھر فیصلہ)۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف ابی مالکی نے بھی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم میں قول مذکور کا تعاقب کیا ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ان کا کلام منقول ہے، اقول مگر آخر میں چل کر انہوں نے اس قول کو تسلیم کر لیا ہے اس طرح کہ پہلے فرمایا کہ جب قطعی نصوص نے بتایا کہ حجت قائم ہوئے بغیر عذاب نہ دیا جائے گا تو ہم نے جانا کہ ان پر عذاب نہ ہوگا اھ۔ پھر انہیں خیال پیدا ہوا کہ تعذیب کے بارے میں تو حدیثیں بھی وارد ہیں تو آخر کلام میں اہل فترت کو انہوں نے تین قسموں موحد (۱)، مبدّل (۲)، اور غافل (۳) میں تقسیم کیا۔ پھر فرمایا کہ جن کی تعذیب کی صحت ثابت ہے انہیں قسم ثانی والوں پر محمول کیا جائیگا اس لئے کہ وہ اپنے برے افکار واعمال کے ذریعے حد سے تجاوز کرنے کے باعث کافر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے سارے لوگوں کو کفار ومشرکین کے نام سے موسوم کیا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ان میں سے جب کسی کا حال بیان فرماتا ہے تو صاف صاف انکے کافر ومشرک ہونے کا حکم ثبت فرما دیتا ہے جیسے یہ ارشاد باری ہے: اللہ نے مقرر نہ کیا بحیرہ (کان چرا) اور نہ سائبہ۔ پھر یہ ارشاد ہے: لیکن جو لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر بے عقل ہیں الخ۔ تو یہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اسی کی طرف رجوع ہے، جو امام نووی وامام رازی نے فرمایا کہ اہل فترت کے مشرکوں پر عذاب ہوگا۔

اقول (میں کہتا ہوں) ہاں علامہ ابی نے آیت مذکورہ سے جو استدلال کیا ہے اس میں کھلا ہوا خفا ہے کیونکہ آیت اس بارے میں نص نہیں ان سے اہل فترت ہی کے (بحیرہ وغیرہ کا اختراع کرنیوالے مراد ہیں، بلکہ کفار نے جب ان باطل چیزوں کو اپنے دین واعتقاد میں داخل کر لیا تو ان کے بارے میں یہ حکم ثبت فرمایا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ کافرین افترا کرتے ہیں، نہ یہ کہ سارے افترا کرنے والے کافر ہیں کہ اہل فترت کے کفر کی تصریح ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں یہی قول ائمہ بخارا کی طرف نسبت کیا: علی خلاف ماقدمنا عن القاری والطحطاوی وبحر العلوم رحمهم الله تعالٰی، حيث قال "نعم البخاريّون من الماتريدية وافقوا الاشاعرة، وحملوا قول الامام، لا عذر لاحد فی الجهل بخالقه، علٰى ما بعد البعثة، واختاره المحقق ابن الهمام فی التحرير۔ لكن هذا فی غير من مات معتقدا للكفر۔ فقد صرح النوری والفخر الرازی بان من مات قبل البعثة مشركا فهو فی النار، وعليه حمل بعض المالكية ما صح من

الاحادیث فی تعذیب اھل الفترة[28] الخ۔ "اس کے بر خلاف جو پہلے ہم نے مولانا علی قاری، طحطاوی اور بحر العلوم رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا، علامہ شامی نے اس طرح فرمایا کہ ہاں ماتریدیہ میں سے ائمہ بخارا اشاعرہ کے موافق ہوئے انہوں نے امام اعظم کے قول "اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کسی کے لئے کوئی عذر نہیں۔" کو مابعد بعثت پر محمول کیا، اسی کو محقق ابن الہمام نے تحریر میں اختیار کیا لیکن یہ قول جو لوگ کفر کا عقیدہ رکھتے ہوئے مر گئے ان کے علاوہ کے بارے میں ہے۔ امام نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح فرمائی ہے کہ جو قبل بعثت حالت شرک میں مر گئے جہنم میں ہوں گے۔ اسی پر بعض مالکیہ نے تعذیب اہل فترت سے متعلق احادیث صحیحہ کو محمول کیا ہے۔ (ت)

جمہور ائمہ ماتریدیہ قدست اسرارھم کے نزدیک اہل فترت کے مشرک(۱)، معاقب، موحد(۲)، ناجی، غافلوں(۳) میں جس نے مہلت فکر و تامل نہ پائی، ناجی، پائی(۴)، معاقب۔ وھو المؤید بما نقل عن امام المذھب رضی اللہ عنہ من قولہ لاعذر لاحد[29] الخ وحمل البخاریین لایجری فی قولہ الاٰخر فیما نقل عنہ وانہ لو لم یبعث اللہ رسولا لوجب علی الخلق معرفتہ بعقولھم لکن اولہ المحقق بحمل الوجوب علی العرفی۔ ای لکان ینبغی لھم ذلك۔ اقول ویرد علیٰ ظواھر ھذہ الاقوال جمیعا احادیث الامتحان وھی صحیحة کثیرة ولا ترد ولا ترام۔ یہی قول تائید یافتہ ہے اس سے جو امام مذہب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کسی کے لئے اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کوئی عذر نہیں الخ اور اہل بخارا کا بعدِ بعثت والوں پر اس قول کو محمول کرنا امام سے منقول اس دوسرے قول میں نہ چل سکے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی رسول مبعوث نہ فرماتا تو بھی مخلوق پر اپنی عقلوں کے ذریعہ خالق کی معرفت واجب ہوتی۔ لیکن محقق ابن الہمام نے اسے وجوب عرفی پر محمول کرکے تاویل کی ہے یعنی ان کے لئے یہی مناسب ہوتا۔ اقول ان تمام اقوال کے ظاہر پر احادیث امتحان سے اعتراض وارد ہوگا۔ اور یہ حدیثیں صحیح بھی ہیں کہ کثیر بھی۔ اس قابل نہیں کہ رد کی جائیں یا انہیں رد کرنے کا ارادہ کیا جائے۔

وقد عد السیوطی جملة منھا قال "والمصح منھا ثلثة"۔ امام سیوطی نے ان میں کچھ حدیثیں شمار کرائی ہیں، فرمایا کہ ان میں تصحیح یافتہ تین ہیں۔

الاول حدیث الاسود بن سریع وابی ھریرة معًا مرفوعًا، اخرجه احمد وابن راھویه والبیھقی وصححه وفیه واما الذی مات فی الفترة فیقول رب ما اتانی لك رسول، فیأخذ مواثیقھم لیطیعنه، فیرسل الیھم ان ادخلوا النار، فمن دخلھا کانت علیه بردًا وسلامًا، ومن لم یدخلھا سحب

28۔ ردالمحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲/ ۳۸۶۔

29۔ ردالمحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲/ ۳۸۶۔

الیها[30]۔اول: اسود بن سریع اورابوہریرہ دونوں حضرات کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج امام احمد اورابن راہویہ اور بیہقی نے کی ہے۔ اور بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔ اس حدیث میں ہے: لیکن وہ جو فترت میں مرگیا تو عرض کرے گا خداوندا! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہ آیا۔ تو ان سے عہد وپیمان لے گا کہ اب ضرور اس کا حکم مانیں گے۔ تو انہیں پیغام بھیجے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، جو داخل ہو گا اس پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جائے گی۔ جو نہ داخل ہو گا اسے گھسیٹ کر لایا جائے گا۔

والثانی حدیث ابی هریرة موقوفًا، وله حکم الرفع لان مثله لایقال من قبل الرأی ۔اخرجه عبدالرزاق وابن جریروابن ابی حاتم وابن المنذرفی تفاسیر هم، اسناده صحیح علی شرط الشیخین[31]۔

دوم: حضرت ابوہریرہ کی حدیث موقوف، یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔ اس کی تخریج عبدالرزاق نے کی ہے اورابن جریروابن ابی حاتم وابن المنذر نے اپنی تفاسیر میں کی ہے، اسکی اسناد صحیح برشرط شیخین ہے۔

والثالث حدیث ثوبان مرفوعًا، اخرجه البزار والحاکم فی المستدرك وقال صحیح علی شرط الشیخین، واقره الذهبی[32]۔الخسوم: حضرت ثوبان کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج بزار نے کی ہے، اور حاکم نے مستدرک میں تخریج کرکے فرمایا کہ صحیح برشرط شیخین ہے، اور ذہبی نے اسے مقرر رکھا۔

وذٰلك لان الامتحان یعصب الوقف والقول بشیئ یخالفه بید ان تمام وروده انما هو علی الاشاعرة الذین اطلقوا القول بالنجاة اما المفصلون من اصحابنا فلهم ان یقولوا ینجوهذا یعاقب ذاك۔ ولٰکن یکون ذٰلك بعدالامتحان ۔ ولی هٰهنا کلام اٰخر فی تحقیق المرام لااذکره لخوف الاطالة وغرابة المقام فلنرجع الٰی ماکنافیه۔وجہ اعتراض یہ ہے کہ جب فیصلہ بعد امتحان ہو گا تو ہم پر توقف لازم ہے، اور کوئی صریح حکم لگا دینا اس کے خلاف ہے، لیکن یہ سارا اعتراض ان اشاعرہ پر ہے جو مطلقًا نجات کے قائل ہیں لیکن ہمارے اصحاب میں سے اہل تفصیل یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ ناجی ہو گا وہ معاقب۔ لیکن فیصلہ بعد امتحان ہو گا۔ اور یہاں تحقیق مقصود میں میرا ایک دوسرا کلام ہے جسے خوف طوالت اوراجنبیت مقام کے باعث ترک کر رہا ہوں، اب ہم اصلی بحث کی طرف رجوع کریں۔(ت)

ان دونوں قولوں پر بس حکم کفر کے لئے صراحتًا اختیار شرک، یابر قول آخر وصف مہلت تامل، ترکِ توحید کا ثبوت

30۔شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة، بحواله السیوطی، المقصد الاول، باب وفاة امه الخ، دارالمعرفة، بیروت، ۱/ ۱۷۲۔۱۷۳۔
31۔شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة، بحواله السیوطی، المقصد الاول، باب وفاة امه الخ، دارالمعرفة، بیروت، ۱/ ۱۷۲۔۱۷۳۔
32۔شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة، بحواله السیوطی، المقصد الاول، باب وفاة امه الخ، دارالمعرفة، بیروت، ۱/ ۱۷۲۔۱۷۳۔

لازم۔ ہم پوچھتے ہیں مخالف کے پاس کیا حجت ہے کہ زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا موحدہ یا غافلہ نہ تھیں حالانکہ بہت عورتوں کی نسبت یہی مظنون کما قدمنا عن الزرقانی عن السیوطی (جیسا کہ ہم بحوالہ زرقانی امام سیوطی سے ماقبل میں ذکر کرچکے ہیں۔ت) مخالف جو دلیل رکھتا ہے پیش کرے اور جب نہ پیش کرسکے تو رجماً بالغیب حکم تبعیت پر کیونکر منہ کھول دیا۔ کیا اطلاق کفر اور وہ بھی معاذاللہ ایسی جگہ محض اپنے تراشیدہ اوہام پر ہوسکتا ہے؟ کیا محتمل نہیں کہ وہ اس وقت بھی ان لوگوں میں ہوں جو بالاتفاق ناجی ہیں، تو ولد انہیں کا تابع ہوگا اور بالتبع بھی حکم کفر ہرگز صحیح نہ ہوسکے گا۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار میں مسلم وکافرہ سے مولود بالزنا کی نسبت فرماتے ہیں: یظھر لی الحکم بالاسلام للحدیث الصحیح کل مولود یولد علی الفطرۃ حتی یکون ابواہ ھما اللذان یھودانہ اوینصرانہ، فانھم قالوا انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعل اتفاقھما ناقلا عن الفطرۃ فان لم یتفقا بقی علی اصل الفطرۃ، وایضاً حیث نظروا للجزئیۃ فی تلك السائل احتیاطا فلینظر الیھا ھٰھُنا احتیاطا ایضا، فان الاحتیاط بالدین اولٰی ولان الکفر اقبح القبیح فلا ینبغی الحکم بہ علی شخص بدون امر صریح[33] اھ ملخصًا۔ مجھے اس کے مسلمان ہونے کا حکم کرنا ہی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ حدیث صحیح ہے کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ دونوں ہی اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ علماء نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ماں اور باپ دونوں کے اتفاق کو دین فطرت سے منتقل کرنے والا ٹھہرایا۔ تو اگر دونوں متفق نہ ہوں تو بچہ اصل فطرت پر رہے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ علماء نے جب ان مسائل میں احتیاطاً جزئیت کا لحاظ کیا تو یہاں بھی احتیاطاً لحاظِ جزئیت ہونا چاہئے کیونکہ دین کے معاملہ میں احتیاط ہی اولیٰ ہے۔ اور اس لئے بھی کہ کفر سب سے بدتر قبیح ہے تو کسی شخص پر کسی امر صریح کے بغیر حکم کفر لگانا مناسب نہیں۔ اھ ملخصًا(ت)

سبحان اللہ! اس جرأت کی کوئی حد ہے کہ مدعاعلیہ اسد اللہ الغالب اور دلیل و گواہ مفقود وغائب، انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ت)

ثانیاً باجماع ائمہ اشاعرہ قدست اسرارھم، حسن وقبح مطلقاً شرعی ہیں۔ تو قبل شرع اصلاً کسی شیئ کی نسبت ایجاب یا تحریم کچھ نہیں۔ بعض ائمہ ماتریدیہ تمت انوارھم بھی بآنکہ قائل عقلیت ہیں مگر تعرف عقل قبل سمع کو مستلزم حکم و شغل ذمہ مکلف (عہ) نہیں جانتے۔ یہی مذہب امام ابن الہمام نے اختیار فرمایا اور انہیں کی تبعیت فاضل محب اللہ بہاری نے کی۔

[عہ: یعنی بعض ائمہ ماتریدیہ مانتے ہیں کہ کچھ اشیاء کے حسن وقبح کا ادراک عقل سے ہوتا ہے مگر وہ اس کے قائل نہیں کہ شریعت آنے سے پہلے ہی محض عقل کے ادراک پر مکلف بندہ ذمہ دار ہوجائے اور اس پر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا لازم ہوجائے ۱۲ محمد احمد]

33۔ ردالمحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲/ ۳۹۴۔

مسلم الثبوت و فواتح الرحموت میں ہے: (عندنا) وعند المعتزلة عقلی لٰکن عندنا من متاخری الماتریدیہ لایستلزم هذا الحسن والقبح حکمًا من الله سبحٰنه فی العبد فمالم یحکم الله تعالٰی بارسال الرسل وانزال الخطاب لیس هناك حکم اصلاً ومن هٰهنا شرطنا بلوغ الدعوة فی تعلق التکلیف فالکافر الذی لم تبلغه الدعوة غیر مکلف بالایمان ایضًا ولا یؤاخذ بکفره[34] اھ ملخصًا۔ اشیاء کا حسن و قبح ہمارے نزدیک اور معتزلہ کے نزدیک عقلی ہے لیکن ہم متاخرین ماتریدیہ کے نزدیک یہ حسن و قبح بندے کے بارے میں اللہ سبحٰنہ کی طرف سے کسی حکم کو مستلزم نہیں، تو جب تک اللہ نے رسولوں کو بھیج کر اور خطاب نازل فرما کر کوئی حکم نہ فرمایا یہاں بالکل کوئی حکم نہیں۔ یہیں سے ہم نے کہا کہ مکلف ہونے کا تعلق اس شرط کے ساتھ ہے کہ دعوت پہنچی ہو تو وہ کافر جسے دعوت نہ پہنچی وہ ایمان کا بھی مکلف نہیں اور اس کے کفر پر بھی اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ اھ ملخصًا (ت)

حاصل البحث ان هٰهنا ثلثة اقوال: حاصل بحث یہ ہے کہ یہاں تین اقوال ہیں:

الاول مذهب الاشعریه ان الحسن والقبح فی الافعال شرعی وکذٰلك الحکم۔ اول مذہب اشعریہ کہ افعال کا حسن و قبح شرعی ہے۔ اسی طرح حکم افعال بھی شرعی ہے۔

الثانی انهما عقلیان وهما مناطان لتعلق الحکم۔ فاذاادرك فی بعض الافعال کالایمان والکفر والشرك والکفران یتعلق الحکم منه تعالٰی بذمة العبد وهو مذهب هٰؤلاء الکرام والمعتزلة، الا انه عندنا لاتجب العقوبة بحسب القبح العقلی کما لاتجب بعدورود الشرع لاحتمال العفو بخلاف هٰؤلاء[35]۔ دوم حسن و قبح عقلی ہیں اور ان پر تعلق حکم کا مدار ہے۔ تو جب بعض افعال میں حکم کا ادراک ہو جائے جیسے ایمان کفر، شرک اور کفران میں تو اللہ تعالٰی کی طرف سے بندے کے ذمہ حکم متعلق ہو جائے گا، یہی ان علمائے کرام اور معتزلہ کا مذہب ہے، مگر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قبح عقلی کے اعتبار سے عقوبت واجب نہیں ہو جاتی جیسا کہ ورود شرع کے بعد واجب نہیں کیونکہ عفو کا احتمال ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ واجب مانتے ہیں۔

الثالث عقلیان ولیسا موجبین للحکم ولا کاشفین عن تعلقه وهو مختار الشیخ ابن الهمام وتبعه المصنف ورأیت فی بعض الکتب وجدت مشائخنا الذین لاقیتهم قائلین مثل قول الاشعریة[36] اھ بتلخیص۔ سوم حسن و قبح عقلی ہیں۔ اور اتنے ہی سے وہ تعلق حکم کے موجب یا مظہر نہیں۔ یہی شیخ ابن الہمام کا مختار ہے اور مصنف نے اسی کا اتباع کیا ہے۔ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا کہ میں نے اپنے ان مشائخ کو جن سے میں نے

34۔ فواتح الرحموت، بذیل المستصفی، المقالة الثانیه، الباب الاول، منشورات الشریف الرضی قم ایران، ۱/ ۲۵۔

35۔ فواتح الرحموت، بذیل المستصفی، المقالة الثانیه، الباب الاول، منشورات الشریف الرضی قم ایران، ۱/ ۲۹۔

36۔ فواتح الرحموت، بذیل المستصفی، المقالة الثالثه، الباب الاول، منشورات الشریف الرضی قم ایران، ۱/ ۲۹۔

ملاقات کی ہے اشعریہ کے قول کا قائل پایا اھ بتلخیص۔(ت)

ان دونوں قولوں پر قبل شرح حکم اصلاً نہیں، تو عصیان نہیں، کہ عصیان مخالفت حکم کا نام ہے۔

ولذا قال الامام ابن الھمام کیف تحقق طاعۃ او معصیۃ قبل ورود امر ونھی۔ اسی لئے ابن الہمام نے فرمایا کہ امر و نہی وارد ہونے سے پہلے کسی طاعت یا معصیت کا تحقق کیسے!(ت)

اور جب عصیان نہیں کفر بالاولیٰ نہیں کہ وہ اخبث معاصی ہے اور انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص۔ یوں بھی خود ابوطالب پر تا زمان فترت حکم کفر نہ تھا، جب کفر کیا تبعیت کا اصلاً محل نہ تھا۔

جماہیر ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اگرچہ عقل کو مُعَرِّفِ حکم مانتے ہیں، مگر نہ مطلقاً کہ یہ تو سفاہت سفہائے معتزلہ وروافض وکرامیہ و براہمہ خذلھم اللہ تعالٰی (اللہ تعالیٰ خان کو رسوا کرے۔ت) ہے۔ بلکہ امثال توحید و شکر و ترک کفران وکفر وغیرہا امور عقلیہ غیر محتاج سمع میں۔ اس مذہب پر پھر وہی سوال ہوگا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا زمان فترت میں ارتکاب شرک واجتناب توحید ثابت کرو۔ اگر نہ ثابت کر سکو تو کیا مولی المسلمین ولی رب العٰلمین حبیب سیّد المرسلین ﷺ پر ایسے شنیع لفظ کا اطلاق بے دلیل کر دیا جائے گا؟

ثالثاً اس سب سے تنزل کیجئے اور تا ظہور بعثت ان دونوں زن وشو کا کفرمان ہی لیجئے تو اب ایک ذرا نظر انصاف درکار کہ امر دوم کا پتا نہ لگا رہا نہ رہے۔

ناسمجھ بچے کو بہ تبعیت والدین یا دار کافر کہنے کے ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں کہ وہ حقیقۃً کافر ہے کہ یہ تو بداہۃً باطل۔ وصف کفر یقیناً اس سے قائم نہیں، بلکہ اسلام فطری سے متصف ہے کما قدمنا (جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ت) یہ اطلاق صرف ازروئے حکم ہے یعنی شرعاً اس پر وہ احکام ہیں جو اس کے باپ یا اہل دار پر ہیں وہ بھی نہ مطلقاً بلکہ صرف دنیوی، مثلاً وہ اپنے کافر مورث کا ترکہ پائے گا نہ مسلم کا، کافر وارث کو اس کا ترکہ ملے گا نہ مسلم کو، کافرہ سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے نہ مسلمہ سے، وہ مر جائے تو اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے، مسلمانوں کی طرح غسل وکفن نہ دیں گے، مقابر مسلمین میں دفن نہ کریں گے الی غیر ذٰلک من الاحکام الدنیویۃ (اس کے علاوہ دیگر دنیوی احکام۔ت)

فتح القدیر میں ہے: تبعیۃ الابوین او احدھما ای فی احکام الدنیا لا فی العقبٰی[37]۔ والدین یا ان میں سے کسی ایک کے تابع ہونا یعنی دنیوی احکام میں ہے نہ کہ اخروی احکام میں(ت)

بحرالرائق میں ہے: اعلم ان المراد بالتبعیۃ التبعیۃ فی احکام الدنیا لا فی العقبٰی[38]۔ تو جان لے کہ تابع ہونے سے مراد دنیاوی احکام میں تابع ہونا ہے نہ کہ اخروی احکام میں۔(ت)

37۔ فتح القدیر، باب الجنائز، فصل فی الصلوٰۃ علی المیت، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ۲/ ۹۴۔

38۔ بحرالرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلوٰتہ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۲/ ۱۹۰۔

شرنبلالیہ میں ہے: التبعیۃ انما هی فی احکام الدنیا لافی العقبیٰ [39]۔ تابع ہونا تو محض دنیاوی احکام میں ہے نہ کہ اخروی احکام میں۔(ت)

در مختار میں ہے: تبع له ای فی احکام الدنیا لاالعقبی لما مر انهم خدم اهل الجنة [40] بچہ والدین میں سے کسی کے تابع ہے یعنی دنیاوی احکام میں نہ کہ اخروی احکام میں، کیونکہ گزر چکا ہے کہ انکے بچے جنتیوں کے خادم ہوں گے۔(ت)

اور جب یہ تبعیت صرف احکام دنیوی میں ہے تو اس کا ثبوت احکام دنیا کے وجود پر موقوف۔ اگر دنیا میں کوئی حکم ہی نہ ہو تو تبعیت کس چیز میں ہوگی؟ اور پر ظاہر کہ قبل بعثت ان امور میں کوئی حکم شرعی اصلاً اجماعاً متحقق نہ تھا۔ تو اس وقت تک کسی ناسمجھ بچے کا بہ تبعیت والدین کافر قرار پانا ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا کہ نہ حکم نازل، نہ تبعیت حاصل۔ هکذا ینبغی التحقیق واللّٰہ سبحٰنہ ولی التوفیق (یونہی تحقیق چاہیے اور اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ توفیق کا مالک ہے۔ت)

اس تحقیق انیق سے بتوفیق اللہ تعالیٰ روشن ہوگیا کہ بحمدہ سبحٰنہ تبعًا حکمًا اسمًا وهمًا کسی طرح کسی نوع یہ لفظ شنیع حضرت مولیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنٰی پر صادق نہ ہوا۔

روز الست سے ابد الآباد تک ان کا دامن ایمان مامن اس لوث (آلودگی) سے اصلاً جزمًا قطعًا مطلقًا پاک وصاف منزہ رہا۔ والحمد للّٰہ رب العٰلمین (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

هذا كله ما فاض على قلب الفقير: من فيض اللطيف الخبير: واسأل الله تعالٰى ان يجعله ذريعة مقبولة لحفظ ايمان هٰذا الضعيف الحقير ليوم لقاء الملك الجواد القدير۔ ولاحول ولاقوة الا بالله العلى الكبير: وصلى الله تعالٰى وبارك وسلم على الامان المؤمن المولى النصير الشفيع الرفيع المبشر البشير: وعلٰى اٰله وصحبه واهله وحزبه وعلى ن المرتضى الامام الامير: وعلينا بهم ولهم وفيهم، اٰمين يا ربنا السميع البصير۔ یہ سب وہ ہے جو قلب فقیر پر لطیف خبیر کے فیض سے فائض ہوا اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ اس کو بادشاہ جواد قدیر کی ملاقات کے دن تک اس ضعیف حقیر کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ مقبولہ بنادے، اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر اللہ علی کبیر ہی سے، اور اللہ رحمت وبرکت وسلامتی نازل فرمائے امن دینے والے امان، نصرت فرمانے والے مولیٰ، بلند شفیع، خوشخبری دینے والے مبشر پر اور ان کی آل، اصحاب، اہل جماعت اور علی مرتضیٰ امام امیر پر، اور ہم پر ان حضرات کے وسیلہ اور ان کے سبب سے اور ان کے زمرہ میں، قبول فرمائے ہمارے سننے دیکھنے والے رب!

39۔ غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر، باب الجنائز، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ۱/۱۶۲۔

40۔ الدر المختار، باب صلوٰۃ الجنائز، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱/۱۲۳۔

تکمیل بحمد اللہ تعالیٰ یہی فضل اجل واجمل، بلکہ اس سے بھی اعلیٰ واکمل، نصیب حضرت امیر المومنین، امام المشاہدین، افضل الاولیاء المحمدیین، سیدنا ومولانا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ حکم تبعیت تو انہیں وجوہ بالا سے باطل۔ چند برس کی عمر شریف ہوئی کہ پرتوشانِ خلیل اللّٰہی بت خانہ میں بت شکنی فرمائی۔ ان کے والد ماجد سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ (کہ وہ بھی صحابی ہوئے) اس زمانۂ جاہلیت میں انہیں بت خانے لے گئے اور بتوں کو دکھا کر کہا: ھٰذِہٖ اٰلھتك الشم العلیٰ فاسجدلھا یہ تمہارے بلند وبالا خدا ہیں انہیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر گئے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور براہ اظہار عجز صنم وجہل صنم پرست ارشاد فرمایا: انی جائع فاطعمنی میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا۔ فرمایا: انی عار فاکسنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا: میں تجھ پر پتھر ڈالتا ہوں۔ فان کنت الٰھًا فامنع نفسك اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ اب بھی نرابت بنا رہا۔ آخر بقوت صدیقی پتھر پھینکا کہ وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گرا۔ والد ماجد واپس آتے تھے یہ ماجرا دیکھا، کہا: اے میرے بچے! یہ کیا کیا؟ فرمایا: وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں؟ وہ انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (کہ وہ صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا انہوں نے فرمایا: اس بچے سے کچھ نہ کہو، جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا، میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے۔ یا امۃ اللہ علی التحقیق: ابشری بالولد العتیق: اسمهٗ فی السماء الصدیق: لمحمد صاحب ورفیق: رواہ القاضی ابوالحسین احمد بن محمد الزبیدی بسندہ فی "معالی الفرش الی عوالی العرش[41]" وقد ذکرنا الحدیث بطولہ فی کتابنا المبارك ان شاء اللہ تعالیٰ مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین۔ اے اللہ کی سچی لونڈی! تجھے خوشخبری ہو اس آزاد بچے کی، اس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یار ورفیق ہے۔ (اسے قاضی ابوالحسین احمد بن محمد زبیدی نے) "معالی الفرش الی عوالی العرش" میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ہم نے پوری حدیث طویل اپنی کتاب "مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین" میں بیان کیا ہے جو بابرکت (کتاب) ہے اگر اللہ نے چاہا۔ ت)

سولہ برس کی عمر میں حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پکڑے کہ عمر بھر نہ چھوڑے، اب بھی پہلوئے اقدس میں آرام کرتے ہیں، روز قیامت دست بدست حضور اٹھیں گے، سایہ کی طرح ساتھ ساتھ داخل خلد بریں ہوں گے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے فوراً بے تامل ایمان لائے، ولہذا سیدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

41۔ ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، بحوالہ معالی الفرش الی عوالی العرش، باب اسلام ابی بکر، دار الکتاب العربی، بیروت، ۶/ ۱۸۸، ۱۸۷۔

لم يزل ابوبكر الصديق رضی الله تعالٰی عنه بعين الرضا منه[42]۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی میں رہے۔(ت)

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں: اختلف الناس فی مراده بهٰذا الكلام فقيل لم يزل مؤمنا قبل البعثة وبعدها وهو الصحيح المرتضٰى[43] اس کلام سے امام اشعری کی مراد میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بیان مراد میں ایک قول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مومن رہے، قبل بعثت بھی، بعد بعثت بھی۔ یہی قول صحیح وپسندیدہ ہے(ت)

امام اجل سید ابوالحسن علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی قدس سرہ الملکی فرماتے ہیں: الصواب ان يقال ان الصديق رضی الله تعالٰی عنه لم يثبت عنه حالة كفر بالله كما ثبتت عن غيره ممن اٰمن۔ وهو الذی سمعناه من اشياخنا ومن يقتدٰی به وهو الصواب ان شاء الله تعالٰی[44]۔ صحیح یہ کہنا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے متعلق کوئی حالت کفر ثابت نہ ہوئی جیسا کہ دوسرے ایمان والوں سے متعلق ثابت ہوئی۔ یہی ہم نے اپنے شیوخ اور پیشواؤں سے سنا ہے اور یہی حق ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

الحمدللہ یہ اجمالی جواب، موضح صواب، نہم جمادی الاخری روز شنبہ کو تمام اور بلحاظ تاریخ "تنزيه المكانة الحيدرية عن وصمة عهد الجاهلية" نام ہوا۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمدلله رب العٰلمين، وصلی الله تعالٰی علٰی خير خلقه وسراج افقه سيدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اجمعين، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم، وعلمه جل مجده اتم وحكمه عزشانهٗ احكم۔ اور ہماری دعا کا اختتام یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے بہترین مخلوق، اس کے افق کے سراج ہمارے آقا ومولٰی محمد پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ پر۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اس کا علم اتم اور اس کا حکم مضبوط ہے۔(ت)

42۔ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ، دارالکتاب العربی، بیروت، ۶/ ۱۸۷۔
43۔ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ، دارالکتاب العربی، بیروت، ۶/ ۱۸۷۔
44۔ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ، دارالکتاب العربی، بیروت، ۶/ ۱۸۷۔

جمادی الاخریٰ

مشمولات	صفحہ نمبر

بہ حضور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خاص اس سابقِ سیرِ قربِ خدا
اوحدِ کاملیّت پہ لاکھوں سلام

سایۂ مصطفیٰ مایۂ اصطفیٰ
عزّ و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام

یعنی اُس افضل الخلق بعد الرسل
ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

اصدق الصادقیں سید المتقیں
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

غَایَۃُ التَّحْقِیۡقِ
فِیۡ اِمَامَۃِ الْعَلِیِّ وَالصِّدِّیۡقِ

(۱۳۳۱ھ)

(تحقیق کی انتہا حضرت علی مرتضیٰ اور
حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلّما

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلہ اول: رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وعترتہٖ وسلم نے وقتِ رحلت یا کسی اور وقت اپنے بعد اپنا جانشین کس کو مقرر کیا؟

الجواب

جانشینی ونیابت دو قسم ہے:

اول ۱: جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لیے دوسرے کو اپنا نائب کرے، جیسے بادشاہ کا لڑائی میں کسی کو سردار بنا کر بھیجنا یا کسی کو ضلع کی حکومت دینا یا تحصیلِ خراج پر مامور کرنا، یا کہیں جاتے ہوئے انتظام شہر سپرد کر جانا، اس قسم کا استخلاف صریح حضورِ پُرنور سیّد یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وعترتہٖ وازواجہ وصحابتہ اجمعین وبارک وسلم سے بارہا واقع ہوا، جیسے بعض غزوات میں امیر المومنین صدیق اکبر بعض میں حضرت اسامہ بن زید۔ غزوہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تحصیلِ زکوٰۃ پر امیر المومنین فاروقِ اعظم وحضرت خالد بن ولید وغیرہما رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا۔ یہ بھی یقیناً حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت تھی کہ اخذ صدقات اصل کام حضورِ والا صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ کا ہے۔ قال تعالیٰ: خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا

وَصَلِّ عَلَیۡھِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمۡ[1]۔ اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔(ت)

تعلیمِ قرآن و دین کے لئے قرائے کرام شہدائے عظام کو مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب بن اسید کو مکہ معظمہ، حضرت معاذ بن جبل کو ولایتِ جَنَد، حضرت ابو موسیٰ اشعری کو زبید و عدن، حضرت ابوسفیان والد امیر معاویہ یا حضرت عمرو بن حزم کو شہر نجران، حضرت زیاد بن لبید کو حضرموت، حضرت خالد سعید اموی کو صنعا، حضرت عمرو بن العاص کو عمان کا ناظم صوبہ کیا۔ باذان بن سباسان کیانی مغل کو صوبہ داری یمن پر مقرر رکھا۔ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو ملک یمن کا عہدۂ قضا بخشا۔ ۸ھ میں حضرت عتّاب، ۹ھ میں حضرت ابو بکر صدیق اکبر کو امیر الحاج بنایا۔ بعض وقائع میں امیر المومنین فاروق اعظم، بعض میں حضرت معقل بن یسار، بعض میں حضرت عقبہ کو حکم قضا دیا۔ غزوۂ تبوک کو تشریف لے جاتے وقت امیر المومنین علی مرتضیٰ کو اہلِ بیت کرام، اور غزوہ بدر میں حضرت ابولبابہ، اور تیرہ غزوات واسفار کو نہضت فرماتے حضرت عمرو ابن ام مکتوم کو مدینۂ طیبہ کا امیر ووالی فرمایا۔ ازاں جملہ غزوہ ابواء کہ حضور اقدس ﷺ کا پہلا غزوہ تھا و غزوہ بواط و غزوہ ذی العشیرہ و غزوہ طلب کرز بن جابر و غزوۂ سویق و غزوۂ غطفان و غزوۂ احد و غزوۂ حمراء الاسد و غزوہ نجران و غزوہ ذات الرقاع و سفر حجۃ الوداع کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پچھلا سفر تھا رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

لخصنا کل ذٰلك من صحیح البخاری وشروحه ولمواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة وشرحها للزرقانی والاصابة فی تمییز الصحابة للامام الحافظ العسقلانی رحمة الله تعالیٰ علیهم اجمعین۔ یہ سب ہم نے تلخیص کی صحیح بخاری اور اس کی شرحوں، مواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ اور اسکی شرح زرقانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف الاصابہ فی تمییز الصحابہ سے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت نازل فرمائے۔(ت)

دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہو سکتی یعنی امام کا اپنے بعد کسی کیلئے امامتِ کبریٰ کی وصیت فرمانا۔ اس کا نص صریح علی الاعلان بتصریح نام حضور اعلیٰ ﷺ نے کسی کے واسطے نہ فرمایا، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور پیش کرتے اور قریش وانصار میں دربارہ خلافت مباحثے مشاورے نہ ہوتے۔ امیر المومنین امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے باسانیدِ صحیحہ قویہ ثابت کہ جب ان سے عرض کی گئی: استخلف علینا ہم پر کسی کو خلیفہ کر دیجیے۔ فرمایا: لاولکن اترککم کما ترککم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم میں کسی کو خلیفہ نہ کروں گا بلکہ یونہی چھوڑوں گا جیسے رسول اللہ ﷺ چھوڑ گئے تھے۔

1۔ القرآن الکریم ۹ /۱۰۳۔

اخرجه الامام احمد[2] بسند حسن والبزار بسند قوی والدار قطنی وغیرهم (اس کو امام احمد نے بسندِ حسن اور بزار نے بسندِ قوی اور دار قطنی وغیرہم نے روایت کیا۔ت)

بزار کی روایت میں بسند صحیح ہے حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا: ما استخلف رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاستخلف علیکم[3]۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہ کیا کہ میں کروں۔

دار قطنی کی روایت میں ہے، ارشاد فرمایا: دخلنا علی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقلنا یارسول الله استخلف علینا قال لا، ان یعلم الله فیکم خیرا یول علیکم خیرکم قال علی رضی الله تعالٰی عنه فعلم الله فینا خیرا فولی علینا ابابکر[4] (رضی الله تعالٰی علیهم اجمعین) ہم نے خدمت اقدس حضور سیّد المرسلین ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ ہم پر کسی کو خلیفہ فرما دیجیے۔ ارشاد ہوا: نہ، اگر اللہ تعالیٰ تم میں بھلائی جانے گا تو جو تم سب میں بہتر ہے اسے تم پر والی فرمادے گا۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: رب العزۃ جل وعلا نے ہم میں بھلائی جانی پس ابو بکر کو ہمارا والی فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امام اسحٰق بن راہویہ ودار قطنی وابن عساکر وغیرہم بطرقِ عدیدہ واسانیدِ کثیرہ راوی، دو شخصوں نے امیر المومنین مولیٰ علی کرم للہ وجہہ الکریم سے ان کے زمانہ خلافت میں دربارۂ خلافت استفسار کیا: اعهد عهده الیك النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ام رائ رایته۔ کیا یہ کوئی عہد و قرارداد حضورِ اقدس ﷺ کی طرف سے ہے یا آپ کی رائے ہے؟ فرمایا: بل رائی رایته۔ بلکہ ہماری رائے ہے اما ان یکون عندی عهد من النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عهده الی فی ذٰلك فلا، والله لئن کنت اول من صدق به فلاکون اول من کذب علیه۔ رہا یہ کہ اسباب میں میرے لیے حضور پر نور ﷺ نے کوئی عہدہ قرارداد فرمادیا ہو سو خدا کی قسم ایسا نہیں اگر سب سے پہلے میں نے حضور کی تصدیق کی تو میں سب سے پہلے حضور پر افترا کرنے والا نہ ہوں گا۔ ولو کان عندی منه عهد فی ذٰلك ما ترکت اخابنی تیم بن مرۃ وعمر بن الخطاب یثوبان علٰی منبره ولقاتلتهما بیدی ولولم اجد الا بردتی هذه۔ اور اگر اسباب میں حضور والا ﷺ کی طرف سے میرے پاس کوئی عہد ہوتا تو میں ابو بکر و عمر کو منبر اطہر حضور اقدس ﷺ

2۔ مسند امام احمد بن حنبل، عن علی رضی اللہ عنہ، المکتب اسلامی، بیروت، ۱/۱۳۰۔
الصواعق المحرقة، الباب الاول، الفصل الخامس، دار الکتب العلمیة، بیروت، ص:۷۰۔
کشف الاستار عن زوائد البزار، باب فی قتله، حدیث ۲۵۷۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۳/۲۰۳۔
کنز العمال بحواله ك وابن السنی، حدیث ۳۶۵۶۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۳/۱۸۹۔

3۔ الصواعق المحرقة بحواله البزار، الباب الاول، الفصل الخامس، دار التکب العلمیة، بیروت، ص:۷۰۔

4۔ الصواعق المحرقة بحواله الدار قطنی، الباب الاول، الفصل الخامس، دار التکب العلمیة، بیروت، ص:۷۰۔

پر جست نہ کرنے دیتا اور بیشک اپنے ہاتھ سے ان سے قتال کرتا اگرچہ اپنی اس چادر کے سوا کوئی ساتھی نہ پاتا۔ ولکن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یقتل قتلا ولم یمت فجأہ مکث فی مرضہ ایاما ولیالی یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر اباٰبکر فیصلی بالناس وھو یری مکانی ثم یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر ابابکر فیصلی بالناس وھو یری مکانی۔ بات یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ معاذاللہ کچھ قتل نہ ہوئے نہ یکایک انتقال فرمایا بلکہ کئی دن رات حضور کو مرض میں گزرے۔ مؤذن آتا نماز کی اطلاع دیتا، حضور ابو بکر کو امامت کا حکم فرماتے حالانکہ میں حضور کے پیش نظر موجود تھا پھر مؤذن آتا اطلاع دیتا حضور ابو بکر ہی کو امامت دیتے حالانکہ میں کہیں غائب نہ تھا۔

ولقد ارادت امرأۃ من نسائہ ان تصرفہ عن ابی بکر فابی وغضب وقال "انتن صواحب یوسف مروا ابابکر فلیصل بالناس"۔ اور خدا کی قسم ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی نے اس معاملے کو ابو بکر سے پھیرنا چاہا تھا، حضور اقدس ﷺ نے نہ مانا اور غضب کیا اور فرمایا تم وہی یوسف (علیہ السلام) والیاں ہو۔ ابو بکر کو حکم دو کہ امامت کرے۔

فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نظرنا فی امورنا فاخترنا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لدیننا فکانت الصلٰوۃ عظیم الاسلام وقوام الدین، فبایعنا ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فکان لذٰلک اھلالم یختلف علیہ منا اثنان۔ پس جبکہ حضور پرنور ﷺ نے انتقال فرمایا ہم نے اپنے کاموں میں نظر کی تو اپنی دنیا یعنی خلافت کے لیے اسے پسند کرلیا جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین یعنی نماز کے لیے پسند فرمایا تھا کہ نماز تو اسلام کی بزرگی اور دین کی درستی تھی لہٰذا ہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور وہ اس کے لائق تھے ہم میں کسی نے اس بارے میں خلاف نہ کیا۔ یہ سب کچھ ارشاد کرکے حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی نے فرمایا:

فادیت الٰی ابی بکر حقہ وعرفت لہ طاعتہ وغزوت معہ فی جنودہ وکنت اٰخذ اذا اعطانی واغزو اذا غزانی واضرب بین یدیہ الحدود بسوطی [5]۔ پس میں نے ابو بکر کو ان کا حق دیا اور ان کی اطاعت لازم جانی اور ان کے ساتھ ہو کر ان کے لشکروں میں جہاد کیا جب وہ مجھے بیت المال سے کچھ دیتے میں لے لیتا اور جب مجھے لڑائی پر بھیجتے میں جاتا اور انکے سامنے اپنے تازیانے سے حد لگاتا۔

5۔ تاریخ دمشق الکبیر، ترجمہ ۵۰۲۹، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۴۵/۷ ۳۳ تا ۳۳۹۔
الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی و ابنِ عساکر و ابن اسحاق بن راھویہ، الباب الاول، الفصل الخامس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ص: ۷۰ تا ۷۲۔

پھر بعینہٖ یہی مضمون امیر المومنین فاروقِ اعظم وامیر المومنین عثمان غنی کی نسبت ارشاد فرمایا، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ہاں البتہ اشارات جلیلہ واضحہ بارہا فرمائے، مثلاً:

(۱) ایک بار ارشاد ہوا میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں۔ اس پر ایک ڈول ہے۔ میں اس سے پانی بھر تا رہا جب تک اللہ نے چاہا پھر ابو بکر نے ڈول لیا۔ دو ایک بار کھینچا پھر وہ ڈول ایک پل ہو گیا جسے چرسہ کہتے ہیں اسے عمر نے لیا تو میں نے کسی سردار زبردست کو اس کام میں انکے مثل نہ دیکھا یہاں تک کہ تمام لوگوں کو سیراب کر دیا کہ پانی پی پی کر اپنی فرود گاہ کو واپس ہوئے۔ رواہ الشیخان[6]۔ عن ابی ھریرۃ وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھم (اس کو شیخین نے ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔ ت)

(۲) امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں میں نے بارہا بکثرت حضور اقدس ﷺ کو فرماتے سنا کہ ہوا میں اور ابو بکر وعمر، کیا میں نے اور ابو بکر وعمر نے، چلا میں اور ابو بکر۔ رواہ الشیخان[7] عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما (اس کو شیخین نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ ت)

(۳) ایک بار حضور اقدس ﷺ نے فرمایا آج کی رات ایک مردِ صالح (یعنی خود حضور پُر نور ﷺ) نے خواب دیکھا کہ ابو بکر رسول اللہ ﷺ سے متعلق ہیں اور عمر ابو بکر سے اور عثمان عمر سے جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب ہم خدمتِ اقدسِ حضورِ والا ﷺ سے اٹھے آپس میں تذکرہ کیا کہ مردِ صالح تو حضورِ اقدس ﷺ ہیں اور بعض کا بعض سے تعلق وہ اس امر کا والی ہونا جس کے ساتھ حضور پُر نور ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، رواہ عنہ ابوداود والحاکم[8]۔ (اس کو جابر رضی اللہ عنہ سے ابوداود اور حاکم نے روایت کیا۔ ت)

(۴) انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے بنی المصطلق نے خدمتِ حضور سیّد المرسلین ﷺ میں بھیجا کہ حضور سے دریافت کروں حضور کے بعد ہم اپنے اموالِ زکوٰۃ کس کے پاس بھیجیں، فرمایا ابو بکر کے پاس۔ عرض کی اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو کسے دیں؟ فرمایا عمر کو۔ عرض کی جب ان کا بھی واقعہ ہو۔ فرمایا عثمان کو۔ رواہ عنہ فی المستدرک

6۔ صحیح البخاری، فضائل اصحاب النبی □، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۵۱۷، ۵۱۹ تا ۵۲۰۔
صحیح البخاری، کتاب التعبیر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۱۰۳۹ تا ۱۰۴۰۔
صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل عمر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۲۷۵۔
الصواعق المحرقۃ، بحوالہ الشیخین، الباب الاول، الفصل الثالث، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص ۳۹ تا ۴۰۔

7۔ صحیح البخاری، فضائل اصحاب النبی □، قبیل مناقب عمر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۵۱۹۔
مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ متفق علیہ، باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص: ۵۵۹۔

8۔ سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب فی الخلفاء، آفتاب عالم پریس، لاہور، ۲/ ۲۸۱۔
المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، دار الفکر، بیروت، ۳/ ۷۱، ۷۲ و ۱۰۲۔

وقال ھٰذا حدیث صحیح الاسناد[9]۔ (اس کو انس رضی اللہ عنہ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ت)

(۵) ایک بی بی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور کچھ سوال کیا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پھر حاضر ہو۔ انہوں نے عرض کی آؤں اور حضور کو نہ پاؤں؟ فرمایا مجھے نہ پائے تو ابو بکر کے پاس آنا۔

رواہ الشیخان[10] عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ (اس کو شیخین نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ت)

(۶) یونہی ایک مرد سے ارشاد فرمانا مروی کہ میں نہ ہوں تو ابو بکر کے پاس آنا۔ عرض کی جب انہیں نہ پاؤں؟ فرمایا تو عمر کے پاس۔ عرض کی جب وہ بھی نہ ملیں؟ فرمایا تو عثمان کے پاس۔

اخرجہ ابو نعیم[11] فی الحلیۃ والطبرانی عن سھل بن ابی حیثمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ابو نعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے سہل بن ابی حیثمہ رضی اللہ عنہ سے اس کی تخریج کی۔ت)

(۷) ایک شخص سے کچھ اونٹ قرضوں خریدے یہ واپس جاتا تھا کہ مولٰی علی کرم اللہ وجہہ ملے، حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہو اور عرض کر اگر حضور کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو میری قیمت کون ادا کرے گا۔ فرمایا ابو بکر۔ پھر دریافت کرایا اور جو ابو بکر کو کچھ حادثہ پیش آئے تو کون دے گا؟ فرمایا عمر۔ پھر دریافت کرایا انہیں بھی کچھ حادثہ در پیش ہو۔ فرمایا:

ویحك اذا مات عمر فان استطعت ان تموت فمت۔ ہائے نادان جب عمر مر جائے تو اگر مر سکے تو مر جانا۔

رواہ الطبرانی[12] فی الکبیر عن عصمۃ بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ وحسنہ الامام جلال الدین سیوطی (طبرانی نے کبیر میں اس کو عصمہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کو حسن قرار دیا۔ت)

9۔ المستدرك للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، دارالفکر، بیروت، ۳/۷۷۔

10۔ صحیح البخاری، مناقب اصحاب النبی □، فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۵۱۶۔
صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۱۰۷۲۔
صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل ابی بکر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۲۷۳۔

11۔ ازالۃ الخفاء، عن سھل بن ابی حثمۃ، فصل پنجم، مقصد اول، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱/ ۱۲۴۔

12۔ المعجم الکبیر، حدیث ۴۷۸، المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت، ۱۷/ ۱۸۱۔

(۸) انہیں اشارات جلیلہ سے ہے حضور پُر نور ﷺ کا ایامِ مرضِ وفات اقدس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امامتِ مسلمین پر قائم کرنا اور دوسرے کی امامت پر راضی نہ ہونا غضب فرمانا جس سے امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے استناد فرمایا کہ رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لدیننا افلا نرضاہ لدنیانا[13]۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں چن لیا ہمارے دین کی پیشوائی کو، کیا انہیں ہم پسند نہ کریں اپنی دنیا کی امامت کو۔ت)

(۹) اور نہایت روشن صریح کے قریب نص وتصریح وہ ارشاد اقدس ہے کہ امام احمد وترمذی نے بافادہ تحسین اور ابن ماجہ وابن حبان وحاکم نے بافادۂ تصحیح اور ابو المحاسن رویانی نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ترمذی وحاکم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور طبرانی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور ابن عدی نے کامل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور پُر نور سیّد یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: انی لاادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر[14]۔ وفی لفظ اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر[15]۔ میں نہیں جانتا میرا رہنا تم میں کب تک ہو لہٰذا تمہیں حکم فرماتا ہوں کہ میرے ان دو صحابیوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

(۱۰) ایک بار آخر حیات اقدس میں نص صریح بھی فرما دینا چاہا تھا پھر خدا اور مسلمانوں پر چھوڑ کر حاجت نہ سمجھی، امام احمد وامام بخاری وامام مسلم امُّ المومنین صدیقہ محبوبہ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وعلیہا وسلم سے راوی کہ وہ ارشاد فرماتی ہیں: قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ ادعی لی اباک واخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمنٍّ ویقول قال انا اولی ویابی اللہ والمومنون الا

13۔ الصواعق المحرقۃ، بحوالہ ابن سعد، الباب الاول، الفصل الرابع، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۴۳، ۷۱، ۹۳۔

14۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث حذیفہ بن الیمان، المکتب الاسلامی، بیروت، ۵/ ۳۸۵ و۳۹۹ و۴۰۲۔
جامع الترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی بکر وعمار بن یاسر، امین کمپنی، دہلی، ۲/ ۲۰۷ و۲۲۱۔
سنن ابن ماجہ، فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص: ۱۰۔
کنز العمال، حدیث ۳۳۱۱۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۱/ ۶۴۰۔
موارد الظمآن، حدیث ۲۱۹۳، المطبعۃ السلفیۃ، ص: ۵۳۹۔

15۔ الکامل لابن عدی، ترجمہ حماد بن دلیل، دار الفکر، بیروت، ۲/ ۶۶۲۔
المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، دار الفکر، بیروت، ۳/ ۷۵۔
کنز العمال، حدیث ۳۴۶۵۷، ۳۳۶۷۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۱/ ۵۶۰ تا ۷۵۵۔
المعجم الکبیر، حدیث ۸۴۲۶، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت، ۹/ ۶۸۔
مسند احمد بن حنبل، عن حذیفہ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۵/ ۳۸۲۔

ابابکر[16]۔ حضرتِ اقدس سیّدِ عالم ﷺ جس مرض میں انتقال فرمانے کو ہیں اس میں مجھ سے فرمایا اپنے باپ اور بھائی کو بلالے کہ میں ایک نوشتہ تحریر فرمادوں کہ مجھے خوف ہے کوئی تمنا کرنیوالا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہہ اٹھے کہ میں زیادہ مستحق ہوں اور اللہ نہ مانے گا اور مسلمان نہ مانیں گے مگر ابو بکر کو۔

امام احمد کے ایک لفظ یہ ہیں کہ فرمایا: ادعی لی عبدالرحمن بن لابی بکر اکتب ابی بکر کتابا لا یختلف علیہ احد ثم قال دعیہ معاذ اللہ ان یختلف المومنون فی ابی بکر[17]۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلالو کہ میں ابو بکر کے لیے نوشتہ لکھ دوں کہ ان پر کوئی اختلاف نہ کرے۔ پھر فرمایا: رہنے دو خدا کی پناہ کہ مسلمان اختلاف کریں ابو بکر کے بارے میں۔

صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب والہ وصحبہ وبارك وسلم۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ احکم۔

مسئلہ دوم: خلفائے ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے آیا حضرت علی علیہ السلام افضل تھے یا کم؟

الجواب

اہلِ سنت وجماعت نصرہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ مرسلین ملائکہ ورسل وانبیائے بشر صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہم کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رضوان تعالٰی علیہم تمام مخلوق الٰہی سے افضل ہیں۔ تمام امم عالم اولین وآخرین کوئی شخص ان کی بزرگی وعظمت وعزت ووجاہت وقبول وکرامت وقرب وولایت کو نہیں پہنچتا۔ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ[18]۔ فضل اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے (ت)

پھر ان میں باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیقِ اکبر، پھر فاروقِ اعظم پھر عثمان غنی، پھر مولٰی علی صلی اللہ

16۔ صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ، ۲/ ۸۴۶، وکتاب الاحکام باب الاستخلاف، ۲ /۱۰۷۲ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔
صحیح مسلم، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب من فضائل ابی بکر، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲/ ۲۷۳۔
مسند احمد بن حنبل، عن عائشہ رضی اللہ عنہا، المکتب الاسلامی، بیروت، ۶ / ۱۴۴۔
الصواعق المحرقۃ، الباب الاول، الفصل الثالث، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص:۳۷۔

17۔ الصواعق المحرقۃ، الباب الاول، الفصل الثالث، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص:۳۷۔
مسند احمد بن حنبل، عن عائشہ رضی اللہ عنہا، المکتب الاسلامی، بیروت، ۶ /۱۴۷۔

18۔ القرآن الکریم ۵۷ /۲۹۔

تعالیٰ علیٰ سیّد ہم ومولاہم وآلہ وعلیہم وبارک وسلم، اس مذہب مہذب پر آیاتِ قرآنِ عظیم واحادیثِ کثیرۂ حضورِ پُرنور نبیِ کریم علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الصلوۃ والتسلیم وارشادات جلیہ واضحہ امیر المؤمنین مولیٰ علی مرتضیٰ ودیگر ائمۂ اہلِ بیتِ طہارت وارتضاواجماعِ صحابۂ کرام وتابعین عظام وتصریحات اولیائے امت وعلمائے امت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے وہ دلائل باہرہ وحجج قاہرہ ہیں جن کا استیعاب نہیں ہو سکتا۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے اس مسئلے میں ایک کتاب عظیم بسیط وضخیم دو مجلد پر منقسم نام تاریخی مَطْلَعُ الْقَمَرَیْنِ فِیْ اِبَانَۃِ سَبَقَۃِ الْعُمَرَیْنِ ۱۲۹۷ھ سے متسم تصنیف کی اور خاص تفسیر آیۂ کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقٰکُمْ اور اس سے افضلیت مطلقہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اثبات واحقاق اور اوہام خلاف کے ابطال وازہاق میں ایک جلیل رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی اَلزُّلَالُ الْاَنْقٰی مِنْ بَحْرِ سَبَقَۃِ الْاَتْقٰی ۱۳۰۱ھ تالیف کیا اس مبحث کی تفصیل ان کتب پر موکول۔ یہاں صرف چند ارشاداتِ ائمۂ اہلِ بیت کرام رضی اللہ عنہم پر اقتصار ہوتا ہے، اللہ عزوجل کی بے شمار رحمت ورضوان وبرکت امیر المومنین اس حیدر حق گو حق دان حق پرور کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ پر کہ اس جناب نے مسئلہ تفضیل کو بغایت مفصل فرمایا اپنی کرسیِ خلافت وعرشِ زعامت پر بر سر منبر مسجد جامع ومشاہد ومجامع وجلوات عامہ وخلوات خاصہ میں بطریق عدیدہ تامدد مدیدہ سپید وصاف ظاہر وواشگاف محکم ومفسر بے احتمال دگر حضرات شیخین کریمین وزیرین جلیلین رضی اللہ تعالی عنہما کا اپنی ذات پاک اور تمام امت مرحومہ سیّد لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل وبہتر ہونا ایسے روشن وابین طور پر ارشاد کیا جس میں کسی طرح شائبہ شک وتردد نہ رہا مخالف مسئلے کو مفتری بتایا اسّی (۸۰) کوڑے کا مستحق ٹھہرایا۔ حضرت سے ان اقوالِ کریمہ کے راوی اسّی (۸۰) سے زیادہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ صواعقِ امام ابن حجر مکی میں ہے:

قال الذهبی وقد تواتر ذلك عنه فی خلافته وكرسی مملكته وبین الجم الغفیر من شیعته ثم بسط الاسانید الصحیحة فی ذلك قال ویقال رواه عنه نیف وثمانون نفسا وعدد منهم جماعة ثم قال فقبح الله الرافضة ما اجهلهم[19] انتہیٰ۔ ذہبی نے کہا امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کے زمانہ خلافت میں جبکہ آپ کرسی اقتدار پر جلوہ گر تھے تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کے جمِ غفیر میں افضلیتِ شیخین کو بیان فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ اسّی (۸۰) سے زائد افراد نے اس بارے میں آپ سے روایت کی ہے۔ ذہبی نے ان میں سے کچھ کے نام گنوائے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا کرے۔ وہ کس قدر جاہل ہیں! انتہیٰ (ت)

یہاں تک کہ بعض منصفان شیعہ مثل عبد الرزاق محدث صاحب مصنف نے باوصف تشیّع تفضیلِ شیخین اختیار کی اور کہا جب خود حضرت مولیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ انہیں اپنے نفسِ کریم پر تفضیل دیتے تو مجھے اس کے اعتقاد سے کب مفر ہے۔ مجھے یہ کیا گناہ تھوڑا ہے کہ علی سے محبت رکھوں اور علی کا خلاف کروں۔

19۔ الصواعق المحرقة، الباب الثالث، الفصل الاول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۹۰ تا ۹۱۔

صواعق میں ہے: ما احسن ما سلکه بعض الشیعة المنصفین کعبد الرزاق فانه قال افضل الشیخین بتفضیل علی ایاهما علی نفسه والا لما فضلتهما کفی بی وزرا ان احبه ثم اخالفه[20]۔ کیا ہی اچھی راہ چلے ہیں بعض منصف شیعہ۔ جیسے عبد الرزاق کہ اس نے کہا میں اس لیے شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہوں کہ حضرت علی نے انہیں فضیلت دی ہے ورنہ میں انہیں آپ پر فضیلت نہ دیتا۔ میرے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ میں آپ سے محبت کروں پھر آپ کی مخالفت کروں (ت)

اب چند احادیث مرتضوی سنیے:

حدیثِ اول: صحیح بخاری شریف میں سیّدنا وابن سیّدنا امام محمد بن حنفیہ صاحبزادۂ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجوہما سے مروی: قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم قال ابوبکر قال قلت ثم من قال عمر[21]۔ میں نے اپنے والدِ ماجد کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے عرض کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں میں بہتر کون ہے؟ فرمایا، ابو بکر میں نے عرض کی پھر کون؟ فرمایا، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حدیثِ دوم: امام بخاری اپنی صحیح اور ابن ماجہ سنن میں بطریق عبد اللہ بن سلمہ امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روای کہ فرماتے تھے۔ خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم ابوبکر وخیر الناس بعد ابوبکر عمر[22] رضی اللہ تعالیٰ عنهما، هذا حدیث ابن ماجة۔ بہترین مرد بعدِ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر ہیں اور بہترین مرد بعد ابو بکر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے۔ (ت)

حدیثِ سوم: امام ابو القاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل الطلحی کتاب السنۃ میں راوی: اخبرنا ابوبکر بن مردویه ثنا سلیمن بن احمد ثنا الحسن بن المنصور الرمانی ثنا داؤد بن معاذ ثنا ابو سلمة العتکی عبداللہ بن عبدالرحمن عن سعید بن ابی عروبة عن منصور بن المعتمر عن ابراهیم عن علقمة قال بلغ علیا ان اقواما یفضلونه علی ابی بکر وعمر فصعد المنبر فحمد اللہ واثنی علیه ثم قال یا ایها الناس انه بلغنی ان قوما یفضلونی علی ابی بکر وعمر ولوکنت تقدمت فیه لعاقبت فیه فمن سمعته بعد هذا الیوم یقول هذا فهو مفتر علیه حد المفتری ثم قال ان خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکر ثم عمر، ثم اللہ اعلم بالخیر بعد، قال وفی المجلس الحسن بن علی فقال واللہ

20۔ الصواعق المحرقة، الباب الثالث، الفصل الاول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۹۳۔

21۔ صحیح البخاری، مناقب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مناقب ابی بکر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۵۱۸۔

22۔ سُنَنِ ابنِ ماجه، باب فضل عمر رضی اللہ تعالی عنه، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص:۱۱۔

لوسمی الثالث لسمی عثمان[23]۔ (ہم کو خبر دی ابو بکر بن مردویہ نے، ہم کو حدیث بیان کی سلیمان بن احمد نے، ہم کو حدیث بیان کی حسن بن منصور رمانی نے، ہم کو حدیث بیان کی داؤد معاذ بن، ہم کو ابو سلمہ عتکی عبد اللہ بن عبد الرحمن نے، انہوں نے سعید بن ابو عروبہ سے، انہوں نے منصور بن معتمر سے، انہوں نے ابراہیم سے اور انہون نے حضرت علقمہ سے روایت کی) حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ انہیں حضراتِ صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل بتاتے ہیں۔ یہ سُن کر منبر پر جلوہ فرما ہوئے، حمد وثنائے الٰہی بجالائے، پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابو بکر و عمر سے افضل کہتے ہیں اس بارے میں اگر میں نے پہلے سے حکم سنا دیا ہوتا تو بے شک سزا دیتا۔ آج سے جسے ایسا کہتے سنوں گا وہ مفتری ہے۔ اس پر مفتری کی حد یعنی اسّی (۸۰) کوڑے لازم ہیں۔ پھر فرمایا: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل امت ابو بکر ہیں پھر عمر، پھر خدا خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کون سب سے بہتر ہے۔ علقمہ فرماتے ہیں مجلس میں سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے انہوں نے فرمایا خدا کی قسم اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (ت)

حدیث چہارم: امام دار قطنی سنن میں اور ابو عمر بن عبد البر استیعاب میں حکم بن جحل سے راوی حضرت مولیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں: لا اجد احد افضلنی علی ابی بکر و عمر الا جلدته حد المفتری۔[24] میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابو بکر و عمر سے افضل کہتا ہے اسے مفتری کی حد لگاؤں گا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیثِ پنجم: سنن دار قطنی میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ مقرب بارگاہ تھے۔ جناب امیر انہیں وہب الخیر فرمایا کرتے تھے، مروی: انه کان یری ان علیا افضل الامة فسمع اقواما یخالفونه فحزن حزنا شدیدا فقال له علی بعد ان اخذ بیده وادخله بیته ما احزنك یا ابا جحیفة فذكر له الخبر فقال الا اخبرك بخیر هذه الامة خیرها ابوبکر ثم عمر قال ابو جحیفة فاعطیت الله عهدا ان لا اکتم هذا الحدیث بعد ان شافهنی به علی ما بقیت[25]۔ یعنی ان کے خیال میں مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تمام امت سے افضل تھے۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو اس کے خلاف کہتے سنا سخت رنج ہوا۔ حضرت مولیٰ ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانۂ ولایت میں لے گئے۔ غم کی وجہ پوچھی، گزارش کی، فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ امت میں سب سے بہتر کون ہے ابو بکر ہیں پھر عمر۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

23۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، بحوالہ ابی القاسم، فی کتاب السنۃ، مسند علی بن ابی طالب، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱/۶۸۔

24۔ الصواعق المحرقۃ، بحوالہ الدارقطنی، الباب الثالث، الفصل الاول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۹۱۔

25۔ الصواعق المحرقۃ، بحوالہ الدارقطنی، الباب الثالث، الفصل الاول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۹۲۔

فرماتے ہیں میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا کہ جب تک جیوں گا اس حدیث کو نہ چھپاؤں گا بعد اس کے کہ خود حضرتِ مولیٰ نے بالمشافہ مجھے ایسا فرمایا۔

حدیثِ ششم : **امام احمد مسند ذی الیدین رضی اللہ عنہ میں ابن ابی حازم سے راوی:** قال جاء رجل الی علی بن الحسین رضی اللہ تعالی عنہما فقال ماکان منزلۃ ابی بکر وعمر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال منزلتہما الساعۃ وھما ضجیعاہ[26]۔ **یعنی ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمتِ انور میں حاضر ہو کر عرض کی: حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ابو بکر و عمر کا مرتبہ کیا تھا۔ فرمایا: جو مرتبہ ان کا اب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں۔**

حدیثِ ہفتم : **دار قطنی حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ ارشاد فرماتے ہیں:** اجمع بنو فاطمۃ رضی اللہ تعالی عنھم علی ان یقولوا فی الشیخین احسن مایکون من القول[27]۔ **یعنی اولاد امجاد حضرت بتول زہرا صلی اللہ تعالیٰ علیٰ ابیہا الکریم وعلیہا وعلیہم وبارک وسلم کا اجماع واتفاق ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے حق میں وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو (ظاہر ہے کہ سب سے بہتر بات اسی کے حق میں کہی جائے گی جو سب سے بہتر ہو)**

حدیثِ ہشتم : **امام ابن عساکر وغیرہ وسالم بن ابی الجعد سے راوی:** قلت لمحمد بن الحنفیۃ ھل کان ابو بکر اول القوم اسلاما؟ قال لا، قلت فبم علا ابو بکر وسبق حتی لایذکر احد غیر ابی بکر قال لانہ کان افضلھم اسلاما حین اسلم حتی لحق بربہ[28]۔ **یعنی میں نے امام محمد بن حنفیہ سے عرض کی: کیا ابو بکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ فرمایا: نہ۔ میں نے کہا: پھر کیا بات ہے کہ ابو بکر سب سے بالا رہے اور پیشی لے گئے یہاں تک کہ لوگ ان کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ فرمایا: یہ اس لیے کہ وہ اسلام میں سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے یہاں تک کہ اپنے رب عزوجل سے ملے۔**

حدیثِ نہم : **امام ابو الحسن دار قطنی جندب اسدی سے راوی کہ امام محمد بن عبد اللہ محض ابن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجوہہم کے پاس کچھ اہل کوفہ وجزیرہ نے حاضر ہو کر ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں سوال کیا۔ امام ممدوح نے میری طرف ملتفت ہو کر فرمایا:** انظروا الی اھل بلادك یسالونی عن ابی بکر وعمر لھما عندی افضل من علی[29]۔ **اپنے شہر والوں کو دیکھ مجھ سے ابو بکر و عمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ وہ دونوں**

26- مسند احمد بن حنبل، حدیث ذی الیدین رضی اللہ عنہ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۴/ ۷۷۔

27- الصواعق المحرقۃ، بحوالہ الدار قطنی، عن محمد الباقر، الباب الثانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۷۸۔

28- الصواعق المحرقۃ، بحوالہ ابن عساکر، عن سالم بن ابی الجعد، الباب الثانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۸۰۔

29- الصواعق المحرقۃ، بحوالہ الدار قطنی، عن جندب الاسدی، الباب الثانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۸۳۔

میرے نزدیک بلاشبہ مولا علی سے افضل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

یہ امام اجل حضرت امام حسن مجتبیٰ کے پوتے اور حضرت امام حسین شہید کربلا کے نواسے ہیں ان کا لقب مبارک نفس زکیہ ہے، ان کے والد حضرت عبد اللہ محض کہ سب میں پہلے حسنی حسینی دونوں شرف کے جامع ہوئے لہٰذا محض کہلوائے، اپنے زمانے میں سردار بنی ہاشم تھے، ان کے والدِ ماجد امام حسن مثنیٰؓ اور والدۂ ماجدہ حضرت فاطمہ صغریٰ بنتِ امام حسین صلی اللہ تعالیٰ علی ابیہم و علیہم وبارک وسلم۔

حدیثِ دہم: امام حافظ عمر بن شبہ حضرت امام اجل سیّد زید شہید ابن امام علی سجاد زین العابدین ابن امام حسین شہید صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی جدّہم الکریم وعلیہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کوفیوں سے فرمایا: انطلقت الخوارج فبرئت ممن دون ابی بکر وعمر، ولم یستطیعوا ان یقولوا فیھما شیئاً وانطلقتم انتم فظفرتم ای وثبتم فوق ذلک فبرئتم منھما فمن بقی؟ فواللہ ما بقی احد الا برئتم منہ [30]۔ یعنی خارجیوں نے اٹھ کر ان سے تبری کی جو ابو بکر و عمر سے کم تھے یعنی عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم مگر ابو بکر و عمر کی شان میں کچھ کہنے کی گنجائش نہ پائی اور تم نے اے کوفیو! اوپر جست کی کہ ابو بکر و عمر سے تبری کی تو اب کون رہ گیا خدا کی قسم! اب کوئی نہ رہا جس پر تم نے تبرا نہ کہا ہو۔

والعیاذ باللہ رب العٰلمین اللہ اکبر (اور اللہ تعالیٰ کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا، اللہ سب سے بڑا ہے۔(ت))

امام زید شہید رضی اللہ عنہ کا یہ ارشادِ مجید ہم غلامانِ خاندان زیدِ کو بحمد اللہ کافی ووافی ہے۔ سیّد ساداتِ بلگرام حضرت مرجع الفریقین، مجمع الطریقین، حبر شریعت، بحر طریقت بقیۃ السلف، حجۃ الخلف سیدنا و مولانا میر عبد الواحد حسینی زیدی واسطی بلگرامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ السامی نے کتابِ مستطاب سبع سنابل شریف تصنیف فرمائی کہ بارگاہِ عالم پناہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں موقع قبولِ عظیم پر واقع ہوئی۔ حضرت مستفتی دامت برکاتہم کے جدِّ امجد اور اس فقیر کے آقائے نعمت ومولائے اوحد حضرت اسد الواصلین محبوب العاشقین سیدنا و مولانا حضرت سید شاہ حمزہ حسینی زیدی مارہروی قدس سرہ القوی کتاب مستطاب کاشف الاستار شریف کی ابتدا میں فرماتے ہیں: باید دانست کہ در خاندان ما حضرت سند المحققین سیّد عبد الوحد بلگرامی بسیار صاحب کمال بر خاستہ اند قطب فلک ہدایت و مرکز دائرہ ولایت بود در علم صوری و معنوی فائق واز مشارب اہل تحقیق ذائق صاحب تصنیف وتالیف ست ونسب ایں فقیر بچہار واسطہ بذات مبارکش می پیوند۔ [31] جاننا چاہیے کہ ہمارے خاندان میں حضرت سند المحققین میر سید عبد الواحد بلگرامی بہت صاحب کمال شخصیت ہیں۔ وہ فلکِ ہدایت کے قطب

30۔ الصواعق المحرقۃ، بحوالہ الحافظ عمر بن شبہ، الباب الثانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۷۹۔

31۔ کاشف الاستار، ماثر الکرام، از میر غلام علی آزاد بلگرامی، لاہور ۱۹۷۱ء، ص: ۲۵۔

، دائرۂ ولایت کے مرکز، ظاہری وباطنی علم میں فوقیت رکھنے والے، اصل تحقیق کے گھاٹوں کو چکھنے والے صاحبِ تصنیف وتالیف ہیں۔ اس فقیر کا نسب چار واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے۔ (ت)

پھر بعد چند اجزا کے فرماتے ہیں: شہر تصانیف او کتاب سنابل ست در سلوک وعقائد حاجی الحرمین سید غلام علی آزاد سلمہ اللہ در ماثر الکلام می نویسد وقتے در شہر رمضان المبارک سنۃ خمس وثلثین ومائۃ والف مولّفِ اوراق در دار الخلافہ شاہجہاں آباد خدمت شاہ کلیم چشتی قدس سرہ راہ زیارت کرد ذکر میر عبدالواحد قدس سرہ در میان آمد شیخ مناقب وماثر میر تادیر بیان کرد فرمود شبے در مدینہ منورہ پہلو بر ستر خواب گزاشتم در واقعہ می بینم کہ من وسید صبغۃ اللہ بروجی معا در مجلسِ اقدس رسالت پناہ صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم باریاب شدیم جمعے از صحابۂ کرام واولیائے امت حاضر اند دریں میاں شخصے ست کہ حضرت باولب بہ تبسم شریں کردہ حرفہا میزند والتفات تمام دارند چوں مجلس آخر شد از سید صبغۃ اللہ استفسار کردم کہ ایں شخص کیست کہ حضرت بااو التفاف بایں مرتبہ دارند گفت میر عبدالواحد بلگرام، وباعث مزید احترام اوایںست کہ سنابل تصنیف او درجناب رسالت پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقبول افتادہ انتہی کلامہ انتہی مقالہ الشریف بلفظہ المنیف قدس اللہ تعالٰی سرہ اللطیف[32]۔ سلوک وعقائد میں آپ کی مشہور تصنیف کتاب سنابل ہے۔ حاجی حرمین سید غلام علی آزاد، اللہ انہیں سلامت رکھے، ماثر الکلام میں لکھتے ہیں جس وقت ۱۱۳۵ھ میں رمضان المبارک میں مؤلف اوراق نے دار الخلافہ شاہجہاں آباد میں شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کی، میر عبدالواحد کا ذکر درمیان کلام میں آگیا۔ حضرت شیخ نے کافی دیر تک میر صاحب کے فضائل ومناقب بیان کیے اور فرمایا کہ ایک رات میں مدینۂ منورہ میں اپنے بستر پر لیٹا تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اور سید صبغت اللہ بروجی اکٹھے رسول اللہ ﷺ کی مجلسِ اقدس میں حاضر ہیں۔ صحابۂ کرام اور اولیائے امت کی ایک جماعت بھی حاضر ہے۔ آپ کی مجلس اقدس میں ایک شخص موجود ہے اور آپ اس کی طرف نظر کرم کرتے ہوئے مسکرا رہے ہیں اور اس سے باتیں کر رہے ہیں اور اس کی طرف بھرپور توجہ فرما رہے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے سید صبغت اللہ سے پوچھا یہ شخص کون ہے جس کی طرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس قدر توجہ فرماتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں اور ان کے اس قدر احترام کی وجہ یہ ہے کہ کتاب سنابل نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں مقبول ہوئی ہے۔ ان کا کلام ختم ہوا۔ مقالہ شریف ان ہی کے بلند پایہ لفظوں میں ختم ہوا۔ اللہ تعالٰی ان کے سِرّ لطیف کو مقدس بنائے۔ (ت)

حضرت میر قدس سرہ المنیر نے اس کتاب مقبول ومبارک میں مسئلہ تفضیل بکمال تفصیل وتاکیدِ جمیل وتہدیدِ جلیل ارشاد فرمایا۔ لفظ مبارک سے چند حروف کی نقل سے شرف حاصل کروں اولیائے کرام محدثین وفقہاء جملہ اہل حق کے

32۔ کاشف الاستار، ص:۱۴۱ب، اصح التواریخ، از مولانا محمد میاں قادری مارہروی، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ، ۱/ ۱۶۸۔
ماثر الکلام از میر غلام علی آزاد بلگرامی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص۲۹۔

اجماعی عقائد میں بیان فرماتے ہیں: واجماع دارند کہ افضل از جملہ بشر بعد انبیاء ابو بکر صدیق ست وبعد از وے عمر فاروق ست وبعد از وے عثمان ذی النورین ست وبعد از وے علی مرتضےٰ ست رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین [33]۔ اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام انسانوں میں افضل ابو بکر صدیق، ان کے بعد عمر فاروق، ان کے بعد عثمان ذوالنورین، اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔ (ت)

پھر فرمایا: فضل ختنین از فضل شیخین کمتر ست بے نقصان وقصور [34] ختنین (عثمان غنی وعلی مرتضیٰ) کی فضیلت شیخین (صدیق وفاروق) سے کم ہے مگر اس میں کوئی نقص اور خامی نہیں (ت)

پھر فرمایا: اجماع اصحاب وتابعین وتبع تابعین وسائر علمائے امت ہمبرین عقیدہ واقع شدہ است [35] صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور تمام علمائے امت کا اجماع اسی عقیدہ پر واقع ہوا ہے۔ (ت)

پھر فرمایا: مخدوم قاضی شہاب الدین در تسیر الحکام بنوشت کہ ہیچ ولی بدرجہ ہیچ پیغمبرے نرسد زیرا کہ امیر المومنین ابو بکر بحکم حدیث بعد پیغمبراں از ہمہ اولیا برترست واو بدرجہ ہیچ پیغمبرے نرسید وبعد او امیر المؤمنین عمر بن خطاب ست وبعد او امیر المومنین عثمان بن عفان ست وبعد او امیر المومنین علی بن ابی طالب ست رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کسیکہ امیر المومنین علی را خلیفہ نداند او از خوارج ست وکسیکہ اورا امیر المومنین ابو بکر وعمر تفضیل کند او از روافض ست [36]۔ مخدوم قاضی شہاب الدین نے تیسیر الحکام میں لکھا کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ حدیث کی رو سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انبیا کے بعد تمام اولیا سے افضل ہیں اور وہ کسی نبی کے مقام تک نہیں پہنچے۔ ابو بکر صدیق کے بعد امیر المومنین عمر بن خطاب، ان کے بعد امیر المومنین عثمان بن عفان اور ان کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو۔ جو شخص امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ نہ مانے وہ خارجیوں سے ہے اور جو آپ کو ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل جانے وہ رافضیوں میں سے ہے۔ (ت)

پھر فرمایا: ازینجا باید دانست کہ درجہاں نہ ہچو مصطفیٰ ﷺ پیرے پیدا شد ونہ ہچو ابو بکر مریدے ہوید اگشت۔ اے عزیز! اگرچہ کمالیت فضائل شیخین بر ختنین مفرط وفائق اعتقاد باید کرد امانہ بر وجہی کہ در کمالیت فضائل ختنین قصورے ونقصانے بخاطر تو رسد بلکہ فضائل ایشاں وفضائل جملہ اصحاب از عقول بشریہ افکار انسانیہ بسے بالاترست [37]۔ یہاں سے جاننا

33۔ سبع سنابل، سنبلہ اول در عقائد ومذاہب، مکتبۂ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ص: ۷۔

34۔ سبع سنابل، سنبلہ اول در عقائد ومذاہب، مکتبۂ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ص: ۱۰۔

35۔ سبع سنابل، سنبلہ اول در عقائد ومذاہب، مکتبۂ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ص: ۱۰۔

36۔ سبع سنابل، سنبلہ اول در عقائد ومذاہب، مکتبۂ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ص: ۱۰۔

37۔ سبع سنابل، سنبلہ اول در عقائد ومذاہب، مکتبۂ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ص: ۱۴ تا ۱۵۔

چاہیے کہ مصطفیٰ ﷺ جیسا پیر اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا مرید کائنات میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اے عزیز! اگر شیخین کی فضیلت کاملہ ختنین پر بہت زیادہ سمجھنی چاہیے مگر اس طور پر نہیں کہ تیرے دل میں ختنین کی فضیلت کاملہ کے قاصر وناقص ہونے کا خیال گزرے، بلکہ ان کے اور تمام صحابہ کے فضائل عقول بشریہ اور افکار انسانیہ سے بہت بلند ہیں۔

پھر فرمایا: پس چوں اجماع صحابہ کہ انبیاء صفت اند بر تفضیل شیخین واقع شد و مرتضیٰ نیز دریں اجماع متفق وشریک بود مفضلہ در اعتقاد خود غلط کردہ است اسے خان ومان ما فدائے نام مرتضےٰ باد وائے دل وجان ما نثار اقدام مرتضےٰ باد کدام بدبخت ازل کہ محبت مرتضے در دلش نباشد وکدام راندۂ درگاہ مولے کہ اہانت او رَوَا دارد، مفضلہ گمان بردہ است کہ نتیجۂ محبت مامرتضے تفصیل اوست بر شیخین، ونمیدانند کہ ثمرۂ محبت موافقت ست با او نہ مخالفت کہ چوں مرتضے فضل شیخین وذی النورین را بر خود روا داشت واقتداء بایشاں کرد وحکہاے عہدِ خلافت ایشاں را امتثال فرمود شرط محبت با او آں باشد کہ در راہ و روش با او موافق باشد نہ مخالف[38]۔ جب انبیا جیسی صفات کے حامل صحابۂ کرام کا اجماع واقع ہوگیا کہ شیخین کریمین افضل ہیں اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ بھی اس اجماع میں شامل اور متفق تھے۔ تو فرقہ تفضیلہ نے خود اپنے اعتقاد میں غلطی کھائی ہے۔ میر اگھربار حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کے نام پر فدا اور میرے جان ودل آپ کے قدموں پر قربان ہوں۔ کون ازلی بدبخت ہے جس کے دل میں محبتِ مرتضیٰ نہیں ہے اور کون ہے بارگاہ خداوندی کا دھتکارا ہوا جو توہینِ مرتضیٰ کو روا رکھتا ہے۔ مفضلہ (فرقہ تفضیلیہ) نے گمان کیا ہے کہ محبت مرتضی کا تقاضا آپ کو شیخین پر فضیلت دینا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ آپ کی محبت کا ثمرہ آپ کے ساتھ موافقت ہے نہ کہ مخالفت۔ جب حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیخین اور ذوالنورین کو اپنے آپ سے افضل قرار دیا، ان کی اقتدا کی اور ان کے عہد خلافت کے احکام کو تسلیم کیا تو ان کی محبت کی شرط یہ ہے کہ ان کی راہ وروش کے ساتھ موافقت کی جائے نہ کہ مخالفت۔ (ت)

حضرت میر قدس سرہ المنیر نے یہ بحث پانچ ورق سے زائد میں افادہ فرمائی ہے۔ من طلب الزیادۃ فلیرجع الیہ (جو زیادہ تفصیل چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے، ت)۔ یہ عقیدہ ہے اہلِ سنت وجماعت اور ہم غلامانِ دودمانِ زید شہید کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ ت)

38۔ سبع سنابل، سنبلہ اول در عقائد ومذاہب، مکتبۂ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ص: ۱۷۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کو

سالنامہ "معارفِ رضا" کی اشاعت اور

۳۰ویں سالانہ امام احمد رضا کانفرنس کے انعقاد پر

دل کی گہرائیوں سے

مبارک باد

من جانب

سیّد مومن علی

رجب المرجب

مشمولات	صفحہ نمبر

قصیدۂ معراجیہ
در تہنیتِ شادی اسرا

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

بہار ہے شادیاں مبارک چمن کو آبادیاں مبارک
مَلک فلک اپنی اپنی لے میں یہ گھر عنادل کا بولتے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

یہ چھوٹ پڑتی تھی اُن کے رُخ کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئنے تھے

نئی دلھن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اِک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

نظر میں دولھا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منہ پر آنچل تجلّیِ ذات بحت سے تھے

خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آرہے تھے

یہ جھوما میزاب زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

دلھن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلافِ مشکیں جو اڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے

پہاڑیوں کا وہ حسنِ تزئیں وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں!
صبا سے سبزے میں لہریں آتیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے

غبار بن کر نثار جائیں کہاں اب اُس رہ گزر کو پائیں
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پَر جہاں بچھے تھے

پرانا پر داغ ملگجا تھا اٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجومِ تارِ نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے

اتار کر اُن کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

خدا ہی دے صبر جانِ پر غم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب اُن کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے

بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولہا کی پائی اُترن وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

تجلیِ حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رُویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

خبر یہ تحویلِ مہر کی تھی کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی
وہاں کی پوشاک زیبِ تن کی یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے

ابھی نہ آئے تھے پشت زیں تک کہ سَر ہوئی مغفرت کی شلّک
صدا شفاعت نے دی مُبارک گناہ مستانہ جھُومتے تھے

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامُرادی کے دن لکھے تھے

ہجومِ اُمید ہے گھٹاؤ مُرادیں دے کر انھیں ہٹاؤ
ادب کی باگیں لیے بڑھاؤ ملائکہ میں یہ غلغلے تھے

عجب نہ تھا رخش کا چمکنا غزالِ دم خوردہ سا بھڑکنا
شعاعیں بکّے اُڑا رہی تھیں تڑپتے آنکھوں پہ صاعقے تھے

سِتم کیا کیسی مَت کٹی تھی قمر وہ خاک اُن کے رہ گزر کی
اٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب دیکھنا مٹے تھے

اٹھی جو گردِ رہِ منوّر وہ نُور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل امنڈ کے جنگل اُبل رہے تھے

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سِرّ عیاں ہوں معنیِ اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

براق کے نقشِ سُم کے صدقے وہ گُل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن لہکتے گلشن ہَرے بھرے لہلہا رہے تھے

نقاب الٹے وہ مہرِ انور جلالِ رُخسار گرمیوں پر!
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکتے انجم کے آبلے تھے

نجوم و افلاک جام و مینا اجالتے تھے کھنگالتے تھے
یہ اُن کی آمد کا دبدبہ تھا نکھار ہر شے کا ہو رہا تھا

بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت کہ دُھل گیا نامِ ریگِ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

یہ جوششِ نور کا اثر تھا کہ آبِ گوہر کمر کمر تھا
صفائے رہ سے پھسل پھسل کر ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے

وہ ظلِ رحمت وہ رخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت اودی اطلس یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے

چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رُک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

جھلک سی اِک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولھا کی دُور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

تھکے تھے رُوح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

روش کی گرمی کو جس نے سوچا دماغ سے اِک بھبوکا پھوٹا
خِرد کے جنگل میں پھول چمکا دہر دہر پیڑ جل رہے تھے

جلو میں جو مرغِ عقل اڑے تھے عجب بُرے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آگئے تھے

قوی تھے مرغانِ وہم کے پَر اڑے تو اڑنے کو اور دَم بھر
اٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خونِ اندیشہ تھوکتے تھے

سُنا یہ اتنے میں عرشِ حق نے کہ لے مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاجِ شرف ترے تھے

جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مَل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

یہ سن کے بے خود پکار اٹھا نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر ان کے تلووں کا پاؤں بوسہ یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضورِ خورشید کیا چمکتے چراغ منھ اپنا دیکھتے تھے

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لَن تَرَانِیْ کہیں تقاضے وصال کے تھے

بڑھ اے محمد قریں ہو احمد قریب آ سرورِ ممجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

سُراغِ اَینَ و متیٰ کہاں تھا نشانِ کیفَ و اِلیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رکتے
جو قرب انھیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے

اُدھر سے پیہم تقاضے آنا اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

ہوا نہ آخر کہ ایک بجرا تموّجِ بحرِ ہو میں اُبھرا
دنیٰ کی گودی میں ان کو لے کر فنا کے لنگر اٹھا دیے تھے

یہ ان کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃً فعل تھا اُدھر کا
تنزّلوں میں ترقی افزا دنیٰ تدلّٰی کے سلسلے تھے

اٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

کسے ملے گھاٹ کا کنارا کدھر سے گزرا کہاں اتارا
بھرا جو مثلِ نظر طرارا وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا
گرہ میں کلیوں کی باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعفِ تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے

ادھر سے تھیں نذرِ شہ نمازیں اُدھر سے اِنعامِ خسروی میں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پُر نور میں پڑے تھے

زباں کو انتظارِ گفتن تو گوش کو حسرتِ شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے

وہ برجِ بطحا کا ماہ پارہ بہشت کی سیر کو سدھارا
چمک پہ تھا خلد کا ستارہ کہ اس قمر کے قدم گئے تھے

سُرورِ مقدم کی روشنی تھی کہ تابشوں سے مہِ عرب کی
جناں کے گلشن تھے جھاڑ فرشی جو پھول تھے سب کنول بنے تھے

طرب کی نازش کہ ہاں لچکیے ادب وہ بندش کہ ہل نہ سکیے
یہ جوشِ ضدّین تھا کہ پودے کشا کشِ ارّہ کے تلے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروروں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلیے تھے

نبیِ رحمت شفیعِ امّت رضاؔ پہ لِلّٰہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصّہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سَرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پَرواروی تھی کیا کیسے قافیے تھے

مُنَبِّهُ الْمُنْيَةِ بِوُصُوْلِ الْحَبِيْبِ اِلَى الْعَرْشِ وَالرُّؤْيَةِ

(۱۳۲۰ھ)

(محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عرش تک
رسائی اور دیدار الٰہی کے بارے میں مطلوب سے خبر دار کرنیوالا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ شبِ معراج نبی ﷺ کا اپنے رب کو دیکھنا کس حدیث سے ثابت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

الاحادیث المرفوعہ: امام احمد اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی قال قال رسول اللہ ﷺ رأیت ربی عزوجل **یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میں نے اپنے ربّ عزوجل کو دیکھا۔ امام علامہ جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ اور علامہ عبد الرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں، یہ حدیث بہ سند صحیح ہے۔ ابنِ عساکر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں** لان اللہ اعطی موسی الکلام واعطانی الرویۃ لوجھہ و فضلنی بالمقام المحمود والحوض المورود **بیشک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو دولتِ کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا مجھ کو شفاعتِ کبریٰ وحوضِ کوثر سے فضیلت بخشی وہی محدث حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی قال** قال رسول اللہ ﷺ قال لی ربی لخلت ابراھیم خلتی وکلمت موسی تکلیما واعطیتک یا محمد کفاحا **یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے میرے رب عزوجل نے فرمایا، میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی اور موسیٰ سے کلام فرمایا اور تمہیں، اے محمد! مواجہ بخشا کہ بے پردہ وحجاب تم نے میرا جمال پاک دیکھا۔** فی مجمع البحار کفاحا ای مواجھۃً لیس بینھما حجاب ولا رسول **ابن مردویہ حضرت اسما بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے راوی** سمعت رسول اللہ □ وھو یصف سدرۃ المنتھی (وذکر الحدیث الی ان قالت) فقلت یا رسول اللہ ما رأیت عندھا قال رأیت عندھا یعنی ربہ

یعنی رسول اللہ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ کا وصف بیان فرماتے تھے۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ حضور نے اُس کے پاس کیا دیکھا۔ فرمایا، مجھے اُس کے پاس دیدار ہوا۔ آثار الصحابہ ترمذی شریف میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اما نحن بنو ھاشم فنقول ان محمدا رای ربه مرتین ہم بنی ہاشم اہل بیتِ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں کہ بے شک محمد ﷺ نے اپنے رب کو دوبار دیکھا۔ ابنِ اسحٰق عبد اللہ بن ابی سلمہ سے راوی ان ابن عمر ارسل الی ابن عباس یسأله هل رای محمد ﷺ ربه فقال نعم یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کرا بھیجا، کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ اُنہوں نے جواب دیا، ہاں۔ جامع ترمذی و معجم طبرانی میں عکرمہ سے مروی۔ اللفظ للطبرانی عن ابن عباس قال نظر محمد الی ربه قال عکرمة فقلت له نظر محمد الی ربه قال نعم جعل الکلام لموسی والخلّة لابرھیم والنظر لمحمد (زاد الترمذی) فقد رای ربه مرتین یعنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ عکرمہ، اُن کے شاگرد، کہتے ہیں، میں نے عرض کی، کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا، ہاں، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے لیے کلام رکھا اور ابراہیم کے لیے دوستی اور محمد ﷺ کے لیے دیدار اور بے شک محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دوبار دیکھا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن ہے۔ امام نسائی اور امام ابن خزیمہ و حاکم و بیہقی کی روایت میں ہے واللفظ للبیھقی اتعجبون ان تکون الخلة لابرھیم والکلام موسی والرویة لمحمد ﷺ۔ کیا ابراہیم کے لیے دوستی اور موسیٰ کے لیے کلام اور محمد ﷺ کے لیے دیدار ہونے میں تمہیں کچھ اچنبا ہے۔ حاکم نے کہا، یہ حدیث صحیح ہے۔ امام قسطلانی و زرقانی نے فرمایا، اس کی سند جید ہے۔ طبرانی معجم اوسط میں راوی عن عبد اللّٰہ بن عباس انه کان یقول ان محمدا ﷺ رای ربه مرتین مرة ببصرہ ومرة بفوادہ یعنی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے، بے شک محمد ﷺ نے دوبار اپنے رب کو دیکھا، ایک بار اس آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔ امام سیوطی و امام قسطلانی و علامہ شامی و علامہ زرقانی فرماتے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام الائمہ ابن خزیمہ و امام بزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی ان محمدا ﷺ رای ربه عزوجل بے شک محمد ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ امام احمد قسطلانی و عبد الباقی زرقانی فرماتے ہیں، اس کی سند قوی ہے۔ محمد بن اسحٰق کی حدیث میں ہے ان مروان سأل اباھریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه هل رای محمد ﷺ ربه فقال نعم یعنی مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا، فرمایا، ہاں۔ اخبار التابعین مصنف عبد الرزاق میں ہے عن معمر عن الحسن البصری انه کان یحلف باللّٰہ لقد رای محمد ربه یعنی امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قسم کھاکر فرمایا کرتے، بے شک محمد ﷺ نے اپنے ربّ کو دیکھا۔ اِسی طرح امام ابن خزیمہ حضرت عروہ بن زبیر سے کہ حضور اقدس ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں راوی کہ وہ نبی ﷺ کو شبِ معراج دیدارِ الٰہی ہونامانتے۔ وانه کان یشتد علیه انکارھا اور اُن پر اس کا انکار سخت گراں گزرتا اھ ملتقطا۔ یوہیں کعب احبار عالم کتب سابقہ و امام ابن شہاب زہری قرشی و امام مجاہد مخزومی مکی و امام عکرمہ بن عبد اللہ مدنی ہاشمی و امام عطا بن رباح قرشی مکی اُستاد امام ابو حنیفہ و امام مسلم بن صبیح ابو الضحی کوفی وغیرہم جمیع تلامذۂ عالم

قرآن حبر الامہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں اخرج ابن خزیمۃ عن عروۃ بن الزبیر اثباتھا وبہ قال سائر اصحاب ابن عباس و جزم بہ کعب الاحبار والزھری الخ اقوال من بعد ہم من ائمۃ الدین امام خلّال کتاب السنہ میں اسحٰق بن مروزی سے راوی حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ رویت کو ثابت مانتے اور اُس کی دلیل فرماتے قول النبی ﷺ رأیت ربی نبی ﷺ کا ارشاد ہے، میں نے اپنے رب کو دیکھا اھ مختصرا۔ نقاش اپنی تفسیر میں اُس امام سند الانام رحمہ اللہ تعالیٰ سے راوی انہ قال اقول بحدیث ابن عباس بعینہ رای ربہ رأہ رأہ حتی انقطع نفسہ یعنی اُنہوں نے فرمایا، میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معتقد ہوں نبی ﷺ نے اپنے رب کو اِسی آنکھ سے دیکھا دیکھا دیکھا یہاں تک فرماتے رہے کہ سانس ٹوٹ گئی۔ امام ابن الخطیب مصری مواہب شریف میں فرماتے ہیں، جزم بہ معمر و آخرون وھو قول الاشعری و غالب اتباعہ یعنی امام معمر بن راشد بصری اور اُن کے سوا اور علما نے اس پر جزم کیا اور یہی مذہب ہے امامِ اہلِ سنت امام ابو الحسن اشعری اور اُن کے غالب پیروؤں کا۔ علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں، الاصح الرّاجح انہ رای ربہ بعین راسہ حین اسری بہ کما ذھب الیہ اکثر الصحابۃ مذہب اصح و راجح یہی ہے کہ نبی ﷺ نے شبِ اسرا اپنے رب کو بچشم سر دیکھا جیسا کہ جمہور صحابۂ کرام کا یہی مذہب ہے۔ امام نووی شرحِ صحیح مسلم میں پھر علامہ محمد بن عبد الباقی شرحِ مواہب میں فرماتے ہیں، الرّاجح عند اکثر العلماء انہ رای ربہ بعین راسہ لیلۃ المعراج جمہور علما کے نزدیک راجح یہی ہے کہ نبی ﷺ نے شبِ معراج اپنے رب کو اِنہیں آنکھوں سے دیکھا ائمہ متاخرین کے جُدا جُدا اقوال کی حاجت نہیں کہ وہ حد شمار سے خارج ہیں اور لفظ اکثر العلما کہ منہاج میں فرمایا کافی و مغنی واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ

از کانپور محلہ بنگالی محل مرسلہ حامد علی خاں و کاظم حسین۔ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۲۰ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہمارے نبی ﷺ کا شبِ معراجِ مبارک عرشِ عظیم تک تشریف لے جانا علمائے کرام و ائمۂ اعلام نے تحریر فرمایا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے، یہ محض جھوٹ ہے۔ اُس کا یہ کہنا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بے شک علمائے کرام ائمۂ دین عدول ثقات معتمدین اپنی تصانیف جلیلہ میں اس کی اور اس سے زائد کی تصریحاتِ جلیلہ فرماتے ہیں اور یہ سب احادیث ہیں اگرچہ احادیث مرسل یا ایک اصطلاح پر معضل ہیں اور حدیث مرسل و معضل باب فضائل میں بالاجماع مقبول ہے۔ خصوصًا جبکہ ناقلین ثقات عدول ہیں اور یہ امر ایسا نہیں جس میں رائے کو دخل ہو تو ضرور ثبوت سند پر محمول اور مثبت نافی پر مقدم اور عدم اطلاع اطلاع عدم نہیں تو جھوٹ کہنے والا محض جھوٹا مجازف فی الدین ہے۔ امام اجل سیدی محمد بوصیری قدس سرہٗ قصیدۂ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

سریت من حرم لیلا الی حرم
کما سری البدر فی داج من الظلم
دبت ترقی الی ان نلت منزلة
من قاب قوسین لم تدرک ولم ترم
خفضت کل مقام بالاضافة اذ
نودیت بالرفع مثل المفرد العلم
فحزت کل فخار غیر مشترک
وجزت کل مقام غیر مزدحم

یعنی، یارسول اللہ! حضور رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں حرم مکّۂ معظمہ سے بیت الاقصےٰ کی طرف تشریف فرما ہوئے جیسے اندھیری رات میں چودھویں کا چاند چلے اور حضور اُس شب میں ترقی فرماتے رہے یہاں تک کہ قاب قوسین کی منزل پہنچے جو نہ کسی نے پائی نہ کسی کو اُس کی ہمت ہوئی۔ حضور نے اپنی نسبت سے تمام مقامات کو پست فرمادیا۔ جب حضور رفع کے لیے مفرد علم کی طرح ندا فرمائے گئے حضور نے ہر ایسا فخر جمع کرلیا جو قابلِ شرکت نہ تھا اور حضور ہر اُس مقام سے گزر گئے جس میں اوروں کا ہجوم نہ تھا یا یہ کہ حضور نے سب فخر بلاشرکت جمع فرمالیے اور حضور تمام مقامات سے بے مزاحم گزر گئے یعنی عالم امکان میں جتنے مقام ہیں حضور سب سے تنہا گزر گئے کہ دوسرے کو یہ امر نصیب نہ ہوا۔ علامہ علی قاری اُس کی شرح میں فرماتے ہیں ای انت دخلت الباب و قطعت الحجاب الی ان لم تزک غایة لساع الی السبق من کمال القرب المطلق الی جناب الحق ولا ترکت موضع رقی و صعود و قیام و قعود لطالب رفعة فی عالم الوجود بل تجاوزت ذلک الی مقام قاب قوسین او ادنی فاوحی الیک ربک ما اوحی یعنی حضور نے یہاں تک حجاب طے فرمائے کہ حضرت عزت کی جناب میں قرب مطلق کامل کے سبب کسی ایسے کے لیے جو سبقت کی طرف دوڑے کوئی نہایت نہ چھوڑی اور تمام عالمِ وجود میں کسی طالبِ بلندی کے لیے کوئی جگہ عروج و ترقی یا اُٹھنے بیٹھنے کی باقی نہ رکھی بلکہ حضور عالم مکان سے تجاوز فرما کر مقامِ قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچے تو حضور کے رب نے حضور کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ نیز امام ہمام ابو عبد اللہ شرف الدین محمد قدس سرہٗ اُمّ القریٰ میں فرماتے ہیں۔

و ترقی به الی قاب قوسین
و تلک السیادة القعساء
رتب تسقط الامانی حسری
دونها ما وراهنّ وراء

حضور کو قاب قوسین تک ترقی ہوئی اور یہ سرداری لازوال ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں کہ آرزوئیں اُن سے تھک کر گر جاتی ہیں،

ان کے اُس طرف کوئی مقام ہی نہیں۔ امام ابن حجر مکّی قدس سرہ المکی اُس کی شرح افضل القریٰ میں فرماتے ہیں: قال بعض الائمة والمعاريج ليلة الاسراء عشرة سبعة في السموات والثامن الى سدرة المنتهى والتاسع الى المستوى والعاشر الى العرش الخ۔

بعض ائمہ نے فرمایا شبِ اسرا دس معراجیں تھیں۔ سات ساتوں آسمانوں میں اور آٹھویں سدرۃ المنتہیٰ، نویں مستویٰ، دسویں عرش تک۔ سیدی علامہ عارف باللہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقۂ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں اسے نقل فرماکر مقرر رکھا حيث قال قال شهاب المكي في شرح همزية الابوصيري عن بعض الائمة ان المعاريج عشرة الى قوله والعاشر الى العرش والروية۔ معراجیں دس ہیں، دسویں عرش و دیدار تک نیز شرح ہمزیہ امام مکی میں ہے لما اعطى سليمن عليه الصلاة والسلام الريح التي غدوها شهر ورواحها شهر اعطى نبيا ﷺ البراق فحمله من الفرش الى العرش في لحظة واحدة و اقل مسافة في ذلک سبعة الاف سنته و ما فوق العرش الى المستوى والرفرف لا يعلمه الا الله تعالى جب سلیمن علیہ الصلاۃ والسلام کو ہوا دی گئی کہ صبح شام ایک ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی۔ ہمارے نبی ﷺ کو براق عطا ہوا کہ حضور کو فرش سے عرش تک ایک لحہ میں لے گیا اور اس میں ادنیٰ مسافت (یعنی آسمان ہفتم سے زمین تک) سات ہزار برس کی راہ ہے اور وہ جو فوق العرش سے مستویٰ و رفرف تک رہی، اُسے تو خدا ہی جانے۔ اُسی میں ہے: لما اعطى موسىٰ عليه الصلاة والسلام الكلام اعطى نبينا مثله ليلة الاسراء وزيادة الدنو والروية بعين البصر دشتان مابين جبل الطور الذي نوجي به موسىٰ عليه الصلاة والسلام و مافوق العرش الذي نوجي به نبيا ﷺ جب کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو دولتِ کلام عطا ہوئی ہمارے نبی ﷺ کو ویسی ہی شبِ اسرا ملی اور زیادت قرب اور چشمِ سر سے دیدارِ الٰہی۔ اُس کے علاوہ اور بھلا کہاں کوہِ طور جس پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناجات ہوئی اور کہاں مافوق العرش جہاں ہمارے نبی ﷺ سے کلام ہوا۔ اُسی میں ہے رقيه ببدنه يقظة ليله الاسراء الى السماء ثم الى سدره المنتهى۔ ثم الى المستوى ثم الى العرش والرفرف والرؤية نبی ﷺ نے اپنے جسم پاک کے ساتھ بیداری میں شبِ اسرا آسمانوں تک ترقی فرمائی پھر سدرۃ المنتہیٰ پھر مقام مستویٰ پھر عرش و رفرف و دیدار تک۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی رحمۃ اللہ علیہ تعلیقاتِ افضل القریٰ میں فرماتے ہیں: الاسراء به على يقظة بالجسد والروح من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى ثم عرج به الى السموت العلى ثم الى سدرة المنتهى ثم الى المستوى ثم الى العرش والرفرف نبی ﷺ کو معراج بیداری میں بدن و روح کے ساتھ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصےٰ تک ہوئی پھر آسمانوں پھر سدرہ پھر مستوی پھر عرش و رفرف تک فتوحاتِ احمدیہ شرح الہمزیہ للشیخ سلیمٰن الجمل میں ہے: رقيه ليلة الاسراء من بيت المقدس الى السموت السبع الى حيث شاء الله تعالىٰ لكنه لم يجاوز العرش على الراجح حضور سیدِ عالم ﷺ کی ترقی شبِ اسرا بیت المقدس سے ساتوں آسمان اور وہاں سے اُس مقام تک ہی جہاں تک اللہ عزوجل نے چاہا مگر راجح یہ ہے کہ عرش سے آگے تجاوز نہ فرمایا۔ اُسی میں ہے المعاريج ليلة الاسراء عشرة سبعة في السموات والثامن الى سدرة المنتهى والتاسع الى المستوى والعاشر الى العرش لكن لم يجاوز العرش كما هوا لتحقيق عند اهل

المعاریج معراجیں شبِ اسرا دس ہوئیں، سات آسمانوں میں اور آٹھویں سدرہ، نویں مستوی، دسویں عرش تک۔ مگر راویانِ معراج کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمایا۔ اُسی میں ہے بعدان جاوز السماء السابعة رفعت له سدرة المنتهى ثم جاوزها الى مستوى ثم زجّ به فى النور فخرق سبعين الف حجاب من نور مسيرة كل حجاب خمسمائة عام ثم دُلّى له رفرف اخضر فارتقى به حتى وصل الى العرش ولم يجاوزه فكان من ربه قاب قوسين او ادنى جب حضور اقدس ﷺ آسمان ہفتم سے گزرے سدرہ حضور کے سامنے بلند کی گئی اُس سے گزر کر مقام مستوی پر پہنچے پھر حضور عالم نور میں ڈالے گئے، وہاں ستر ہزار پردے نور کے طے فرمائے، ہر پردے کی مسافت پانسو (۵۰۰) برس کی راہ۔ پھر ایک سبز بچھونا حضور کے لیے لٹکایا گیا، حضور اس پر ترقی فرما کر عرش تک پہنچے اور عرش سے اُدھر گزر نہ فرمایا۔ وہاں اپنے رب سے قاب قوسین او ادنى پایا۔ **اقول** شیخ سلیمٰن نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی اور امام ابن حجر مکّی وغیرہ کی عبارات ماضیہ و آتیہ وغیرہا میں فوق العرش ولامکان کی تصریح ہی لامکان یقیناً فوق العرش ہے اور حقیقتاً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ عرش تک منتہائے مکان ہے، اُس سے آگے لامکان ہے اور جسم نہ ہو گا مگر مکان میں تو حضور اقدس ﷺ جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے اور روح اقدس نے وراء الوراتک ترقی فرمائی جسے اُن کا رب جانے جو لے گیا پھر وہ جانیں جو تشریف لے گئے۔ اسی طرف کلام امام شیخ اکبر رضی اللہ عنہ میں اشارہ عنقریب آتا ہے کہ ان پاؤں سے سیر کا منتہٰے عرش ہے۔ تو سیر قدم عرش پر ختم ہوئی نہ اس لیے کہ سیر اقدس میں معاذ اللہ کوئی کمی رہی بلکہ اس لیے کہ تمام اماکن کا احاطہ فرمالیا اوپر کوئی مکان ہی نہیں جسے کہیے کہ قدم پاک وہاں نہ پہنچا اور سیر قلب انور کی انتہا قاب قوسین اگر وسوسہ گزرے کہ عرش سے ورا کیا ہو گا کہ حضور نے اُس سے تجاوز فرمایا تو امام اجل سیدی علی وفا رضی اللہ عنہ کا ارشاد سنیے جسے امام عبد الوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت و الجواہر فی عقائد الاکابر میں نقل فرمایا کہ فرماتے ہیں ليس الرجل من يقيده العرش وما حواه عن الافلاك والجنة والنار وان للرجل من نفذ بصره الى خارج لهذا الوجود كله وهناك يعرف قدر عظمته موجده سبحنه و تعالىٰ مرد وہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اُس کے احاطہ میں ہے، افلاک و جنت و نار یہی چیزیں محدود و مقید کرلیں۔ مرد وہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گزر جائے۔ وہاں اُسے موجد عالم جل جلالہ کی عظمت کی قدر کھلے گی۔ امام علامہ احمد قسطلانی مواہب لدنیہ و منح محمدیہ اور علامہ محمد زرقانی اُس کی شرح میں فرماتے ہیں: (و منها انه راى الله تعالى بعينيه) يقظة على الراجح (وكلمه الله تعالىٰ فى الرفيع الاعلىٰ) على سائر الامكنة و قدروى ابن عساكر عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعا لما اسرى لى قربنى ربى حتى كان بينى و بينه قاب قوسين او ادنى نبی ﷺ کے خصائص سے ہے کہ حضور نے اللہ عزوجل کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا، یہی مذہب راجح ہے اور اللہ عزوجل نے حضور سے اُس بلند و بالا تر مقام میں کلام فرمایا جو تمام امکنہ سے اعلیٰ تھا اور بے شک ابن عساکر نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شبِ اسرا مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اُس میں دو کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا۔ اُس میں ہے: قد اختلف العلماء فى الاسراء بل هو اسراء واحدا واسراء ان مرة بروحه وبدنه يقظة بروحه و جسده من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى ثم مناما من المسجد الاقصے الى العرش فالحق انه

اسراء واحد بروحه وجسده يقظة في القصته كلها والى هذا ذهب الجمهور من علماء المحدثين والفقهاء والمتكلمين **علما کو اختلاف ہوا کہ معراج ایک ہے یا دو، ایک بار روح وبدنِ اقدس کے ساتھ بیداری میں اور ایک بار خواب میں یا بیداری میں روح وبدنِ مبارک کے ساتھ مسجد الحرام سے مسجدِ اقصےٰ تک پھر خواب میں وہاں سے عرش تک اور حق یہ ہے کہ وہ ایک ہی اسرا ہے اور سارے قصے میں یعنی مسجد الحرام سے عرشِ اعلیٰ تک بیداری میں روح وبدن اطہر ہی کے ساتھ ہے۔ جمہور علما، محدثین وفقہاو متکلمین سب کا یہی مذہب اُسی میں ہے۔** المعاريج عشرة (الى قوله) العاشر الى العرش۔ **معراجیں دس ہوئیں، دسویں عرش تک۔ اُسی میں ہے:** قد ورد في الصحيح عن انس رضی اللہ عنہ قال عرج بي جبريل الى سدرة المنتهى و دنا الجبار رب العزة فتدلى فكان قاب قوسين او ادنى مذليه على مافي حديث شريک کان فوق العرش۔ **صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میرے ساتھ جبریل نے سدرۃ المنتہٰی تک عروج کیا اور جبار رب العزۃ جل جلالہ نے** دنو و تدلی **فرمائی تو فاصلہ دو کمانوں بلکہ اُن سے کم کا رہا۔ یہ تدلی بالائے عرش تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:** ورد في المعراج انه نبي □ لما بلغ سدرة المنتهى جاءه بالرفرف جبريل عليه الصّلاة والسلام فتناوله فطار به الى العرش۔ **حدیث معراج میں میں وارد ہوا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی پہنچے، جبریلِ امین علیہ الصلاۃ والتسلیم رفرف حاضر لائے۔ وہ حضور کو لے کر عرش تک اُڑ گیا۔ اُسی میں ہے:** عليه يدل صحيح الاحاديث الآحاد الدالة علي دخوله الجنة ووصوله الى العرش او طرف العالم كما سيأتي كل ذلک بجسده يقظة **صحیح احاد حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شبِ اسرے جنت میں تشریف لے گئے اور عرش تک پہنچے یا عالم کے اُس کنارے تک آگے لامکان ہے اور یہ سب بیداری میں مع جسم مبارک تھا۔ حضرت سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ فتوحاتِ مکیہ شریف، باب ۳۱۶ میں فرماتے ہیں:** اعلم ان رسول □ لما كان خلقه القرآن و تخلق بالاسماء وكان الله سبحنه و تعالى ذكر في كتابه العزيز انه تعالى استوى على العرش على طريق التمدح والثناء على نفسه اذكان العرش اعظم الاجسام فجعل لنبيه عليه الصلا والسلام من هذا الاستواء نسبته على طريق التمدح والثناء به عليه حيث كان اعلى مقام ينتهي اليه من اسرى به من الرسل عليهم الصلاة والسلام وذلک يدل على انه اسرى به □ بجسمه ولو كان الاسراء به رؤيا لما كان الاسراء ولا الوصول الى هذا المقام تمدحا و لا وقع من الاعراب انكار على ذلک **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا اور حضور اسمائے الٰہیہ کی خو وخصلت رکھتے تھے اور اللہ سبحنہ وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اپنی صفاتِ مدح سے عرش پر استوا بیان فرمایا تو اُس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس صفتِ استوا علی العرش کے پرتو سے مدح ومنقبت بخشی کہ عرش وہ اعلیٰ مقام ہے جس تک رسولوں کا اسراء منتہٰے ہوا اور اس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسرا مع جسم مبارک تھا کہ اگر خواب ہوتا تو اسرا اور اس مقام استوا علی العرش تک پہنچنا مدح نہ ہوتا نہ گنوار اس پر انکار کرتے۔ امام علامہ عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الیواقیت و الجواہر میں حضرت موصوف سے ناقل** انما قال على سبيل التمدح حتى ظهرت لمستوى

اشارۃ لما قلنا من ان منتھی السیر بالقدم المحسوس العرش۔ **نبی ﷺ کا بطور مدح ارشاد فرمانا کہ یہاں تک کہ میں مستوی پر بلند ہوا، اُسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قدم جسم سے سیر کا منتہے عرش ہے۔ مدارج النبوۃ شریف میں ہے** فرمود پس گسترانیدہ شد برائے من رفرف سبز کہ غالب بود نور اوبُر نور آفتاب پس درخشیدہ بآں نور بصر من دنہادہ شدم من براں رفرف و برداشتہ شدم تا برسیدم بعرش۔ **اُسی میں ہے:** آوردہ اند کہ چوں رسید آں حضرت بعرش دست زد عرش بداماں اجلال دے۔ **اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شریف میں ہے:** جز حضرت پیغمبرما بالاتر ازاں ہیچ کس نہ رفتہ و آنحضرت بجائے رفت کہ آنجا جانیست ؎

برداشتہ از طبیعتہ امکاں قدم کہ آں
اَسْرٰی بعبدہ استہ من المسجد الحرام
تا عرصۂ وجوبہ کہ اقصائے عالم ستہ
کانجا نہ جا ست نے جہتہ و نے نشاں نہ نام

نیز اُسی کے باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ فصل سوم زیر حدیث قدرای ربہ مرتین **ارشاد فرمایا:** بتحقیق دید آنحضرت پروردگار خود را جل و علا دو بار یکے چوں نزدیک سدرۃ المنتہےٰ بود دوم چوں بالائے عرش برآمد۔ *مکتوباتِ حضرت شیخ مجدد الف ثانی، جلد اول، مکتوب ۲۸۳ میں ہے:* آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام دراں شب از دائرہ مکان و زمان بیرون جست و از تنگی امکان برآمدہ ازل و ابد را آں واحد یافت و بدایت و نہایت را در یک نقطہ متحد دید۔ **نیز مکتوب ۲۷۲ میں ہے:** محمدرسول کہ محبوبِ رب العلمین ست و بہترین موجوداتِ اولین و آخرین بدولت معراج بدنی مشرف شد و از عرش و کرسی درگزشت و از مکان و زمان بالارفت۔ **امام ابن الصلاح کتاب معرفۃ انواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں:** قول المصنفین من الفقھاء وغیرھم قال رسول اللہ کذا وکذا و نحو ذلک کلہ من قبیل المعضل و سماہ الخطیب ابو بکر الحافظ مرسلا وذلک علی مذھب من یسمے کل مالا یتصل مرسلا۔ **تلویح وغیرہ میں ہے:** ان لم یذکر الواسطۃ اصلا فمرسل۔ **مسلم الثبوت میں ہے: المرسل قول العدل قال علیہ الصلاۃ والسلام۔ فواتح الرحموت میں ہے:** الکل داخل فی المرسل عند اھل الاصول۔ **انہیں میں ہے:** المرسل انکان من الصحابی یقبل مطلقا اتفاقا دان من غیرہ فالاکثر و منھم الامام ابو حنیفہ والامام مالک والامام احمد رضی اللہ عنہم قالو یقبل مطلقا اذا کان الراوی ثقہ الخ۔ **مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:** لایضر ذلک فی الاستدلال بہ ھٰھنا لان المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعا۔ **شفائے امام قاضی عیاض میں ہے:** اخبر لقتل علی وانہ قسیم النار۔ **نسیم الریاض میں فرمایا:** ظاھر ھذا ان ھذا مما اخبر بہ النبی الا انھم قالوا لم یروہ احد من المحدثین الا ان ابن الاثیر قال فی النھایۃ ان علیا قال انا قسیم النار قلت ابن الاثیر ثقہ وما ذکرہ علی لا یقال من قبل الرائی فھو فی حکم المرفوع **اھ ملخصاً۔ امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:** عدم النقل لا ینفے الوجود۔

واللہ تعالیٰ اعلم

رجب کے نوافل

مسئلہ

ازبنارس محلہ مانپور متصل کول چونزہ اونچی سیڑھی مرسلہ عبدالستار ۱۵ر شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۲۷ تاریخ ماہ رجب کی، روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

بیہقی شعب الایمان اور دیلمی نے مسند الفردوس میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً روایت کی:

فی رجب یوم ولیلۃ من صام ذٰلك الیوم وقام تلك اللیلۃ کان کمن صام من الدھر مائۃ سنۃ وقام مائۃ سنۃ وھو لثلث بقین من رجب وفیہ بعث اللہ تعالٰی محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]

رجب میں ایک دن اور رات ہے جو اس دن کا روزہ رکھے اور وہ رات نوافل میں گزارے سو برس کے روزوں اور سو برس کی شب بیداری کے برابر ہو، اور وہ ۲۷ رجب ہے اسی تاریخ اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

قال البیھقی منکر[2] **(امام بیہقی نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ت) نیز اسی میں بطریق ابان بن عیاش حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً مروی:**

فی رجب لیلۃ یکتب للعامل فیھا حسنات مائۃ سنۃ، وذٰلك لثلث بقین من رجب فمن صلی فیہ اثنتی عشرۃ رکعۃ یقرأ فی کل رکعۃ فاتحۃ الکتاب وسورۃ من القراٰن، ویتشھد فی کل رکعۃ ویسلم فی اٰخرھن، ثم یقول سبحٰن اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر مائۃ مرۃ ویستغفر اللہ مائۃ مرۃ ویصلی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ مرۃ ویدعوہ لنفسہ ما شاء من

---

1 ۔الفردوس بماثور الخطاب، حدیث ۴۳۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۳/ ۱۴۲۔

شعب الایمان، حدیث ۳۸۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۳/ ۳۷۴۔

2 ۔کنزالعمال بحوالہ ھب، حدیث ۳۵۱۶۹، مکتبۃ التراث الاسلامی، بیروت، ۱۲/ ۳۱۲۔

امر دنیاہ واٰخرتہ ویصبح صائما فان اللہ یستجیب دعاءہ وکلہ الا ان یدعو فی معصیۃ۔[3] قال البیھقی ھو اضعف من الذی قبلہ،[4] قال ابن حجر فیہ متھمان[5]۔

رجب میں ایک رات ہے کہ اس میں عمل نیک کرنے والے کو سو برس کی نیکیوں کا ثواب ہے اور وہ رجب کی ستائیسویں شب ہے جو اس میں بارہ رکعت پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت، اور ہر دو رکعت پر التحیات اور آخر میں بعد سلام سبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر سو بار، استغفار سو بار، درود سو بار اور اپنی دنیا و آخرت سے جس چیز کی چاہے دعا مانگے اور صبح کو روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب دعائیں قبول فرمائے سوائے اس دعا کے جو گناہ کے لیے ہو۔ (بیہقی فرماتے ہیں یہ روایت سابقہ روایت سے زیادہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس کے دو راوی متہم بالکذب ہیں۔ت)

فوائد ہناد میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:

بعثت نبیا فی السابع والعشرین من رجب فمن صام ذٰلک الیوم ودعا عند افطارہ کان لہ کفارۃ عشر سنتین۔[6] اسنادہ منکر۔

۲۷ رجب کو مجھے نبوت عطا ہوئی جو اس دن کا روزہ رکھے اور افطار کے وقت دُعا کرے دس برس کے گناہوں کا کفارہ ہو (اس کی اسناد منکر ہے۔ت)

جزء ابی معاذ مروزی میں بطریق شہر ابن حوشب ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی:

من صام یوم سبع وعشرین من رجب کتب اللہ لہ صیام ستین شھرا وھو الیوم الذی ھبط فیہ جبریل علی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالرسالۃ۔[7]

جو رجب کی ستائیسویں کا روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب لکھے، اور وہ وہ دن ہے جس میں جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پیغمبری لے کر نازل ہوئے۔

تنزیہ الشریعۃ سے ماثبت بالسنۃ میں ہے:

---

3 ۔ شعب الایمان حدیث ۳۸۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۷۴

4 ۔ کنز العمال بحوالہ شعب الایمان حدیث ۳۵۱۷۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۲/ ۳۱۲

5 ۔ ماثبت بالسنۃ مع اردو ترجمہ بحوالہ ابن حجر ذکر ماہ رجب ادارہ نعیمیہ رضویہ لال کھوہ موچی گیٹ لاہور ص ۲۵۲۔

6 ۔ تنزیہ الشریعۃ بحوالہ فوائد ہناد کتاب الصوم حدیث ۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۶۱۔

7 ۔ تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۶۱۔

وھذا أمثل ما ورد في ھذا المعنی۔[8]
یہ اُن سب حدیثوں سے بہتر ہے جو اس باب میں آئیں۔
بالجملہ اس کے لیے اصل ہے اور فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف باجماعِ ائمہ مقبول ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ رکھنا ماہِ مبارک رجب مرجب کی ۲۷ تاریخ کو سوا رمضان کے بہ نسبت اور روزوں کے فضیلت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اگر رکھتا ہے تو کیا وجہ ہے اور ماسوا اس روزے کے درمیان سال بھر کے اور کون کون روزہ ایسا ہے جس کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد واسطے روزہ رکھنے کے، فرمایا ہے، اور اگر کوئی شخص روزہ ۲۷ رجب المرجب کو رکھے تو کس قدر مستحق ثواب کا رہو گا؟ اور نیز دُوسرے روزوں میں؟ اور اگر کوئی منع کرے اوروں کو، اور منکر ہو خود، تو وُہ کون ہے گنہ گار ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صوم وغیرہ اعمالِ صالحہ کے لیے بعد رمضان مبارک سب دنوں سے افضل عشرۂ ذی الحجہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ تعالیٰ من ھذہ الایام العشر قالوا یا رسول اللہ ولا الجھاد فی سبیل اللہ قال ولا الجھاد فی سبیل اللہ الا رجلا خرج بنفسہ ومالہ ثم لم یرجع من ذٰلک بشیء۔[9] رواہ البخاری والترمذی وابوداؤد و ابن ماجۃ والطبرانی فی الکبیر بسند جید والبیھقی کلھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما والطبرانی فیہ بسند صحیح عن ابن مسعود والبزار فی مسندہ بسند حسن وابو یعلی بسند صحیح وابن حبان صحیحہ عن جابر عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین۔

اور نہ راہ خدا میں جہاد؟ فرمایا: اور نہ راہِ خدا میں جہاد مگر وُہ کہ اپنی جان ومال لے کر نکلے پھر ان میں سے کچھ واپس نہ

---

8 ۔ تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۶۱۔
ماثبت بالسنۃ مع اردو ترجمہ ذکر ماہِ رجب ادارہ نعیمیہ رضویہ لال کھوہ موچی گیٹ لاہور ص ۲۳۴۔
9 ۔ جامع الترمذی باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر امین کمپنی خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۹۴۔
السنن الصغیر للبیہقی باب العمل الصالح فی العشر الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۷۸۔

لائے(اسے بخاری، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں سند جیّد کے ساتھ اور بیہقی تمام حضرات نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے، اور اس میں طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بزار نے اپنی مسند میں سندِ حسن کے ساتھ اور ابویعلیٰ نے سند صحیح کے ساتھ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔(ت)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن ایام احب الی اللہ ان یتعبد لہ فیھا من عشر ذی الحجہ یعدل صیام کل یوم منھا بصیام سنۃ وقیام کل لیلۃ منھا بقیام لیلۃ القدر۔[10] رواہ الترمذی وابن ماجۃ والبیھقی۔

اللہ عزوجل کو عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ کسی دن کی عبادت پسندیدہ نہیں، اُن کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں اور ہر شب کا قیام شب قدر کے برابر ہے۔(اسے ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ت)

خصوصاً روزِ عرفہ کہ افضل ایّام سال ہے، اس کا روزہ صحیح حدیث سے ہزاروں روزوں کے برابر ہے اور دو ۲ سال کامل کے گناہوں کی معافی، ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ۔

الائمۃ الستۃ الابخاری عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ قال سئل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم عن صوم یوم عرفۃ قال یکفرالسنۃ الماضیۃ والباقیۃ۔[11] ولابی یعلی بسند صحیح عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من صام یوم عرفۃ غفرلہ ذنب سنتین متتابعین[12] وللطبرانی بسند حسن والبیھقی واللفظ لہ عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول صیام یوم عرفۃ کصیام الف یوم۔[13]

بخاری کے علاوہ ائمہ ستہ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

10 ۔ جامع الترمذی باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۹۴۔
سُنن ابن ماجہ باب صیام العشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۵۔
11 ۔ صحیح مسلم کتاب الصیام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۸۔
سنن ابن ماجہ باب صیام العشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۵۔
12 ۔ مسند ابویعلیٰ حدیث ۷۵۱۰ مؤسسہ علوم القرآن بیروت ۶/ ۵۰۵۔
13 ۔ شعب الایمان، حدیث ۳۷۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۳/ ۳۵۷۔

سے یوم عرفہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: یہ سالہ گزشتہ اور آئندہ کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اور ابویعلیٰ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عرفہ کے دن روزہ رکھا اس کے مسلسل دو سالوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور طبرانی میں سند حسن کے ساتھ اور بیہقی نے اور بیہقی کے الفاظ ہیں ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ عرفہ کے روزہ کا ثواب ہزار دن کے روزوں کے برابر ہے۔(ت)

پھر سب دنوں سے افضل روزۂ عاشورہ یعنی دہم محرم کا روزہ ہے اس میں ایک سال گزشتہ کے گناہوں کی مغفرت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صام یوم عرفة سنة امامه وسنة خلفه ومن صام عاشوراء غفرله سنة۔[14] رواہ الطبرانی بسند حسن فی معجمه الاوسط عن ابی سعید ن الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه۔

جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پہلے اور آئندہ سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا اس کے ایک سال کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اسے طبرانی نے معجم الاوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے(ت)

محرم کے ہر دن کا روزہ ایک مہینہ کے روزوں کے برابر ہے۔

الطبرانی فی الکبیر والصغیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما بسند لا باس به عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من صام یوما من المحرم فله بکل یوم ثلثون حسنة۔[15]

طبرانی نے معجم کبیر اور صغیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے محرم کا ایک روزہ رکھا اس کے لیے ہر دن میں تیس ۳۰ نیکیاں ہیں(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افضل الصوم بعد رمضان، شعبان لتعظیم رمضان۔[16] رواہ الترمذی واستغربه والبیهقی فی الشعب وفیه صدقة بن موسٰی۔

14۔ الترغیب والترہیب بحوالہ معجم اوسط الترغیب فی صوم یوم عرفہ الخ، مصطفےٰ البابی، مصر، ۲/ ۱۱۲۔

15۔ المعجم الکبیر حدیث ۱۱۰۸۲ المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت، ۱۱/ ۷۲۔

16۔ جامع الترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی فضل الصدقۃ، امین کمپنی، دہلی، ۱/ ۸۴۔

رمضان کے بعد سب سے افضل شعبان کے روزے ہیں تعظیم رمضان کے لیے۔ (اسے ترمذی نے روایت کرکے غریب کہا اور بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا، اور اس میں ایک راوی صدقہ بن موسیٰ ہے۔ت)

تو ۲۷رجب کے روزے کو بعد رمضان سب روزوں سے افضل کہنا صحیح نہیں، ہاں بعض احادیث اُس کی فضیلت میں مروی ہُوئیں کہ فقیر نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیں، اُن سب میں بہتر حدیث موقوف ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

من صام یوم سبع عشرین من رجب کتب اللہ تعالیٰ لہ صیام ستین شھرا۔[17]

جو ۲۷رجب کا روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے پانچ برس کے روزوں کا ثواب لکھے۔

ایسی جگہ حدیث موقوف مثل مرفوع ہے کہ تعیین مقدار اجر کی طرف رائے کو اصلاً راہ نہیں، اور حدیثِ ضعیف[18] فضائل اعمال میں باجماع ائمہ مقبول ہے کما فصلناہ بما لا مزید علیہ فی رسالتنا الھاد الکاف فی حکم الضعاف (اس کی پوری تفصیل جس پر اضافہ دشوار ہے ہم نے اپنے رسالہ الہاد الکاف فی حکم الضعاف میں کی ہے۔ت) احادیث صحاح وحسن وصوالح میں اور بھی بہت روزوں کے فضائل آئے ہیں جیسے شش عید وایام بیض کہ دونوں میں ہر ایک سال بھر کے روزوں کا ثواب لاتا ہے کہ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا[19] (جس نے کوئی نیکی کی اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا۔ت) وروزہ دوشنبہ وروزہ پنجشنبہ وروزہ چہار شنبہ وپنجشنبہ کہ دوزخ سے آزاد ہیں[20] اور روزہ چہار شنبہ و پنجشنبہ وجمعہ کو جنت میں گوہر ویاقوت وزبرجد کا گھر بناتے ہیں[21] بلکہ روزہ جمعہ یعنی جب اس کے ساتھ پنجشنبہ یا شنبہ بھی شامل ہو مروی ہوا کہ دس ہزار برس کے روزوں کے برابر ہے[22] رواہ البیھقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً (اسے بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ت) روزہ سے منع کرنا خیر سے منع کرنا اور مناع للخیر (خیر سے روکنے والا) کے وبال میں داخل ہونا ہے جب تک ذاتاً یا عارضاً ممانعتِ شرعیہ نہ ثابت ہو، ۲۷ کے علاوہ روزہ ہائے رجب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں جن میں بعض خود اور بعض بتعدد مرتبہ صالح رکھتی ہیں، شیخ محقق مولانا

---

17 ۔ تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۱۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۶۱۔

18 ۔ اس کے مطالعہ کے لیے رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" ملاحظہ ہو جو فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۵ کے ص ۴۲۹ پر ہے۔

19 ۔ القرآن ۶/ ۱۶۰۔

20 ۔ کنز العمال حدیث ۲۴۱۹۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۵۶۴۔

الترغیب والترہیب الترغیب فی صوم الاربعاء الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۶۔

21 ۔ شعب الایمان حدیث ۳۸۷۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۹۷۔

22 ۔ الترغیب والترہیب الترغیب فی صوم الاربعاء مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۶۔

عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ القوی نے ماثبت بالسنۃ میں اُن کی تفصیل فرمائی۔

ومایروی عن الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فان رجب کانت تعظمہ الجاھلیۃ ایضاً وقد کان العھد قریباً والاحکام لم تتبین عند کثیر من الاعراب فتخشی الزیادۃ ولکل وجھۃ ھو مولیھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور جو فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے پس اس لئے کہ اہلِ جاہلیت بھی رجب کی تعظیم کرتے تھے زمانۂ جاہلیت اسلام سے قبل قریب تھا اور بہت سے عربوں پر احکام اچھی طرح واضح نہ ہو سکے تھے تو اس لیے رجب کے روزوں کے متعلق بیان میں از خود اضافہ کرنے کا خدشہ موجود ہے جبکہ ہر ایک کے لیے اپنے عمل کی راہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

شعبان المعظم

مشمولات	صفحہ نمبر
☆ اندھیری رات ہے غم کی، گھٹا عصیاں کی کالی ہے	188
☆ شبِ براءت کی تیاری	189

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دلِ بے کس کا اِس آفت میں آقا تو ہی والی ہے

نہ ہو مایوس آتی ہے صَدا گورِ غریباں سے
نبی امّت کا حامی ہے خدا بندوں کا والی ہے

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کرلے
اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

ارے یہ بھیڑیوں کا بن ہے اور شام آگئی سر پر
کہاں سو یا مسافر ہائے کتنا لا اُبالی ہے

اندھیرا گھر اکیلی جان دَم گھٹتا دل اُکتاتا
خدا کو یاد کر پیارے وہ ساعت آنے والی ہے

زمیں تپتی کٹیلی راہ بھاری بوجھ گھائل پاؤں
مصیبت جھیلنے والے ترا اللہ والی ہے

نہ چونکا دن ہے ڈھلنے پر تری منزل ہوئی کھوٹی
ارے او جانے والے نیند یہ کب کی نکالی ہے

رضؔا منزل تو جیسی ہے وہ اِک میں کیا سبھی کو ہے
تم اس کو روتے ہو یہ تو کہو یاں ہاتھ خالی ہے

شبِ براءت کی تیاری

۱۵ ر شعبان المعظّم کی رات مسلمانانِ عالم کے لیے خاص اہمیت اور تقدس کی حامل ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط میں اس مبارک شب کے بارے میں کچھ معمولات کا ذکر فرمایا تھا جو ہدیۂ قارئین ہے۔

از بریلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۱ر شعبان المعظّم ۱۳۳۴ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

شبِ براءت قریب ہے۔ اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرتِ عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولا عزوجل بہ طفیلِ حضورِ پُر نور شافعِ یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے۔ مگر چند اُن میں وہ دو مسلمان جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے، اُن کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں۔

لہٰذا اہلِ سنّت کو چاہیے کہ حتی الوسع قبلِ غروب آفتاب ۱۴ر شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کرلیں،

ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں یا معاف کرالیں کہ باذنہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائفِ اعمال خالی ہوکر بارگاہِ عزت میں پیش ہوں۔ حقوقِ مولیٰ تعالیٰ کے لیے توبۂ صادقہ کافی ہے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ۔ ایسی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ ضرور اس شب میں امیدِ مغفرتِ تامہ ہے۔ بہ شرطِ صحتِ عقیدہ وھو الغفور الرّحیم۔

یہ سب مصالحت اخوان و معافیِ حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سال ہائے دراز سے جاری ہے۔ امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجرا کر کے من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها الی یوم القیامة لاینقص من اجورھم شیئا کے مصداق ہوں یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے، اِس کے لیے اُس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اُس پر عمل کریں، اُن سب کا ثواب ہمیشہ اِس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے بغیر اس کے کہ اُن کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔

اور اِس فقیرِ ناکارہ کے لیے عفوِ عافیتِ دارَین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لیے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے۔ صلح و معافی سب سچے دل سے ہو۔

والسلام

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

﴿کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مرتبہ: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی، مکتبۂ بحر العلوم، مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ص:۳۵۶﴾

رمضان المبارک

مشمولات	صفحہ نمبر
☆ شورِ مہِ نو سُن کر تجھ تک میں دواں آیا	192
☆ وَصَّافُ الرَّجِیْحِ فِیْ بَسْمَلَۃِ التَّرَاوِیْحِ	193
☆ اَلْعُرُوْسُ الْمُعْطَارُ فِیْ زَمَنِ دَعْوَۃِ الْاِفْطَارِ	234
☆ اعتکاف	247

شورِ مہِ نو سن کر تجھ تک میں دواں آیا

شورِ مہِ نَو سن کر تجھ تک میں دَواں آیا
ساقی میں ترے صدقے مے دے رمضاں آیا

اس گل کے سوا ہر پھول باگوش گراں آیا
دیکھے ہی گی اے بلبل جب وقتِ فغاں آیا

جب بامِ تجلی پر وہ نیّرِ جاں آیا
سر تھا جو گرا جھک کر دل تھا جو تپاں آیا

جنت کو حرم سمجھا آتے تو یہاں آیا
اب تک کے ہر اک کا منھ کہتا ہوں کہاں آیا

طیبہ کے سوا سب باغ پامالِ فنا ہوں گے
دیکھو گے چمن والو! جب عہدِ خزاں آیا

سر اور وہ سنگِ در آنکھ اور وہ بزمِ نور
ظالم کو وطن کا دھیان آیا تو کہاں آیا

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل چکر میں گماں آیا

جلتی تھی زمیں کیسی تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قدِ بے سایہ اب سایہ کناں آیا

طیبہ سے ہم آتے ہیں کہیے تو جناں والو
کیا دیکھ کے جیتا ہے جو واں سے یہاں آیا

لے طوقِ الم سے اب آزاد ہو اے قمری
چٹھی لیے بخشش کی وہ سروِ رواں آیا

نامہ سے رضاؔ کے اب مٹ جاؤ بُرے کامو
دیکھو مِرے پلّہ پر وہ اچھے میاں آیا

بدکار رضاؔ خوش ہو بدکام بھلے ہوں گے
وہ اچھے میاں پیارا اچھوں کا میاں آیا

وَصَّافُ الرَّجِیحِ
فِی بَسْمَلَةِ التَّرَاوِیحِ

(۱۳۱۲ ھ)

(تراویح میں بسم اللہ سے متعلق راجح قول کا بیان)

(ختمِ تراویح میں ایک بار جہر سے بسم اللہ پڑھنے کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۱۱۴: ازاوجین، مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی ملا محمد یعقوب علی خاں صاحب ۲۶/رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں تمام بلاد ہندوستان میں کہ سب اہل سنت وجماعت بفضلہٖ تعالیٰ حنفی المذہب ہیں ہمیشہ سے یہی رواج دیکھا سنا کہ تمام حفاظ قرآن، تراویح میں بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں کسی نہ کسی سورت پر، بس ایک بار آواز سے پڑھ لیتے ہیں اور بعض لوگ پیدا ہوئے کہ اس میں بہت جھگڑا اٹھاتے ہیں زید کہ اس کا رسالہ مرسل خدمت والا ہے باتباع دو مولویوں گنگوہی و پانی پتی کے دعوٰی کرتا ہے کہ تراویح میں بسم اللہ بالجہر ہر سورت کے سرے پر ماسواء سورہ برأت کے، از بس لازم ہے ورنہ ۱۱۳ (ایک سو تیرہ) اور کبھی کہتا ہے ایک سو چودہ (۱۱۴) آیت کا نقصان لازم آئے گا، بسم اللہ کا جزویت ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک تواتراً منقول ہے حنفیہ کے نزدیک بھی علی سبیل القطع والتواتر ہے متفق علیہ، بلکہ اجماع امت متفق ہیں، عمرو نے اس جہر سے انکار کیا، اس پر زید نے اسے کہا بتسویل نفسانی، منہمک سیآت کے ہوا اور تخریبِ دین محمدی میں کمر باندھ کر اصول و قواعد دینیہ سے برطرف ہوا، اس رسالہ میں ایک عبارت

اور دو فتوے مولویین مذکورین سے نقل کئے صفحہ ۱۵ پر لکھا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی تبیین الضاد ترجمہ تحفہ نذریہ میں فرماتے ہیں جان لو کہ جب اہل قرآت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے یا نہیں، پس تمام قرآن کو تراویح میں پڑھنے والے پر، جو اُن قاریوں کی قرآت پڑھے جو بسم اللہ کو ہر سورت کا جزو جانتے ہیں، واجب ہے کہ بسم اللہ کو ہر سورت کے سرے پر پکار کر پڑھے ورنہ ختم قرآن مجید میں سے اس کو ایک سو چودہ (۱۱۴) آیتوں کا کم کرنا اور ترک کر دینا لازم آتا ہے اور جائز نہیں ہے، ان شہروں میں جہاں کے اکثر باشندے حنفی مذہب رکھتے ہیں اس کے خلاف دستور ہے، پس معلوم نہیں اس ترک وغفلت کا کیا سبب ہے فقط، صفحہ ۱۷ پر لکھا "استفتائے مولوی رشید احمد گنگوہی، بسم اللہ کا جہر سے پڑھنا تراویح میں مضائقہ نہیں اور نماز میں اس سے کوئی قباحت نہیں ہوتی، یہ بھی قرأ کا مذہب ہے، اگر حضرت حفص کی اقتداء کرو، درست ومقبول ہے اور جو حسب مذہب حنفیہ نہ پڑھے تاہم کوئی عیب نہیں، سب حق پر ہیں سب کے مذاہب صحیح ودرست ہیں لیکن حفاظ قرآن مجید کو لازم ہے کہ پڑھا کریں ورنہ بموجب فرمان مولوی عبدالرحمن صاحب کے عندالحفص ختم میں نقصان رہے گا فقط واللہ اعلم کتبہ رشید احمد گنگوہی"، صفحہ ۱۸ پر لکھا "استفتاء قاری عبدالرحمان صاحب پانی پتی، زمانہ قراء سبعہ کا، زمانہ اجتہاد وعمل بالسنۃ کا تھا، زمانہ تابعین کا تھا، اور مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ منقولہ میں، اور مدار قراء کا فقط روایت وصحت پر ہے اور قراء سب اپنی اپنی قراءت کی روایت صحیح رکھتے ہیں اس میں دخل مذہب کو نہیں ہے لہٰذا قراءت میں کسی اہل ہوا کا خلاف نہیں ہے۔ ائمہ مذہب تا زمانہ قراء، محتاج الیہ ومحصور نہ تھے بلکہ بعد قراء کے تھے، ائمہ قرآت کو پوچھنا کہ کیا مذہب رکھتے تھے، حمق ہے، بعد صحت روایت کے آنحضرت ﷺ سے پھر حاجت کسی مذہب اور کسی اجتہاد کی نہیں ہے اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) قول احناف کا ہے، جب مدار صحت روایت پر مذاہب اربعہ میں ہوا پھر جو کوئی کسی مذہب کا کسی قاری کی قرآت پڑھے گا اس کی قرآت میں جو ہو اس کی اتباع کرے، جو کہ امام عاصم کی قرآت میں بروایت حفص بسم اللہ درمیان ہر دو سورت کے ثابت ہے روایۃً، اور کہیں حنفیہ کی کتب میں ممانعت قرآت عاصم وحفص کی استیعاباً واقع نہیں ہے تو تراویح میں بسم اللہ پڑھنا جائز ہوا و اِلّاً پورا ختم روایت حفص میں نہ ہوا فقط واللہ اعلم بالصواب العبد عبدالرحمٰن عفی عنہ"۔ صفحہ ۲۱ پر لکھا "صلوٰۃ مفروضہ میں ختم مقصود نہیں اس لئے وہاں جہر لازم نہیں وہاں اتباع ابو حنیفہ کا چاہئے اور تراویح میں مقصود ختم کامل قرآن ہے وہاں اتباع قرائے مبسملین، بسم اللہ کو جہراً پڑھنا ساتھ تأکد کے جائز ہے ورنہ ختم میں نقصان لازم آتا ہے چنانچہ یہی تحریر خاکسار نے بارہا قاری عبدالرحمن صاحب کی زبانی بھی سنی ہے"۔ اب علماء سے عرض ہے کہ یہ بیانات وفتاوٰی صحیح ہیں یا غلط، اور یہاں مذہب حنفی میں کیا حکم؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللّٰہ سرا وجهارا وليلا ونهارا حمدا كبارا ادامة واكثارا والصلوات السامية والتحيات النامية على من سن فى الصلوة اسرارالتسمية وعلى اله وصحبه النفوس الحامية لبيضة السنة من الغوغاء العامية امين امين ياارحم الراحمين۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں آہستہ اور بلند، دن اور رات کو، بڑی حمدیں اور زیادہ، بلند درود اور اونچے سلام اس ذات پر جس نے نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا سنت فرمایا اور آپ کی آل واصحاب پر جو کہ خالص سنت کو عوام کے شور ش سے محفوظ رکھنے والے ہیں آمین آمین یاارحم الراحمین۔(ت)

بسم اللہ شریف کا تراویح میں ہر سورت پر جہر، مذہب حنفی میں لازم وواجب ہونا محض بے اصل وباطل صریح، اور حنفیہ کرام پر افتراء قبیح ہے تحصیل سنت ختم فی التراویح کے لئے صرف ایک بار کسی سورت پر جہر کرنے کی ہماری کتب میں صاف تصریح ہے زید بے علم اور اس کے دونوں متبوعوں کی تحریر سراسر بے تحریر وغیر صحیح ہے، مسلم الثبوت میں ہے:البسملة من القرآن اٰية فتقرأ فی الختم مرة[1]۔یعنی بسم اللہ شریف قرآن عظیم کی آیت ہے تو ختم میں ایک بار پڑھی جائے۔

ملک العلماء بحر العلوم اس کی شرح فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:علی هذا ينبغی ان يقرأها فی التراويح بالجهر مرة ولا تتأدى سنة الختم دونها[2]۔ یعنی اس بناپر چاہیے کہ بسم اللہ شریف تراویح میں جہر سے ایک بار پڑھی جائے بے اس کے سنت ختم ادانہ ہوگی۔

شرح مولانا ولی اللہ میں ہے:من قال بكون البسملة جزء من القرآن من غيرتعيين المحل اوجزئيتها له فی اول كل سورة قال بوجوب قرأتها فيمايختم فيه القرآن من الصلوة كالتراويح الا ان الجماعة الاولى تقول بوجوب قرأتها جهراً مرة والثانية تقول بوجوب قرأتها جهرا فی اول كل سورة سواء البرأة[3]۔یعنی جو علماء بسم اللہ شریف کو جزوِ قرآن مجید مانتے ہیں خواہ بے تعیین محل (جیسے علماءِ حنفیہ وغیرہم) یایوں کہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے (جیسے علماء شافعیہ) ان سب کے نزدیک جس نماز میں قرآن مجید کا ختم کیاجائے جیسے

1۔مسلم الثبوت كامل مسئلة البسملة من القرآن، مطبوعہ مطبع انصاری، دہلی، ص:۱۵۱۔

2۔فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذيل المستصفى مسئلة البسملة من القرآن، مطبوعہ مطبعۃ امیریہ بولاق، مصر، ۲/ ۱۴۔

3۔شرح مسلم الثبوت ولی اللہ۔

تراویح، اس میں بسم اللہ شریف کا پڑھنا ضرور ہے مگر ہمارے ائمہ وجمہور علماء کے نزدیک صرف ایک بار باآواز اور شافعی مذہب میں سورہ برأت کے سوا ہر سورت کی ابتدا پر۔

قمر الاقمار مولانا عبدالحلیم انصاری میں ہے: اعلم ان التسمیۃ اٰیۃ من القراٰن کلہ انزلت للفصل بین السور ولیست جزء من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ فالقراٰن عبارۃ عن مائۃ واربعۃ عشر سورۃ واٰیۃ وھی التسمیۃ فلابد فی ختم القراٰن من قراءۃ التسمیۃ مرۃ علی صدر اٰیۃ سورۃ کانت وھذا کلہ عندنا علی المختار[4] اھ مختصرا۔ یعنی بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں صرف ایک آیت ہے کہ سورتوں میں فصل کے لئے اتاری گئی، نہ وہ فاتحہ کی جز ہے نہ ہر سورت کی، تو قرآن عظیم نام ہے ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں اور ایک آیت کا کہ وہ بسم اللہ شریف ہے پس ختم قرآن میں بسم اللہ شریف کا کسی سورت کے سرے پر ایک بار پڑھنا ضرور ہے یہ سب ہمارے ائمہ کا مذہب مختار ہے اھ مختصراً۔

جواب مسئلہ تو اسی قدر سے ہو گیا مگر فقیر غفر اللہ بعون رب قدیر جل جلالہ، تحقیق حق نجیح وتلخیص قول رجیح کے لئے چند افادات عالیہ لکھے جن سے بتوفیق تعالیٰ احکام مسئلہ کو نور انکشاف اور اوہام باطلہ کو ظہور انکساف ملے واللہ المعین وبہ نستعین (اللہ تعالیٰ مددگار ہے اور اسی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ ت)

افادہ اولیٰ: بسم اللہ شریف کے باب میں ہمارے ائمہ کرام بلکہ جمہور ائمہ صحابہ وتابعین وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب حق ومحقق یہ ہے کہ وہ کسی سورت قرآن کی جز نہیں، جداگانہ آیت واحدہ ہے کہ تبرک وفصل بین السور کے لئے مکرر نازل ہوئی۔ امام عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری علیہ رحمۃ الباری کہ اجلہ ائمہ حنفیہ ہیں کتاب التحقیق شرح حسامی میں فرماتے ہیں: الصحیح من المذھب انھا من القراٰن لکنھا لیست جزء من کل سورۃ عندنا بل ھی اٰیۃ منزلۃ للفصل بین السور کذا ذکر ابوبکر الرازی ومثلہ روی عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ[5]۔ صحیح مذہب ہمارا یہ ہے کہ وہ قرآن کی جز ہے مگر ہر سورت کی جز نہیں بلکہ یہ ایسی آیت ہے جو سورتوں میں فاصلہ کے لئے نازل کی گئی ہے، یوں ابوبکر رازی نے ذکر کیا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔ (ت)

امام محقق ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں: المشھور عن اصحابنا انھا لیست باٰیۃ من الفاتحۃ ولا من غیرھا بل ھی اٰیۃ من القراٰن مستقلۃ نزلت للفصل بین السور[6]۔ ہمارے اصحاب سے یہی مشہور ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی مستقل آیت ہے جو سورتوں میں فصل کے

4۔ قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار، مقدمہ الکتاب، مطبوعہ مطبع علیمی، دہلی، ص: ۹۔
5۔ کتاب التحقیق، شرح حسامی، مقدمہ الکتاب، مطبوعہ منشی نولکشور، لکھنؤ، ص: ۶۔
6۔ حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی۔

لئے نازل کی گئی ہے(ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:ان مذھبنا ومذھب الجمھور لیست اٰیة من الفاتحة ولامن کل سورة[7]۔ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے(ت)

امام ابوالبرکات نسفی کنزالدقائق اور علامہ ابراہیم حلبی ملتقی الابحر اور علامہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی تنویر الابصار میں فرماتے ہیں:ھی اٰیة من القراٰن انزلت للفصل بین السور ولیست من الفاتحة ولامن کل سورة[8]۔یہ قرآن کی آیت ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے(ت)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:قال اصحابنا البسملة اٰیة من القراٰن انزلت للفصل بین السور لیست من الفاتحة ولامن اول کل سورة[9]۔ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے نہ تو یہ فاتحہ کی جز ہے اور نہ ہی کسی سورۃ کا یہ اول ہے(ت)اسی طرح بہت کتب میں ہے:

افادہ ثانیہ: مجرد تکرر نزول ہرگز موجب تعدد نہیں ورنہ قائلان تکرار نزول فاتحہ قرآن عظیم میں دو سورہ فاتحہ مانتے کہ اُن کے نزدیک فاتحہ مکہ معظمہ میں نازل ہو کر مدینہ طیبہ میں دوبارہ اُتری۔علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح میں فرماتے ہیں:تعدد نزولھا یقتضی تعدد قراٰنیتھا کیف وقدقیل بتکرار نزول الفاتحة ولم یقل احد بتعدد قراٰنیتھا[10]۔بسم اللہ کے نزول کا تعدد اس بات کو لازم نہیں کہ وہ متعدد بار قرآن کا جز بنے،یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ سورہ فاتحہ کے نزول میں تعدد کا قول ہے لیکن فاتحہ کا قرآن کے متعدد جز ہونے کا قول کسی نے نہیں کیا(ت)

علامہ خسرو کے حاشیہ تلویح میں ہے:القول بتکررہ لایقتضی القول بتعددھا کیف وقدقیل الی اٰخر مامر[11]۔بسم اللہ کے تکرار نزول کا قول اس کے متعدد ہونے کو لازم نہیں،یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ سورہ فاتحہ کے بارے،الٰی آخرہ۔(ت)

ولہٰذا علامہ بحر نے بحرالرائق میں فرمایا:انھا فی القراٰن اٰیة واحدة یفتتح بھا کل سورة

7۔غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی،بیان صفۃ الصلوٰۃ،مطبوعہ سہیل اکیڈمی،لاہور،ص:۳۰۶۔

8۔ملتقی الابحر مع مجمع الانہر،باب صفۃ الصلوٰۃ،مطبوعہ داراحیاء التراث العربی،بیروت،۱/۹۵۔

درمختار،فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰہ،مطبوعہ مطبع مجتبائی،دہلی،بھارت،۱/۷۵۔

9۔عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری،خطبۃ الکتاب،مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ،بیروت،۱/۱۲۔

10۔تتمہ،حاشیہ چلپی علی التوضیح والتلویح،حاشیہ ۲۵ متعلق ص ۵۰،مطبوعہ منشی نولکشور،کانپور،ص:۵۵۔

11۔حاشیہ تلویح لملا خسرو،مطبوعہ منشی نولکشور،کانپور،ص:۳۱۔

وعندالشافعی اٰیات فی السور[12]۔یہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے اس سے ہر سورۃ کا افتتاح کیا جاتا ہے، اور امام شافعی کے نزدیک یہ ہر سورۃ کی علیحدہ آیت ہے۔(ت)

اسی طرح قمر الاقمار سے بھی گزرا کہ وہ ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک تمام قرآن میں صرف ایک آیت ہے نہ یہ کہ ایک سو تیرہ یا چودہ آیتیں ہوں اور جب آیت واحدہ ہے تراویح میں اس کی صرف ایک بار تلاوت ادائے سنت ختم کے لئے آپ ہی کافی کما لا یخفی علی کل عاقل (یہ کسی عاقل سے مخفی نہیں چہ جائیکہ فاضل سے مخفی ہو۔ت) کون جاہل کہے گا کہ ایک آیت کو جب تک سوبار نہ پڑھو ختم پورا نہ ہو۔

افادہ ثالثہ: بسم اللہ شریف کا جزو سورت ہونا، ہر گز ہر گز حضور پر نور سیّد المرسلین ﷺ سے متواتر ہونا درکنار، ثابت کرنا دشوار، اس کے تواتر کا ادعا محض بہتان وافتراء، بلکہ احادیث صحیحہ اس کلیہ کے نقض پر صاف گواہ، کحدیث قسمۃ الصلٰوۃ وحدیث ثلثین اٰیۃ للملک وغیرھا کما فصلہ العلماء الکرام فی تصانیفھم ولاحاجۃ الی ایرادھا ھنا فان شھرۃ الکلام فیہ اغنتنا عن اعادتہ و اطالۃ المقال بتذکارہ۔ جیسا کہ تقسیم نماز والی حدیث، اور وہ حدیث جس میں سورۃ ملک کی تیس آیتوں کا ذکر اور ان جیسی اور احادیث جن کو علماء کرام نے مفصل طور پر اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، یہاں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس بات کی شہرت نے ہمیں یہاں ذکر کرنے سے مستغنی کردیا ہے نیز ان کے ذکر سے بات لمبی ہوگی۔(ت)

افادہ رابعہ: یونہی اس پر اجماع امت کا بیان افترا و بہتان، بلکہ علما فرماتے ہیں صحابہ کرام و تابعین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع تھا کہ بسم اللہ شریف جزو سور نہیں، قول جزئیت اُن کے بعد حادث و نو پیدا ہوا، سیدی فقیہ مقری علی نوری سفاقسی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں: ھذا ان قلنا ان البسملۃ لیست باٰیۃ ولا بعض اٰیۃ من اول الفاتحۃ ولا من غیرھا وانما کتبت فی المصاحف للتیمن والتبرك اوانھا فی اول الفاتحۃ لابتداء الکتاب علی عادۃ اللہ جل وعز فی ابتداء کتبہ وفی غیر الفاتحۃ للفصل بین السور قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایعرف فصل السورۃ حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وھو مذھب مالك وابی حنیفۃ والثوری وحکی عن احمد وغیرہ وانتصر لہ مکی فی کشفہ وقال انہ الذی اجمع علیہ الصحابۃ والتابعون والقول بغیرہ محدث بعد اجماعھم وشنع القاضی ابوبکر بن الطیب بن الباقلانی المالکی البصری نزیل بغداد علی من خالفہ وکان اعرف الناس بالمناظرۃ وادقھم فیھا نظر[13]۔یہ تب ہے جب ہم یہ کہیں کہ بسم اللہ آیت

12۔بحر الرائق، باب صفۃ الصلوٰۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/۳۱۳۔

13۔غیث النفع فی القراءات السبع، باب البسملۃ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص۵۷۔

نہیں اور فاتحہ اور کسی سورۃ کی جز نہیں اور یہ صرف قرآن میں برکت کے طور پر لکھی گئی ہے یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے اپنی تمام کتابوں میں بسم اللہ سے ابتداء فرمائی لہٰذا سورہ فاتحہ کے ابتداء میں بھی ذکر فرمائی اور باقی سورتوں کے ابتداء میں صرف سورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دو سورتوں کا فصل بسم اللہ الرحمن الرحیم کے نازل ہونے پر معلوم کرتے تھے، یہی امام مالک، ابو حنیفہ، ثوری کا مذہب ہے، اور امام احمد وغیرہ سے یہی بیان کیا گیا ہے اور امام مکی نے اسی کو اپنی کتاب کشف میں اپنایا ہے اور فرمایا کہ یہی وہ ہے جس پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہے، بسم اللہ کے بارے میں کوئی اور بات اس اجماع کے بعد نئی چیز ہو گی، اور قاضی ابو بکر بن طیب بن باقلانی مالکی بصری نیز بغدادی نے اس کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور یہ قاضی ابو بکر خود بحث کے ماہر اس میں دقّت نظر رکھتے ہیں۔ (ت)

امام زیلعی تبیین الحقائق پھر علامہ سید ابو السعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں: قال بعض اھل العلم ومن جعلھا من کل سورۃ فی غیر الفاتحۃ فقد خرق الاجماع لانھم لم یختلفوا فی غیر الفاتحۃ[14]۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ کو فاتحہ کے علاوہ کسی سورت کا جز مانتا ہے وہ اجماع کا خلاف کرتا ہے کیونکہ فاتحہ کے بغیر کسی سورۃ کے بارے میں اختلاف نہیں۔ (ت)

امام بدرالدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں: فان قیل نحن نقول انھا اٰیۃ من غیر الفاتحۃ فکذلك انھا اٰیۃ من الفاتحۃ قلت ھذا قول لم یقل بہ احد ولھذا قالوا زعم الشافعی انھا اٰیۃ من کل سورۃ وما سبقہ الی ھذا القول احد لان الخلاف بین السلف انما ھو فی انھا من الفاتحۃ او لیست باٰیۃ منھا ولم یعدھا احد اٰیۃ من سائر السور[15]۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ ہم بسم اللہ کو آیت مانتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوا کہ فاتحہ کی آیت ہے اور کسی اور سورۃ کی بھی آیت ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ کسی کا قول نہیں ہے اسی لئے جمہور نے کہا کہ صرف امام شافعی کا خیال ہے کہ یہ ہر سورہ کی آیت ہے جبکہ امام شافعی سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کی، کیونکہ اس سے پہلے اسلاف میں صرف یہ تھا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں، اور اس کو کسی نے باقی سورتوں کا جز نہیں مانا۔ (ت)

افادہ خامسہ: تمام مصاحف حفصیہ میں ہر بسم اللہ شریف پر نشان آیت موجود ہے وہ بلاشبہ اُن کے نزدیک آیت تامہ ہے، اب سورہ بقر سے لے کر سورہ ناس تک تمام سور میں آیات حفصیہ کی گنتی بتایئے، دیکھئے تو کہیں بھی بسم اللہ شریف گنتی میں آئی ہے، مثلاً سورہ اخلاص چار آیت ہے بسم اللہ سے الگ ہی چار آیتیں ہیں، سورہ کوثر میں تین آیتیں ہیں بسم اللہ سے

14۔ فتح المعین علی شرح الکنز، فصل واذا اراد الدخول　الخ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/۱۸۷۔

15۔ عمدۃ القاری شرح بخاری، باب مایقول بعد التکبیر، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، بیروت، ۵/۲۹۲۔

جداہی تین آیتیں ہیں وعلی ھذا القیاس بخلاف سورہ فاتحہ کہ سات آیتیں ہیں اور ان کے نزدیک انعمت علیھم پر آیت نہیں ولہٰذا ہمارے مصاحف میں اس پر نشان آیت، عند الغیر ۵، لکھتے ہیں نہ o، یہ صاف دلیل واضح ہے کہ ہمارے قراء کے نزدیک بسم اللہ بقرہ سے ناس تک کسی سورت کی جز نہیں بلکہ ایک انہیں قاریوں کی کیا تخصیص، سب کے نزدیک، سوا فاتحہ کے، کہ مختلف فیہا ہے باقی تمام سورتوں کے شمار آیات سے بسم اللہ شریف خارج ہے یہ بھی اس ارشاد علما کا پتا دیتا ہے کہ قول جزئیت حادث وخلاف اجماع ہے۔

امام زیلعی تبیین پھر علامہ ازہری فتح المعین میں فرماتے ہیں: ان کتاب المصاحف کلھم عدوا اٰیات السور فاخرجوھا من کل سورۃ وقال بعض اھل العلم[16] الی اٰخر ما مر۔ قرآن پاک کے تمام کاتبوں نے سورتوں کی آیات کو شمار کیا ہے اور انہوں نے بسم اللہ کو کسی سورت کی آیات میں شمار نہیں کیا، اور بعض علماء نے گزشتہ قول کو آخر تک بیان کیا۔ (ت)

عمدہ میں امام عینی کا ارشاد گزرا: لم یعدھا احد اٰیۃ من سائر السور[17] (اس کو کسی نے باقی سورتوں کی آیت نہیں مانا۔ ت)

تنبیہ: شمار سے اخراج توعدم جزئیت میں صریح ظاہر ہے اور ادخال میں علمائے کرام نے جائز فرمایا کہ صرف ظن کی طرف مستند ہو تو مفید قطعیت جزئیت نہ ہوسکے گا، امام زیلعی نصب الرایہ اور امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں: لعل اباھریرۃ مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقرأھا فظنھا من الفاتحۃ، فقال انھا احدی اٰیاتھا ونحن لاننکرانھا من القراٰن، ولکن النزاع وقع فی مسئلتین احدٰھما انھا اٰیۃ من الفاتحۃ، والثانیۃ ان لھا حکم سائر اٰیات الفاتحۃ جھرا وسرا، ونحن نقول، انھا اٰیۃ مستقلۃ قبل السورۃ، ولیست منھا، جمعا بین الادلۃ، وابوھریرۃ لم یخبر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال: ھی احدی اٰیاتھا، وقراءتھا قبل الفاتحۃ لایدل علی ذلک واذا جاز ان یکون مستند ابی ھریرۃ قراءۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لھا، وقد ظھر، ان ذلک لیس بدلیل علی محل النزاع، فلایعارض بہ ادلتنا الصحیحۃ الثابتۃ[18] اھ۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پڑھتے ہوئے سنا تو خیال فرمایا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی جز ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ فاتحہ کی آیات میں شامل ہے، بسم اللہ کا قرآن کی آیت ہونے

16۔ فتح المعین علی شرح الکنز فصل واذا اراد الدخول مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۸۷۔

17۔ عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر مطبوعۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۲۹۲۔

18۔ عمدۃ القاری شرح بخاری احادیث البسملۃ فی الصلوٰۃ، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، بیروت، ۲۸۶/۵۔

نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ کتاب الصلوٰۃ، مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیۃ، ریاض الشیخ، ۳۴۳/۱۔

سے ہمارا انکار نہیں ہے صرف بحث دو مسئلوں میں ہے ایک یہ کہ کیا یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے اور دوسرا یہ کہ کیا بسم اللہ کا حکم فاتحہ کی دوسری آیات والا ہے کہ جہر و سر میں ان کی طرح پڑھی جائے گی یا نہیں، جبکہ ہم یہ کہتے ہیں یہ ایک مستقل آیت ہے یہ سورہ فاتحہ کی آیات میں شمار نہیں، یہ بات دلائل کو مطابق بنانے کے لئے ہے، حالانکہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خبر نہیں دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے جبکہ محض سورۃ فاتحہ سے پہلے پڑھنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی اور جب صرف حضور کا پڑھنا ہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہو تو یہ محل نزاع یعنی فاتحہ کا جز ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی، لہٰذا یہ روایت ہمارے صحیح ثابت شدہ دلائل کے مقابل نہیں ہو سکتی اھ (ت)

افادہ سادسہ: جزئیت بسم اللہ شریف کو قطعی کہنا محض جہالت اور تصریحات ائمہ کرام، علمائے عظام، سے غفلت ہے بلکہ جزئیت سورت در کنار جزئیت قرآن بھی خبراً متواتر نہیں، ولذا انکرھا الامام الاوزاعی والامام مالك و بعض مشایخنا ونسب للمتقدمین بل وقع فی التلویح وحواشی الکشاف وغیرھما انه المشھور من مذھب ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه[19] قال القھستانی ان ھذا لم یوجد[20] قال الشامی فی ردالمحتار ای بل ھو قول ضعیف عندنا[21]۔ بسم اللہ کے قرآن کا جز ہونے کا امام اوزاعی، امام مالک اور ہمارے بعض مشائخ نے انکار کیا ہے۔ متقدمین کی طرف منسوب بلکہ تلویح میں اور کشاف کے حواشی وغیرہ میں ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب ہے، امام قہستانی نے فرمایا اس قول کا وجود نہیں ہے، علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے۔ (ت)

علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح میں فرماتے ہیں: قال الجد المحقق فی تفسیر الفاتحة قال ابوحنیفة ومالك رحمھما اللہ تعالیٰ المعتبر التواتر فی قراٰنیتھا لافی نقله فقط وھو الحق اذ من الظاھر ان النقل اذا لم یکن علی انه قراٰن لایفید القراٰنیة والتواتر فی نقل البسامل لیس علی انه قراٰن والالم یخالف فیه بل کتب فی المصاحف للفصل والتبرك بھا[22] الخ۔ بزرگ محقق نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے فرمایا ہے بسم اللہ کے قرآن ہونے کیلئے صرف نقل متواتر نہیں بلکہ اس کا قرآن ہونا متواتر چاہئے اور یہی معتبر اور حق ہے کیونکہ ظاہر بات ہے کہ اگر قرآن ہونا منقول نہ ہو تو پھر بسم اللہ کا قرآن ہونا ثابت نہیں ہو گا، اور بسم اللہ کے نقل میں جو تواتر ہے وہ اس کے قرآن ہونے کا تواتر نہیں ورنہ اس میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ بسم اللہ کو قرآن میں سورتوں کے فصل اور تبرک کے لئے لکھا گیا ہے الخ (ت)

19۔ عمدۃ القاری شرح بخاری احادیث البسملة فی الصلوٰۃ، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵ /۲۸۶۔
20۔ عمدۃ القاری شرح بخاری احادیث البسملة فی الصلوٰۃ، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵ /۲۸۶۔
21۔ عمدۃ القاری شرح بخاری احادیث البسملة فی الصلوٰۃ، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵ /۲۸۶۔
22۔ تتمہ، حاشیہ چلپی علی التوضیح والتلویح، بیان ادلہ اربعہ، حاشیہ ۲۶ متعلق، ص:۵۰، مطبوعہ منشی نولکشور، کانپور، ص ۵۵۔

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں: لایثبت کونھا اٰیۃ من کل سورۃ من السور بلادلیل قطعی کمافی سائر الاٰیات واجماع الصحابۃ علی اثباتھا فی المصحف لایلزم منہ انھا اٰیۃ من کل سورۃ بل اللازم منہ مع الامر بالتجرید عن غیر القراٰن انھا من القراٰن وبہ نقول انھا اٰیۃ منہ نزلت للفصل بین السور[23]۔ قطعی دلیل کے بغیر اس کا تمام سورتوں میں سے کسی کا جزہونا اور آیت ہوناثابت نہیں ہوسکتا، جس طرح باقی آیات کے بارے میں ہے، اور صحابہ کرام کا اس کو مصحف میں لکھنے پر اجماع ہونااس بات کو مستلزم نہیں کہ یہ کسی سورۃ کی آیت ہے بلکہ قرآن کو غیر سے مبرّا رکھنے کے حکم سے اتنالازم آتاہے کہ یہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جوکہ فصل کے لئے نازل کی گئی ہے۔(ت)

علامہ بحرالفقہ زین بن نجیم مصری شرح منار پھر علامہ سید محمد آفندی شامی منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق میں فرماتے ہیں: ھی قراٰن لتواتر فی محلھا ولاکفر لعدم تواترکونھا فی الاوائل قراٰنا[24]۔ بسم اللہ قرآن ہے کیونکہ تواتر سے قرآن میں شامل چلی آرہی ہے لیکن سورتوں کی ابتدائی آیت ہونے کے انکار سے کفرلازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت نہیں۔

علامہ سیدابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں: ثبوت قراٰنیتھا لاعلی سبیل التواتر ولھذا علل فی النھر عدم تکفیر جاحدھا بعدم تواترکونھا قراٰنا[25]۔ بسم اللہ کے قرآن ہونے پر تواتر نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی اس بات کا انکار کرے تو کفر نہ ہوگا نہر میں عدم تکفیر کی یہی علت بیان کی گئی ہے(ت)

علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں: لانھا وان تواترت کتابتھا فی المصاحف ولم یتواتر کونھا قراٰنا[26]۔ مصحف میں اس کو لکھنے کے تواتر سے اس کے قرآن ہونے کا تواتر ثابت نہیں ہوتا۔(ت)

علامہ شہاب خفاجی عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی میں فرماتے ہیں: ولم یتواتر تسمیتھا قراٰنا واٰیۃ بالنقل عنہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اذلو تواتر لکفر جاحدھا وھو لایکفر بالاتفاق[27]۔ بسم اللہ کا نام، قرآن یاسورۃ کی آیت، تواتر سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے منقول نہیں اور اگر یہ بات تواتر سے ثابت ہوتی تو اس کا انکار

23۔ غنیۃ المستملی صفۃ الصلوٰۃ، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ص:۳۰۷۔

24۔ منحۃ الخالق حاشیہ علی البحرالرائق، فصل واذاارادالدخول فی الصلوٰۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/۳۱۲۔

25۔ فتح اللہ المعین علی شرح الکنز، فصل واذاارادالدخول فی الصلوٰۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/۱۸۷۔

26۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ص:۱۴۱۔

27۔ حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی، مبحث البسملۃ، مطبوعہ دارصادر، بیروت، ۱/۳۰۔

کفر ہوتا، حالانکہ بالاتفاق یہ کفر نہیں ہے۔(ت)

اُسی سے امام قرطبی رحمہ اللہ سے ہے: المسألة اجتهادية ظنية لاقطعية كماظنه بعض الجهلة من المتفقهة۔[28] یہ مسئلہ ظنی اور اجتہادی ہے، قطعی نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے۔(ت)

اسی میں تفسیر امام سمین مسمّی بالوجیز سے ہے: المطلوب هنا الظن لاالقطع[29]۔ اس مسئلہ میں ظن مطلوب ہے یقین مطلوب نہیں(ت)

اسی میں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی شافعی سے ہے: انه اقام الدليل على الاكتفاء بالظن فيما نحن[30]۔ ہماری بحث میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے۔(ت)

امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: البسملة اٰية من الفاتحة عملا وظنا لاقطعا[31] الخ نقله عنه القارى فى المرقات۔ بسم اللہ کا سورہ فاتحہ کا جزہونا ظنی ہے قطعی اور یقینی نہیں ہے الخ۔ اس کو ملا علی قاری نے مرقات میں ان سے نقل کیا ہے(ت)

علامہ سفاقسی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں: ان المحققين من الشافعية وعزاه الماوردى للجمهور على انه اٰية حكما لاقطعا قال النووى والصحيح انها قراٰن على سبيل الحكم ولوكانت قراٰنا على سبيل القطع لكفرنا فيها وهوخلاف الاجماع[32]۔ محققین شافعیہ نے اور ماوردی کے بیان کے مطابق ان کے جمہور نے کہا ہے کہ بسم اللہ کا فاتحہ کی جز ہونا حکمی بات ہے قطعی نہیں ہے، اور امام نووی نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ کا قرآن ہونا حکمی ہے اور اگر قطعی ہوتا تو ہم مخالف کو کافر کہتے جبکہ یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔(ت)

اسی میں شرح منہاج النووی تصنیف امام جلال الدین محلی شافعی سے ہے: البسملة منها اى من الفاتحة عملا لانه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عدها اٰية منها صححه ابن خزيمة والحاكم ويكفى فى ثبوتها من حيث العمل الظن[33]۔ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا حصہ ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو فاتحہ کی آیت شمار کیا ہے جس کی ابن خزیمہ اور حاکم نے تصحیح کی ہے اور اس کے عملی ثبوت کے لئے ظن ہی کافی ہے۔(ت)

28۔ حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی، مبحث البسملۃ، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱/ ۳۰۔

29۔ حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی، مبحث البسملۃ، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱/ ۳۰۔

30۔ حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی، مبحث البسملۃ، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱/ ۳۰۔

31۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، باب القراءۃ فی الصلوٰۃ، فصل اوّل، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۲/ ۲۹۶۔

32۔ غیث النفع فی القراءات السبع علیٰ حاشیہ سراج القاری، باب البسملۃ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص:۵۹۔

33۔ غیث النفع فی القراءات السبع علیٰ حاشیہ سراج القاری، باب البسملۃ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص:۵۹۔

افادۂ سابعہ: اقول وباللہ التوفیق قرآن عظیم کے ختم میں لااقل ایک بار بسم اللہ شریف پڑھنے پر تمام قراء کا اجماع قطعی ہے کہ ابتداء تلاوت(عـہ) سورت غیر برأت میں اتیان بسملہ مجمع علیہ ہے پھر ہر دو سورت کے درمیان اثبات وحذف میں قراء مختلف ہیں امام نافع مدنی بروایت قالون اور امام عبداللہ بن کثیر مکی وامام عاصم بن بہدلہ کوفی وامام علی بن حمزہ کسائی کوفی پڑھتے اور امام مدنی بروایت ورش اور امام عبداللہ بن عامر شامی وامام حمزہ بن حبیب زیات کوفی وامام ابوعمرو بن العلاء بصری حذف کرتے ہیں تو اگر جلسہ واحدہ میں کوئی شخص قرآن عظیم بابتدائے واحد ختم کرے، تاہم ایک بار بسم اللہ شریف باجماع قراء پڑھے گا اور تکرار میں اختلاف رہے گا۔

[(عـہ)شروع تلاوت اگر ابتدائے سورت کے علاوہ، کہیں وسط سے ہو، توبسم اللہ کی حاجت نہیں، بہتر ہے اور اگر ابتدائے سورت سوائے برأت سے تلاوت آغاز کرے توبسم اللہ بالاجماع پڑھے، پھر اثنائے تلاوت میں جو سورتیں آتی جائیں اُن پر بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف ہے ۱۲(م)]

غیث النفع میں ہے:لاخلاف بینھم فی ان القارئ اذا افتتح قراء ته باول سورة غیربرائة انه یبسمل سواء کان ابتداءه عن قطع اووقف (الی ان قال) واختلفوا فی اثباتھا بین السورتین سواء کانتا مرتبتین اوغیرمرتبتین فاثبتھما قالون والمکی وعاصم وعلی وحذفھا حمزة ووصل السورتین (الی قوله) وانما اختلفوا فی الوصل ولم یختلفوا فی الابتداء لانھا مرسومة فی المصاحف فمن یترکھا فی الوصل لولم یأت بھا فی الابتداء لخالف المصاحف وخرق الاجماع[34] الخ۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ قاری کسی سورۃ کو ابتداء سے شروع کرے توبسم اللہ پڑھے ماسوا سورۃ براءت کے، خواہ قاری قطع کے بعد ابتداء کرے یاوقف کے بعد، ہر طرح بسم اللہ پڑھے(اس کے بعد یہاں تک فرمایا) اور تلاوت میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنے میں انہوں نے اختلاف کیا ہے خواہ دونوں کو ترتیب سے پڑھے یا غیر ترتیب پر پڑھے، امام قالون، مکی، عاصم اور علی نے بسم اللہ کو ثابت مانا ہے اور امام حمزہ نے حذف کرنا، قرار دیا ہے اور دونوں سورتوں میں وصل کا قول کیا ہے(اور پھر اس کو بیان کیا کہ) ان ائمہ نے دونوں سورتوں کے وصل کے بارے میں یہ اختلاف کیا ہے، اور ابتداء کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے میں اختلاف نہیں کیا، کیونکہ بسم اللہ قرآن میں لکھی ہے لہٰذا اگر کوئی دونوں سورتوں میں وصل کرتے وقت بسم اللہ کو ترک کرے اور سورۃ سے ابتداء کرتے وقت بھی ترک کرے تو مصاحف اور اجماع کے خلاف ارتکاب کرے گا الخ۔(ت)

سراج القاری شرح شاطبیہ میں ہے:اخبران رجالا بسملوا بین السورتین وھم قالون والکسائی

34۔غیث النفع فی القراءات السبع علیٰ حاشیہ سراج القاری، باب البسملة، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص:۵۲۔

وعاصم وابن کثیر والباقین لایبسملون بین السورتین لان ھذا من قبیل الاثبات والحذف[35] اھ ملخصًا۔ معلوم ہوا ہے کہ کئی لوگوں نے کوئی دوسورتوں میں بسم اللہ پڑھنے کا قول کیا ہے اور وہ قالون، کسائی، عاصم اور ابن کثیر ہیں اور باقی لوگوں نے ان دونوں سورتوں میں بسم اللہ نہ پڑھنے کا قول کیا ہے کیونکہ یہ معاملہ اثبات وحذف والا ہے اھ ملخصًا(ت)

اب نظرِ غائر کیجئے تو حذف صراحۃً نافی ومنافی جزئیت ہے کہ اگر جز ہوتی تو حذف کیونکر ہوسکتی، اور اثبات اصلاً مفید جزئیت نہیں کہ اثبات اعوذ پر بھی اجماع قراء ہے اور وہ بھی مثل اثبات بسملہ متواتر، حالانکہ باجماع مسلمین قرآن نہیں، غیث النفع میں ہے: لاخلاف بین العلماء ان القارئ مطلوب منہ فی اول قرأتہ ان یتعوذ[36] الخ علما میں یہ کوئی اختلاف نہیں کہ قاری قرآن کی تلاوت کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھے الخ(ت)

شرح الشاطبیہ لابن القاصح میں ہے: الاستعاذۃ قبل القرأۃ باجماع وقولہ مسجلا ای مطلقا الجمیع القرأۃ وفی جمیع القراٰن[37]۔ اعوذ باللہ قرأت شروع کرنے سے قبل بالاجماع پڑھی جائے، اس کے قول مسجلا کا معنی تمام قراء کے نزدیک تمام قرآن کے شروع میں۔(ت)

تو مجرد اثبات وروایت متواترہ قراء سے عندالتحقیق جزئیت قرآن پر بھی جزم نہ ہوسکتا نہ کہ خاص جزئیت سورت پر، ولہٰذا اعلمائے عالم جیسا کہ اثبات وتواتر تعوذ پر اجماع کرکے اس کی عدم قرآنیت پر اجماع رکھتے ہیں یونہی اثبات وتواتر بسملہ یک بار مطلقاً پر اجماع فرماکر اس کی قرآنیت میں اختلاف رکھتے ہیں تو مجرد اثبات قراء وتواتر روایت سے جزئیت پر دلیل لانی محض باطل ہے، ہاں قرآنیت بسم اللہ پر اس کے سوا ایک دلیل قطعی قائم ہوئی جس کا ذکر اوپر گزرا، جمہور ائمہ قائل قرآنیت ہولئے اور جزئیت سورت پر کوئی دلیل قطعی نہیں لہٰذا جمہور ائمہ جانب جزئیت نہ گئے، بحمد اللہ تعالیٰ اس تقریر سے مثل آفتاب روشن ہوگیا کہ ائمہ قراءت کا اثبات متواتر اصلاً مفید جزئیت نہیں، اس بنا پر حضور پرنور سیّد عالم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تواتر جزئیت کا ادعائے باطل در کنار قراء سے تواتر قول بالجزئیت بھی ثابت نہیں ہوسکتا بالجملہ یہ کہنا حق ہے کہ اثبات وحذف دونوں متواتر قطعی اور یہ کہنا باطل کہ جزئیت وعدم دونوں القطع مروی کہ اثبات وجزئیت میں شرق وغرب کا فرق ہے اس پر ایک دلیل جلیل واضح وروشن یہ بھی ہے کہ قائلانِ جزئیت بعض احادیث احاد سے احتجاج واستناد کی طرف جھکے اور اس بنا پر کہ ثبوت قطعی نہیں ظنیت مسئلہ کی تصریحیں کر گئے دفع اعتراض کے لئے یہاں کفایتِ ظن کے قائل ہولیے جیسا کہ ابھی کلمات امام حجۃ الاسلام وامام ماوردی وامام نووی محلی وامام ابن حجر وغیر ہم سے مذکور ہوا اگر اثبات

35۔ سراج القاری شرح شاطبیہ لابن القاصح، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص ۴۸۔

36۔ غیث النفع فی القراءات السبع علیٰ حاشیہ سراج القاری، باب البسملۃ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص:۴۸۔

37۔ تذکار المقری شرح شاطبیہ لابن القاصح، باب البسملۃ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص:۲۶۔

قراء مثبت جزئیت ہوتا تو اسی پر تعویل کرتے قطعیت چھوڑ کر ظنیت کی طرف کیوں اُترتے هذا كله جلى واضح عند كل من له فهم وعقل فضلا عن اهل العلم والفضل (یہ تمام اہل فہم اور اہل عقل کے ہاں واضح ہے چہ جائیکہ اہل علم وفضل پر واضح نہ ہو۔ت) اور یہیں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اس مسئلہ میں مذہب کو دخل نہ ماننا محض جہالت وسخت سفاہت ہے بلکہ حقیقتاً روایت قراء نے جزئیت میں کچھ دخل نہ دیا واژگوں فہموں نے الٹا سمجھ لیا، آخر امام قرطبی وغیرہ کا ارشاد سن چکے کہ مسئلہ اجتہادیہ ہے۔

علامہ بہاری وعلامہ بحر فرماتے ہیں: (ترکها نصف القراء) وهم ابن عامر ونافع برواية الورش وحمزة وابوعمر وقال مطلع الاسرار الالهية قدس سره فى غير الفاتحة (وتواترانه) صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعلىٰ اٰله واصحابه وسلم (تركها) عند قراءة السور لان قرأة القراء متواترة (ولا معنى عند قصد قراءة سورة ان يترك اولها) فيجب أن لا تكون جزأ ويشهد عليه ماروى فى الخبر الصحيح عدم الجهر بها فى الصلوٰة فان قلت قد قرأها الباقون من القراء فتواتر قراءته عليه وعلىٰ اٰله واصحابه الصلوٰة والسلام فيجب ان تكون جزأ قال (وتواتر قرأتها عنه) صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (بقراءة) القراء (الاٰخرين لا يستلزم كونها) جزء (منها) لجواز ان يكون للتبرك كالاستعاذة[38]۔

اس کو نصف اہل علم اور قراء حضرات نے ترک کیا ہے اور وہ ابن عامر، نافع اور ورش کی روایت کے مطابق ابوعامر اور حمزہ ہیں، اور مطلع الاسرار الٰہیہ قدس سرہ نے غیر فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ سورتوں کو پڑھنے میں آپ نے بسم اللہ کو ترک فرمایا کیونکہ قراء حضرات کی قراءت متواترہ ہیں، اور ممکن نہیں کہ سورۃ کو پڑھتے وقت اس کے اول (بسم اللہ) کو چھوڑ دیں لہٰذا ضروری ہے کہ بسم اللہ سورتوں کا جز نہیں، اور یہ بات اس کی شاہد ہے کہ صحیح طور پر مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز میں بسم اللہ کا جہر نہیں فرمایا اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ باقی قراء حضرات نے بسم اللہ کو سورتوں کے ساتھ پڑھا ہے اور جب قراء حضرات کی قراءت متواتر ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بسم اللہ کا سورتوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واٰلہ وصحبہ سے متواتر ہو گا اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتوں کا جز ہے تو جواب میں کہا کہ باقی قراء حضرات کی قراءت سے حضور علیہ السلام کی قراءت کے متواتر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سورتوں کا جز ہو جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبرک کے طور پر پڑھا ہو جیسا کہ اعوذ باللہ کا حکم ہے۔(ت) اسی طرح اور کتب میں ہے مگر جہال زمانہ کو خبر نہیں۔

افادہ ثامنہ: اقول روایت اثبات کا اثبات جزئیت عند المبسملین سے بھی بے علاقہ ہونا تو ظاہر ہو چکا اور ہم یہ بھی

38۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، بذيل المستصفى مسئلة البسملة من القرآن، مطبوعہ منشورات الرضی، قم، ایران، ۲/ا۔

ثابت کر آئے کہ شمارآیات وسور دلیل واضح ہے کہ قراء مبسملین بھی جزئیت سور نہیں مانتے تاہم اب اگر بالفرض کسی طریقہ سے ثابت بلکہ متواتر بھی ہو کہ امام عاصم کا مذہب جزئیت تھا تووہ جدا بات ہے اس میں ہمیں کلام نہیں، مذہب میں ہم ان کے مقلد نہیں، نہ ان کی قراءت کا اختیار برخلاف مذہب، ان کے مذہب پر عمل لابد کرسکے، امر واضح پر دلیل روشن درکار ہو تو سنیے، شک نہیں کہ ہمارے ائمہ نے قرأت عاصم بروایت حفص اختیار فرمائی اور شک نہیں کہ بالاجماع نماز سریہ وجہریہ سب میں ہمارے یہاں اخفاء بسملہ کا حکم اور شک نہیں کہ مذہب امام پر نماز جہریہ میں ایک آیت کے سہواً اخفاپر بالاجماع سجدہ اور عمداً پر اعادہ لازم، تو قطعاً ثابت کہ حفص وعاصم اگرچہ جزئیت فاتحہ کی طرح جزئیت ہر سورت بھی مانتے ہوں مگر ان کی قرأت اختیار کرنے میں ہمیں عمل قول جزئیت پر مجبور نہ کیا ورنہ ضرور جہریہ میں جہر تسمیہ علی الفاتحہ کا حکم ہوتا اور اس کا ترک سجدہ سہو یا اعادہ چاہتا، پھر بعد فاتحہ سر سورت پر اتیان بسملہ میں عامہ متون مذہب مثل ہدایہ ووقایہ ونقایہ واصلاح وغرر وملتقی الابحر وتنویر وغیرہا انکار محض پر ہیں اور اسی پر بدائع وشرح وقایہ ودرر وجوہرہ نیرہ ومجمع الانہر وغیرہا شروح نے مشی فرمائی، محققین کے نزدیک اگرچہ اس کا حاصل کراہت نہیں صرف نفی سنیت ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویۃ(جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی "العطایا النبویۃ فی فتاوٰی الرضویۃ" میں بیان کیاہے۔ت) تاہم اگر اختیار قرأت عاصم، اختیار جزئیت لازم کرتا تو نفی سنیت اور التزام ترک بسملہ میں نفی کراہت پر اجماع حنفیہ ناممکن تھا، ابھی مسلم وفواتح سے سن چکے کہ سورت پڑھتے وقت اس کے اول سے ایک آیت چھوڑدینا بے معنی ہے۔

سیّدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں:فیہ ھجر شیئ من القراٰن وذلك لیس من اعمال المسلمین[39] اھ نقلہ الشامی عن النھر عن الامام فی باب سجود التلاوۃ۔اس میں بعض قرآن کا ترک لازم آئے گا، حالانکہ یہ بات مسلمانوں کے عمل سے بعید ہے اھ اس کو علامہ شامی نے باب سجود التلاوۃ میں نہر کے حوالے سے امام صاحب سے نقل کیاہے۔(ت)

پس آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ ہمیں عمل قول جزئیت پر مجبور کرنا ہمارے ائمہ کرام کے اجماع تام کے خلاف اور محض اپنے ذہن کی تراشیدہ بات ہے قصد وعدم قصد ختم سے تفرقہ محض جہالت، اختیار قرأۃ عاصم موجب عمل بر جزئیت نہیں، تو ختم میں کیا نقصان، اور اگر ہے تو فرض میں وجوب جہر کیوں نہیں، کیا فرائض میں ہم قرآن بقرأت عاصم نہیں پڑھتے، بھلا ختم میں اتناہی ہے کہ سنت ناقص رہی، یہاں تو واجب ترک ہوتا ہے۔

افادہ تاسعہ: اقول بطور مناظرہ علی التنزل اگرمان لیجئے کہ اختلاف قراءروایت جزئیت وعدم جزئیت ہے تاہم جس نے ختم میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھی اس نے یقیناً کلام اللہ ختم کیا نقص اگر ہوا تو روایت میں نہ کہ قرآن میں، تو پورے قرآن کا ثواب نہ ملنا کیا معنی، کیا سنت یہ ہے کہ مثلاً امام عاصم کی روایت تراویح میں پوری کی جائے یا یہ کہ قرآن عظیم کا ختم

39۔ردالمحتار، باب سجود التلاوۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۲ /۱۱۷۔

کامل ہو، اگر اول مانو تو محض باطل اور شرع مطہر پر کھلا افتراء کس دلیل شرعی کا حکم ہے کہ خاص فلاں روایت کا اہتمام مسنون، اور ثانی مانو اور وہی حق ہے تو قرآن عظیم تو بالقطع والیقین یوں بھی ختم ہو گیا پھر کامل ثواب نہ ملنا یعنی چہ، کیا بعض روایات پر قرآن کامل ہے بعض پر معاذاللہ ناقص، حاش للہ ہر طرح تام وکامل ہے ورنہ لازم آئے کہ بعض بلکہ ہر عرض میں حضور پرنور سیدالعالمین و حضرت جبریل روح الامین صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم میں ناقص قرآن کا دور ہوا ہر قاری کے پاس ناقص قرآن رہا کہ ہر قرأت میں بہ نسبت دوسری کے کچھ نہ کچھ اثبات وحذف ہے، اپنے نزدیک تمامی عنداللہ تمامی کو مستلزم نہیں، اور جب عنداللہ تمامی تو نقص ثواب کا زعم رب العزت کی جناب میں سوئے ظن ہے اِنَّ اللّٰہَ لَایُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ٥[40] (بیشک اللہ تعالٰی نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ت)

اگر کہیے گو یہ قرآن فی نفسہٖ تام وکامل ہے مگر مثلاً امام عاصم کے نزدیک پورا نہ ہوا۔

اقول دوحال سے خالی نہیں یا تو قراء کے نزدیک روایات اُخر بھی متواترہ نہیں اور ان میں ایک کا اعتبار اس بناپر کہ اپنے اساتذہ پر یونہی پڑھا اُن کے نزدیک اپنی ہی روایت متواتر ہوئی یا تواتر باقی پر اطلاع نہ ملی علی الاول بلاشبہ امام عاصم پر یہ اعتقاد فرض کہ کلام الٰہی پورا ختم ہو گیا اگرچہ اُن کی روایت پوری نہ ہوئی اور ثواب کامل اسی پر منوط تھا، نہ خاص ان کی روایت پر، وعلی الثانی جب ہم پر مہر نیمروز وماہ نیم ماہ کی طرح اُن روایات کا تواتر روشن ہو گیا تو امام عاصم کا نہ جاننا، مطلع نہ ہونا کچھ حجت نہیں، غرض نہ عاصم کی روایت پر ثواب محصور نہ عاصم کے خیال کی تقلید ضرور جبکہ بالقطع والیقین حضور پُرنور سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا خلاف بتواتر ماثور، کیا مزے کی بات ہے کہ امام مذہب بلکہ انصافاً امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب تو محض اپنے اس زعم باطل پر چھوڑا جائے کہا اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) قول احناف ہے اور امام عاصم کا ایک خیال کہ عدم اطلاع پر مبنی ہوا، اس پر جمود ایسا ضرور کہ اس کے مقابل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر قطعی بھی نامنظور۔

افادہ عاشرہ: اگر بعد طلوع فجر ساطع وظہور حق لامع، اپنی خطا پر مطلع ہو کر دعوی نقصان ثواب سے عدول کرکے، اس راہ چلیے کہ بلاشبہ قرآن بھی کامل ختم، ختم کامل کا ثواب بھی حاصل مگر جبکہ ہم قرأت امام عاصم اختیار کیے ہوئے ہیں تو ہم پر شرعاً یہی واجب کہ انہیں کی روایت پر قرآن ختم کریں۔

اقول یہ بھی محض باطل اتباع قرأت واحدہ صرف ہنگام روایت واجب ہے کہ روایت احد القراء کا نام کرکے بعض حروف روایت دیگر پڑھے تو کذب فی النسبۃ وتخلیط وتغلیط لازم آئے کہ اس تقدیر پر اس کا مفاد، یوں ہوگا کہ یہ لفظ اس طرح اس امام کی روایت ہے حالانکہ وہ اس کی روایت نہیں، تلاوت میں تعیین قرأت واجب نہیں کہ آخر سب قرآن اور سب حق منزل من عندالرحمن ہے تو تخصیص بعض وانکار بعض کے کیا معنی، اختلاف قرأت مثل اختلافِ مذاہب نہیں کہ تعیین

40۔ القرآن ۹/۱۲۰۔

واجب یا تلفیق باطل ہو، یہاں اگر بعض سور بلکہ ایک سورت کی بعض آیات بلکہ ایک آیت کے بعض کلمات ایک قرأت کے مطابق پڑھے اور بعض دیگر کے تو عندالتحقیق اصلاً ممانعت نہیں جب تک وہ تلفیق موجب اختلال نظم یا فساد معنی نہ ہو، اور اگر ایک کلام ختم ہو کر دوسری بات شروع ہو جب تو احق واولی بالجواز ہے خصوصاً جبکہ مجلس متبدل ہو، امام خاتم الحفاظ جلال الحق والدین سیوطی اتقان شریف میں امام سید القراء شیخ المقرئین شمس الملۃ والدین ابوالخیر ابن الجزری سے نقل فرماتے ہیں:

الصواب ان یقال ان کانت احدی القرائتین مرتبة علی الاخری منع ذلک منع تحریم کمن یقرأ فتلقی اٰدم من ربه کلمٰت برفعهما اونصبهما اخذا رفع اٰدم من قراءة غیرابن کثیر ورفع کلمات من قراءته ونحوذلک مما لایجوز فی العربیة واللغة ومالم یکن کذلک فرق فیه بین مقام الروایة وغیرها فان کان علی سبیل الروایة حرم ایضا لانه کذب فی الروایة وتخلیط وان کان علی سبیل التلاوة جاز[41]۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ دونوں قراءات میں ایک دوسری پر مرتب ہے تو یہ ممنوع بطور تحریم ہے جیسا کہ فتلقی اٰدم من ربه کلمٰت میں لفظ "اٰدم" اور "کلمٰت" دونوں پر پیش پڑھے یا دونوں پر زبر پڑھے، یوں کہ "اٰدم" پر پیش کو غیر ابن کثیر کی قراءت سے اور "کلمٰت" کی پیش ابن کثیر کی قرأت سے اخذ کرے، اس طرح یہ عربی میں اور لغت میں جائز نہیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر روایت اور غیر روایت کے مقام میں فرق ہوگا، اور اگر روایت کے طور پر ہو تو بھی حرام ہے کیونکہ یہ روایت میں خلط اور کذب ہوگا، اور اگر بر سبیل تلاوت ہو تو یہ جائز ہے۔(ت)

ہاں ائمہ کرام نے حفظ دین عوام کو یہ وصیت فرمائی کہ جاہلوں کے سامنے قرأت غریبہ ووجوہ عجیبہ نہ پڑھیں کہ مبادا وہ انکار یا طعن یا استہزاء کی آفت میں نہ پڑیں، درمختار میں ہے: یجوز بالروایات السبع لکن الاولی ان لایقرء بالغریبة عندالعوام صیانة لدینهم[42]۔ قرأت سبعہ پڑھنا جائز ہے مگر عوام کے لئے اجنبی قرأت کو نہ پڑھے تاکہ عوام کے دین میں خلل نہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے: قوله یجوز بالروایات السبع، بل یجوز بالعشر ایضا کمانص علیه اهل الاصول،قوله بالغریبة ای بالروایات الغریبة و الامالات، لان بعض السفهاء یقولون مالایعلمون فیقعون فی الاثم والشقاء، ولاینبغی للائمة ان یحملوا العوام علی مافیه نقصان دینهم،ولایقرؤ عندهم مثل قرأة ابی جعفر و ابن عامر و علی بن حمزة والکسائی صیانة لدینهم فلعلهم یستخفون اویضحکون وان کان کل القراء ات والروایات صحیحة قطعیة ومشائخنا

41۔ الاتقان فی علوم القرآن، النوع الخامس فی آداب تلاوۃ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱/۱۱۰۔
42۔ درمختار، فصل ویجہر الامام، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی، بھارت، ۱/۸۰۔

اختار واقرأة ابی عمرو وحفص عن عاصم اھ عن التتارخانیۃ عن فتاوی الحجۃ[43]۔

قولہ روایت سبعہ جائز ہے بلکہ عشرہ بھی جائز ہے جیسا کہ اہل اصول نے تصریح کی ہے، قولہ اجنبی یعنی روایات اور امالات اجنبیہ کو نہ پڑھے کیونکہ بعض جاہل لوگ لاعلمی کی وجہ سے باتیں بنائیں گے اور گناہ اور بدی میں مبتلا ہوں گے، امامت کرانے والے حضرات کو مناسب نہیں کہ لوگوں کو دینی نقصان میں ڈالیں، اور ان کے سامنے امام ابو جعفر، ابن عامر، علی اور کسائی جیسی قرأت نہ کریں، ہوسکتا ہے کہ عوام لاعلمی کی بنا پر ان کی قراءات کو حقیر جانتے ہوئے ان پر ہنسنا شروع کردیں اور ان کا دین محفوظ رکھنا ضروری ہے اگرچہ یہ تمام قراءات قطعی طور پر صحیح ہیں، جبکہ ہمارے مشائخ نے ابو عمرو کی عاصم سے روایت کردہ قراءت کو اپنایا ہے اھ یہ فتاوی الحجہ سے تتارخانیہ کی روایت ہے۔(ت) اسی طرح عالمگیریہ وغیرہا میں ہے۔

افادہ حادیہ عشر: اقول جس مصلحت کے لئے یہاں علمانے پیش عوام، روایت غریبہ کی تلاوت سے منع کیا، مسئلہ بسملہ میں انصافاً دیکھیے تو ہمارے بلاد میں خاص صورت اخفاء میں ہے کہ یہاں کہ تمام حفاظ و قراء و سامعین عامہ مسلمین کے کان ہر سورت پر جہر بسم اللہ سے آشنا نہیں وہ اسے سن کر مخالفت کریں گے طعن واعتراض سے پیش آئیں گے تمہارے زعم میں یہ اعتراض اس امر پر ہوگا جو قرناً فقرناً حضور پرنور سیّد یوم النشور ﷺ سے متواتر ہے، اور دوسرا امر جس کے وہ عادی ہیں یعنی اخفاء تم خود بھی مقر ہو کہ وہ بھی حق و صحیح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسا ہی متواتر ہے تو اسی کو کیوں نہ لیجئے اور عکس کرکے مسلمانوں میں فتنہ عوام میں شورش کیوں پیدا کیجیے اب اپنے زعم باطل پر تم خود اس کے باعث ہوتے ہو کہ امر متواتر عن المصطفیٰ ﷺ پر مسلمانوں سے انکار و اعتراض کراؤ کیا اسی کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے، کیا اسی پر قاری یا ملا ہو نارہ گیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ جب تک بات نئی بیگانہ، تازی، جدا، اکثر مسلمین کے گوش ناآشنا نہ ہو، شہرت نام کا ذریعہ نہیں ہوتی مگر پناہم بخدا، کہ قاریان قرآن، قرأت قرآن سے شہرت نام کی نیت رکھیں، علمائے کرام ایسے محل پر ترک افضل کی رائے دیتے ہیں نہ کہ ترک مساوی۔

امام علامہ جلال الدین زیلعی نصب الرایہ میں نقل فرماتے ہیں: یسوغ للانسان ان یترك الافضل لاجل تألیف القلوب واجتماع الکلمۃ خوفا من التنفیر، کما ترك النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بناء البیت علی قواعد ابراھیم لکون قریش کانوا حدیثی عھد بالجاھلیۃ، وخشی تنفیرھم بذلك، ورای تقدیم مصلحۃ الاجتماع علی ذلك، ولما انکر الربیع علی ابن مسعود اکمالہ الصلٰوۃ خلف عثمان، قال الخلاف شر، وقد نص احمد وغیرہ علی ذلك فی البسملۃ وفی وصل الوتر وغیر ذلك مما فیہ العدول عن الافضل الی الجائز المفضول مراعاۃ لائتلاف المامومین اولتعریفھم السنۃ

43۔ ردالمحتار، فصل ویجہر الامام، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/ ۵۴۱۔

وامثال ذلك وهذا اصل كبير في سد الذرائع[44]۔

لوگوں کی تالیف قلبی اور ان کو مجتمع رکھنے کے لئے افضل کو ترک کرنا انسان کے لئے جائز ہے تاکہ لوگوں کو نفرت نہ ہو جائے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کی عمارت کو اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر قائم رکھا تاکہ قریشی نو مسلم ہونے کی وجہ سے اس کی نئی بنیادوں پر تعمیر کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں تو آپ نے اجتماع کو قائم رکھنے کی مصلحت کو مقدم سمجھا، اور جیسا کہ حضرت ربیع نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز میں اختلاف کی بنا پر روکا تو انہوں نے فرمایا کہ خلاف کرنے میں شر ہے، اسی لئے امام احمد وغیرہ نے بسم اللہ اور وتر کے وصل وغیرہ کے بارے میں اس کی تصریح کی ہے، یہ وہ معاملات ہیں جن میں افضل سے عدول کرکے جائز مفضول کو اختیار کیا گیا ہے تاکہ مقتدی حضرات کی تالیف قلبی اور ان کی سنت شناسی وغیرہ کا پاس کیا جاسکے، یہ بات فتنہ کے سدّباب کے لئے بڑا ضابطہ ہے۔(ت)

یہ سب اس تقدیر پر تھا کہ بفرض باطل قطعیت جزئیت مان لی جائے ورنہ حق و تحقیق کا ایضاح پہلے ہوچکا اس تقدیر پر قاری وملا اپنی اس تنفیر واثارت فتنہ کی حدیں بتائیں یہاں تو بداہۃً عوام اس غیر قصدی الزام سے بھی محفوظ اور یہ تنفیر وایقاع اختلاف ویسے مستند معتمد سے نامحفوظ كما لا يخفى والله الهادى (جیسا کہ مخفی نہیں، اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ت)

افادہ ثانیہ عشر: یہاں تک دعوی قطعیت جزئیت ولزوم نقصان ختم کارد تھا کہ بحمد اللہ باحسن وجوہ ظاہر ہوا اب بعونہٖ تعالیٰ جہر واخفا کی طرف چلیے، تراویح میں جہر بسملہ کا حضور پر نور سیّد عالم ﷺ سے متواتر کہنا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صریح افترا ہے تواتر درکنار، زنہار کسی حدیث احاد سے بھی اس کا ثبوت نہیں، جہر فی التراویح تو جدا، مطلقاً کسی نماز میں حضور والا صلوات اللہ وسلامہ علیہ کا بسم اللہ شریف جہر سے پڑھنا ہر گز ہر گز متواتر نہیں، تواتر کیسا نفس ثبوت میں سخت کلام ونزاع ہے، امام حافظ عقیلی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں: لا يصح فى الجهر بالبسملة حديث مسند[45]۔ ذكره فى عمدة القارى۔ بسم اللہ میں کوئی حدیث مسند صحیح نہیں، اسے عمدۃ القاری میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام دار قطنی فرماتے ہیں: لم يصح فى الجهر حديث[46]۔ ذكره فى عناية القاضى۔ جہر تسمیہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ اسے عنایۃ القاضی میں ذکر کیا گیا۔

یہی امام دار قطنی جب مصر تشریف لے گئے کسی مصری کی درخواست سے دربارہ جہر ایک جز تصنیف فرمایا بعض مالکیہ

44۔ نصب الرايه لاحاديث الهدايه، كتاب الصلوٰة، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ریاض الشیخ، ۱ /۳۲۸۔

45۔ عمدة القارى، باب ما يقول بعد التكبير، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، بیروت، ۵ /۲۸۸۔

46۔ عناية القاضى على تفسير البيضاوى، مبحث البسملة، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱ /۳۱۔

نے قسم دے کر پوچھا کہ اس میں کون سی حدیث صحیح ہے آخر براہ انصاف اعتراف فرمایا کہ: کل ماروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الجھر فلیس بصحیح[47]۔ ذکرہ الامام الزیلعی عن التنقیح عن مشایخہ عن الدار قطنی والمحقق فی الفتح۔ یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جہر میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس میں کچھ صحیح نہیں۔ اس کو امام زیلعی نے اپنے مشائخ کی تنقیح قرار دے کر دار قطنی سے نقل کیا ہے اور محقق نے فتح القدیر میں ذکر کیا۔

امام ابن الجوزی نے کہا: لم یصح عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الجھر شیئ[48]۔ ذکرہ القاری فی المرقاۃ۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جہر بسم اللہ میں کوئی روایت صحیح نہیں۔ اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔

یہاں تک کہ تنقیح میں احادیث جہر لکھ کر فرماگئے: ھذہ الاحادیث فی الجملۃ لاتحسن بمن لہ علم بالنقل ان یعارض بھا الاحادیث الصحیحۃ، ولولاان یعرض للمتفقۃ شبھۃ عند سماعھا فیظنھا صحیحۃ لکان الاضراب عن ذکرھا اولی، ویکفی فی ضعفھا اعراض المصنفین للمسانید والسنن عن جمھورھا[49]۔ ان احادیث کو صحیح احادیث کے معارض قرار دینا نقل کے فن میں علم والے کو درست نہیں۔ اگر ان روایات کو فقیہ سن کر غلط فہمی کی بناپر صحیح گمان کرنے کا خدشہ نہ ہوتا تو ان کو ذکر نہ کرنا مناسب تھا، اور ان روایات کے ضعف پر دلیل تمام مسانید وسنن کے مصنفین کا ان کو ذکر نہ کرنا ہی کافی ہے۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ وہ احادیث نہ احادیث صحیحہ کے مقابل نہ ذکر کے قابل، ولہٰذا مصنفان مسانید وسنن نے ان کے ذکر سے اعراض کیا نقلہ فی نصب الرایۃ (اس کو نصب الرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ت) خود پیشوائے وہابیہ ابن القیم نے اپنی کتاب مسمی بالہدی میں لکھا: فصحیح تلک الاحادیث غیر صریح وصریحھا غیر صحیح[50]۔ نقلہ امام الوھابیہ الشوکانی فی نیل الاوطار۔ ان حدیثوں میں جو صحیح ہے وہ جہر میں صریح نہیں اور جو جہر میں صریح ہے وہ صحیح نہیں۔ اس کو وہابیوں کے امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ذکر کیا ہے۔

امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں: الحاصل ان احادیث الجھر لم تثبت[51]۔ اثرہ السید الازھری فی الفتح۔ خلاصہ یہ کہ جہر کی حدیثیں ثابت نہ ہوئیں۔ سید ازہری نے اس کو فتح میں نقل کیا ہے۔

امام زیلعی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں: فھذہ الاحادیث کلھا لیس فیھا صریح صحیح، ولیست مخرجۃ

47۔ نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ، کتاب الصلوٰۃ، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ریاض الشیخ، ۱/ ۳۵۹۔

48۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، باب القرأۃ فی الصلوٰۃ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۲/ ۲۸۶۔

49۔ نصب الرایہ بحوالہ التنقیح کتاب الصلوٰۃ، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ریاض الشیخ، ۱/ ۳۵۸۔

50۔ نیل الاوطار، باب ماجاء فی بسم اللہ الخ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۲/ ۲۲۸۔

51۔ تبیین الحقائق، فصل اذا اراد الدخول فی الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ امیریہ، بولاق، مصر، ۱/ ۱۱۲۔

فی شیئ من الصحیح ولاالمسانید ولاالسنن المشھورۃ وفی رواتھا الکذّابون والضعفاء والمجاھیل[52] الخ ان حدیثوں میں کوئی حدیث صریح و صحیح نہیں، نہ یہ صحاح ومسانید و سنن مشہورہ میں مروی ہوئیں ان کی روایتوں میں کذاب، ضعیف، مجہول لوگ ہیں الخ۔

امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: احادیث الجھر لیس فیھا صریح بخلاف حدیث الاخفاء فانہ صحیح صریح ثابت مخرجہ فی الصحیح والمسانید المعروفۃ والسنن المشھورۃ[53]۔ جہر کی حدیثوں میں کوئی حدیث صحیح وصریح نہیں بخلاف حدیث اخفا کہ وہ صحیح وصریح اور صحاح ومسانید وسنن مشہورہ میں ثابت ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد چاروں ائمہ مذہب اور بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ چھوؤں ائمہ حدیث اور دارمی وطحطاوی وابن خزیمہ وابن حبان ودارقطنی وطبرانی وابویعلی وابن عدی وبیہقی وابونعیم وابن عبدالبر اکابر حفاظ واجلہ محدثین اپنی صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم میں باسانید کثیرہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں: صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلف ابی بکر و عمر و عثمٰن فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم[54] ھذا لفظ مسلم وفی لفظ للامام احمد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ وغیرھم باسناد علی شرط الصحیح کما افادہ فی الفتح کانوالایجھرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم[55] وفی لفظ لابن خزیمۃ والطبرانی وابی نعیم کانوا یسرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم[56] ولابن ماجۃ فکلھم یخفون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم[57]۔ میں نے حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابوبکر صدیق وعمر فاروق وعثمان غنی کے پیچھے نماز پڑھی ان میں کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہ سنا وہ بسم اللہ شریف کا جہر نہ فرماتے تھے وہ بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے، یہ امام مسلم کے الفاظ تھے، امام احمد، نسائی اور ابن حبان اپنی صحیح میں اور دوسروں نے اپنی صحیح سندوں کے ساتھ جیسا کہ فتح القدیر نے بیان کیا ہے، جن کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ حضرات بسم اللہ کا جہر نہ فرماتے تھے، اور ابن خزیمہ، طبرانی، ابونعیم کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ بسم اللہ

52۔ نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ، کتاب الصلوٰۃ، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ریاض الشیخ، ۱/۳۵۵۔

53۔ عمدۃ القاری، النوع الرابع اختلاف الفقھاء فی البسملۃ، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، بیروت، ۵/۲۹۱۔

54۔ صحیح مسلم، باب حجۃ من قال لایجھر بالبسملۃ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱/۱۷۲۔

55۔ مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالک رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۱۷۹، ۲۷۵۔

فتح القدیر، باب صفۃ الصلوٰۃ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ۱/۲۵۴۔

56۔ صحیح ابن خزیمہ، معنی قول انس رضی اللہ عنہ انھم کانوا یسرون الخ، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱/۲۴۹۔

57۔ سنن ابن ماجہ، باب افتتاح القراءت، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص:۵۹۔

کو پوشیدہ پڑھتے تھے، اور ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں کہ، کہ وہ سب بسم اللہ کا اخفاء فرماتے تھے۔(ت)

یہ وہ حدیث جلیل ہے جس کی تخریج پر چاروں ائمہ مذہب اور چھوٗں اصحاب صحاح متفق ہیں بلکہ طبرانی (ف) نے انہیں سے روایت کی: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یسر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم وابابکر وعمر وعثمٰن وعلیا[58]۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابو بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ تعالٰی عنہم بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے۔

(ف) طبرانی کبیر اور صحیح ابن خزیمہ میں عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں۔ نذیر احمد

امام الائمہ امام ابو حنیفہ وامام محمد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وغیرہم ابن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال: سمعنی ابی وانا اقول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فقال ای بنی ایاك والحدث قال ولم ار احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ قال وصلیت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومع ابی بکر ومع عمر ومع عثمٰن فلم اسمع احدا منھم یقولھا فلا تقلھا، انت اذا صلیت فقل الحمد للہ رب العٰلمین[59]۔ یعنی مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ شریف پڑھتے سنا، فرمایا اے میرے بیٹے! بدعت سے بچ۔ ابن عبد اللہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ میں اُن سے زیادہ کسی کو اسلام میں نئی بات نکالنے کا دشمن نہ دیکھا، انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابو بکر صدیق وعمر فاروق وعثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ نماز پڑھی کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہیں سنا تم بھی نہ کہو جب نماز پڑھو الحمد للہ رب العالمین، سے شروع کرو۔

انہی عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی امام کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے سنا، پکار کر فرمایا: یا عبد اللہ انی صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم فلم اسمع احدا منھم یجھر بھا[60]۔ رواہ الامام الاعظم ذکرہ فی الفتح۔ اے خدا کے بندے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں کسی کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے نہ سنا، اس کو امام

58۔ المعجم الکبیر، مروی از انس رضی اللہ عنہ، حدیث ۷۳۹، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت، ۱ /۲۵۵۔
صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ تعالٰی عنہم کانوا یسرون الخ، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱ /۲۵۰۔
59۔ جامع الترمذی، باب ماجاء فی ترك الجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۱ /۳۳۔
سنن ابن ماجہ، باب افتتاح القراءت، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۵۹۔
60۔ مسند الامام الاعظم، بیان عدم الجھر بالبسملۃ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ص: ۵۸۔
فتح القدیر، باب صفۃ الصلوٰۃ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ۱ /۲۵۴۔

اعظم رحمہ اللہ نے روایت کیا اسے فتح میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام اعظم و امام محمد و امام احمد و امام طحاوی و امام ابو عمر ابن عبدالبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرأۃ الاعراب[61]۔ بسم اللہ شریف آواز سے پڑھنی گنواروں کی قراءت ہے۔

نیز اسی جناب سے مروی ہوا: لم یجھر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالبسملۃ حتی مات[62]۔ ذکرہ المحقق فی الفتح۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بسم اللہ شریف کا جہر نہ فرمایا یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اسے محقق نے فتح میں ذکر کیا۔

اثرم بسند صحیح عکرمہ تابعی شاگرد خاص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: انا اعرابی ان جھرت ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں گنوار ہوں اگر بسم اللہ شریف جہر سے پڑھوں۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں راوی: حدثنا حماد بن زید عن کثیر بن شنظیر ان الحسن سئل عن الجھر بالبسملۃ فقال انما یفعل ذلک الاعراب[63]۔ حماد بن زید نے کثیر بن شنظیر سے بیان کیا کہ امام حسن بصری سے جہر بسم اللہ کا حکم پوچھا گیا، فرمایا یہ گنواروں کا کام ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں امام ابراہیم نخعی تابعی سے راوی: الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم بدعۃ[64]۔ بسم اللہ شریف جہر سے کہنا بدعت ہے۔

اثرم انہیں سے راوی: ما ادرکت احدا یجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والجھر بھا بدعۃ[65]۔ میں نے صحابہ و تابعین میں کسی کو بسم اللہ شریف کا جہر کرتے نہ پایا اس کا جہر بدعت ہے۔

سبحان اللہ! حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تواتر درکنار ان حضرات عالیہ کے نزدیک کچھ بھی ثبوت ہوتا تو کیا یہ اجلہ صحابہ و تابعین معاذ اللہ اسے بدعت بتاتے یا گنواروں کا فعل کرسکتے تھے ولٰکن الجھلۃ یقولون مالا یعلمون (لیکن جاہل لوگ غیر معلوم باتیں کرتے ہیں۔ت) نہایت کہ امام الفقہاء امام المحدثین اوحد الاولیا اوحد المجتہدین سیدنا امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار جہر بسم اللہ کا قول سخت مہجور و مجور مانا اور اس کے اخفا کو افضل واولیٰ سمجھنا تمتہ

61۔ شرح معانی الآثار، باب قراءت بسم اللہ الخ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/ ۱۴۰۔

المصنف لابن ابی شیبۃ، من کان لایجھر بسم اللہ الخ، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱/ ۴۱۱۔

62۔ فتح القدیر، باب صفۃ الصلوٰۃ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ۱/ ۲۵۴۔

63۔ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ، بہ حوالہ سنن سعید بن منصور کتاب الصلوٰۃ، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ریاض الشیخ، ۱/ ۳۵۸۔

64۔ مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لایجھر ببسم اللہ الخ، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱/ ۴۱۱۔

65۔ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ، بہ حوالہ سنن سعید بن منصور کتاب الصلوٰۃ، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ریاض الشیخ، ۱/ ۳۵۸۔

عقائد اہل سنت جانا۔ محدث لالکائی کتاب السنہ میں بسند صحیح راوی:

حدثنا المخلص نا ابو الفضل شعیب بن محمد نا علی بن حرب بن بسام سمعت شعیب بن جریر یقول قلت لسفین الثوری حدث بحدیث السنة ینفعنی الله به فاذا وقفت بین یدیه وسألنی عنه قلت یارب حدثنی بهذا سفین فانجوانا وتوخذ فقال اكتب بسم الله الرحمٰن الرحیم القرآن كلام الله غیر مخلوق منه (وجعل یسرد الی ان قال) یاشعیب لاینفعك ماكتبت حتی تری المسح علی الخفین وحتی تری ان اخفاء بسم الله الرحمٰن الرحیم افضل من الجهر به وحتی تؤمن بالقدر (الی ان قال) اذا وقفت بین یدی الله فسألك عن هذا فقل یارب حدثنی بهذا سفین الثوری ثم خل بینی وبین الله عزوجل[66]۔ یعنی شعیب بن جریر نے امام سفیان ثوری سے کہا مجھے عقائد اہلسنت بتادیجیے کہ اللہ عزوجل مجھے نفع بخشے اور جب میں اس کے حضور کھڑا ہوں اور مجھ سے ان کے متعلق سوال ہو تو عرض کردوں کہ الٰہی! یہ مجھے سفیان نے بتائے تھے تو میں نجات پاؤں اور جو پوچھ گچھ ہو آپ سے ہو تو فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں، اور اسی طرح اور عقائد و مسائل لکھوا کر فرمایا اے شعیب! یہ جو تم نے لکھا تمہیں کام نہ دے گا جب تک مسح موزہ کا جواز نہ مانو اور جب تک یہ اعتقاد نہ رکھو کہ بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا، بآواز پڑھنے سے افضل ہے اور جب تک تقدیر الٰہی پر ایمان نہ لاؤ، جب تم اللہ عزوجل کے حضور کھڑے ہو اور تم سے سوال ہو تو میرا نام لے دینا کہ یہ عقائد و مسائل مجھے سفیان ثوری نے بتائے پھر مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور چھوڑ کر الگ ہو جانا۔ امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں: هذا ثابت عن سفین وشیخ المخلص ثقة[67]۔ یہ روایت سفیان سے ثابت ہے اور راوی ثقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

افادہ ثالثہ عشر: اقول ہم آفتاب روشن کی طرح ثابت کر آئے کہ اگر بفرض باطل مذہب ثابت نہیں کہ ان کا طریقہ نماز میں ہر جگہ جہر بسم اللہ تھا تاہم ان کی قراءت اختیار کرنی، ہرگز اسے مستلزم نہیں کہ نماز میں درباہ جہر واخفاء اُن کی پیروی ضرور ہو کہ یہ مسئلہ فقہیہ ہے اور ہم فقہ میں اُن کے مقلد نہیں، آخر نہ دیکھا کہ ہمارے ائمہ کرام نے ان کی قراءت اختیار فرمائی اور نماز میں بسم اللہ شریف کے اخفاء کا حکم دیا، لاجرم ہمارے علماء نے صاف صریح تصریح فرمائی کہ جہر واخفائے بسم اللہ شریف میں امام قراءت کا اتباع بیرون نماز ہے نماز میں اخفاہی کرے، اور بیرون نماز بھی اتباع قاری خاص صرف بروجہ اولویت ہے نہ بطور وجوب ولزوم وضرورت۔ لما قدمنا ان القراءات كلها حقة بالیقین لااحتمال فیها للخطأ ولاینافی بعضها بعضا فلاهجر فی شیئ منها لاجمعا ولاافرادا مالم یؤد التلفیق الی التغییر بخلاف المجتهدات الخلافیة فان المجتهد یخطئ ویصیب فلا نعد وعما اعتقدنا انه

66۔ تذکرۃ الحفاظ للذهبی، عنوان سفیان بن سعید ثوری ۴۳ بحوالہ اللالکائی، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف، حیدرآباد، دکن، ۱ /۱۹۳۔

67۔ تذکرۃ الحفاظ للذهبی، عنوان سفیان بن سعید ثوری ۴۳ بحوالہ اللالکائی، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف، حیدرآباد، دکن، ۱ /۱۹۳۔

صواب یحتمل الخطأ الی ما ظننا انہ خطأ یحتمل الصواب ولئن لفقت لربما اتفق الاقوال علی فساد العمل۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ تمام قراءات بر حق ہیں، ان میں خطاء کا احتمال نہیں ہے اور ایک دوسرے کے منافی بھی نہیں ہیں، لہٰذا ان کو ملا کر پڑھنا یا علیحدہ علیحدہ پڑھنا اس وقت تک جائز ہے جب تک ان کا مختلف انداز معنی کی تبدیلی پیدا نہ کرے۔ اس کے بر خلاف اجتہادی اختلافی مسائل میں چونکہ مجتہد کے اجتہاد میں درستی اور خطا دونوں کا احتمال موجود ہے اس لئے وہاں ہم اپنے ظن میں درست کو اپنائیں گے اور جس کو ہم خطا سمجھیں گے اس کو نہیں اپنائیں گے کیونکہ ہم اعتقاد کے پابند ہیں اگرچہ فی الواقع اس کی خطاء کا احتمال ہے، اور یہاں اجتہادی مسائل میں مختلف مجتہدین کے اجتہاد کو اپنانا عمل میں فساد پیدا کر دے گا۔ (ت)

مجتبیٰ شرح قدوری پھر کفایہ شرح ہدایہ پھر ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے: لایجھر بھا فی الصلٰوۃ عندنا خلافا للشافعی وفی خارج الصلٰوۃ اختلاف الروایات و المشایخ فی التعوذ والتسمیۃ قیل یخفی التعوذ دون التسمیۃ والصحیح انہ یتخیر فیھما ولکن یتبع امامہ من القراء وھم یجھرون بھما الا حمزۃ فانہ یخفیھما[68] اھ۔ ہمارے نزدیک نماز میں جہر نہیں ہے، امام شافعی اس کے خلاف ہیں، اور خارج از نماز بسم اللہ اور اعوذ باللہ میں مشائخ اور روایات کا اختلاف ہے ایک قول میں اعوذ باللہ کو مخفی اور بسم اللہ کو جہر کے ساتھ لیکن صحیح یہ ہے قاری کو اختیار ہے کہ دونوں کو آہستہ پڑھے یا بلند پڑھے، لیکن ائمہ قراء میں سے اپنے امام کی اتباع بہتر ہے امام حمزہ جہر کے قائل نہیں ہیں باقی ائمہ جہر کے قائل ہیں اھ (ت) بحمد اللہ تعالیٰ یہ خیالات وہابیہ کے رَد میں ہمارے علماء کا نص صریح ہے۔

افادہ رابعہ عشر: اقول وباللہ التوفیق حقیقت امر یہ ہے کہ روایات قراء طبقۃً فطبقۃً قرناً فقرناً بذریعہ تدریس و تعلیم و تلقی تلامذہ عن الشیوخ ہیں تو یہ جہر و اخفا اوقات تعلیم واقرا کی خبر دیتے ہیں نہ خاص حال نماز کی، حضور پر نور سیّد العالمین ﷺ کے بعد تو طریقہ تعلیم قرآن عظیم معین رہا کہ تلامذہ پڑھتے استاذ سنتے بتاتے، نہ یہ کہ نمازوں میں سن سن کر سیکھتے جس میں سوال وجواب و تفہیم و تفہم کا کوئی موقع نہیں، بیرون نماز بھی قراءت شیوخ کا دستور نہ تھا بلکہ اسے ناکافی سمجھتے اگرچہ یہاں ممکن تھا کہ جو طرز ادا تلمیذ کی سمجھ میں نہ آتا دریافت کر لیتا استاد اعادہ کر دیتا۔ اتقان شریف میں ہے:

اوجہ التحمل عند اھل الحدیث السماع من لفظ الشیخ والقراءۃ علیہ، والسماع علیہ بقراءۃ غیرہ، والمناولۃ والاجازۃ والمکاتبۃ والعرضیۃ والاعلام والوجادۃ، فاما غیر الاولین فلا یاتی ھنا لما یعلم مما سنذکرہ، واما القراءۃ علی الشیخ فھی المستعملۃ سلفا وخلفا، واما السماع من لفظ الشیخ فیحتمل ان یقال بہ ھنا لان الصحابۃ رضی اللہ عنھم انما اخذوا القراٰن من فی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکن لم یأخذ بہ احد من القراء والمنع فیہ ظاھر لان المقصود

68۔ ردالمحتار بحوالہ الکفایہ عن المجتبیٰ، فصل واذا اراد الشروع فی الصلٰوۃ الخ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/ ۴۹۰۔

ھھنا کیفیة الاداء و لیس کل من سمع من لفظ الشیخ یقدر علی الاداء کھیأته، بخلاف الحدیث فان المقصود فیه المعنی اواللفظ لابالھیأت المعتبرة فی اداء القراٰن، واما الصحابة فکانت فصاحتھم وطباعھم السلیمة تقتضی قدرتھم علی الاداء کما سمعوه من النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لانه نزل بلغتھم، ومما یدل للقراء ة علی الشیخ عرض النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم القراٰن علٰی جبریل فی رمضان کل عام[69] اھ۔

محدثین کے ہاں اپنے شیخ سے حدیث اخذ کرنے کے کئی طریقے ہیں، شیخ کے الفاظ کو سننا، شیخ پر پڑھنا، دوسرے شاگرد کو پڑھتے ہوئے سننا، لکھے ہوئے کو لینا، مرویات کی اجازت لینا، لکھنا، وصیت کے طور پر اپنانا، اطلاع حاصل کرنا، شیخ کے لکھے ہوئے کو پہچان کر یاد کرنا، لیکن قرآن کی قراءت کے بارے میں پہلے دو طریقوں کے علاوہ دوسرے طریقے جائز نہیں جیسا کہ اس کی وجہ ہم بیان کریں گے، یہاں قراءت میں شیخ پر شاگرد کا پڑھنا ابتداء سے آج تک مروّج ہے اور شیخ سے سننا بھی یہاں جائز ہو سکتا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے قرآن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سن کر اخذ کیا ہے، لیکن قراء حضرات نے اس طریقہ کو نہیں اپنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ قراءۃ میں ادائیگی کی کیفیت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ استاذ کی ادائیگی کی کیفیت کو محض سننے پر اخذ کرلے، لہٰذا قراءت میں یہ طریقہ منع ہے مگر حدیث میں معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ یہاں معنی یا لفظ مقصود ہوتے ہیں لیکن ادائیگی والی کیفیت قرآن کی طرح یہاں معتبر نہیں ہے، ہاں صحابہ کرام کا معاملہ الگ ہے کیونکہ وہ اپنی فصاحت اور سلامتی طبع کی بناء پر حضور علیہ السلام سے سن کر قراءت کو اسی کیفیت سے ادا کرنے پر قدرت رکھتے تھے اور اس لئے بھی کہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا ہے، اور قرآن کو اخذ کرنے میں شیخ کو سنانے والا طریقہ اس لئے بھی جائز ہے کہ ہر سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں جبرائیل علیہ السلام کو قرآن سناتے تھے اھ (ت)

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اگرچہ بسبب کمال افادہ حضور فاعل کامل صلی اللہ علیہ وسلم ونہایت استعداد نفوس قوابل رضی اللہ تعالٰی عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سن کر سیکھا مگر وہ بھی بطور تعلیم و تلقین ظاہر و باطن و نظم و معنی و حکم و حکمت تھا نہ یوں کہ صرف نماز میں قراءت اقدس سے لفظ یاد کرلیے، صحابہ کرام دس دس آیتیں مع ان کے علم و عمل کے سیکھتے جب ان پر قادر ہو جاتے دس اور تعلم فرماتے۔ اسی طرح امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارہ برس میں سورہ بقر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی جب ختم فرمائی ایک اونٹ ذبح کیا، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے آٹھ سال میں پڑھی کہ جس قدر تدبر زائد دیر زائد، ابن عساکر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی، قال: کنا اذا تعلمنا من النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عشر اٰیات من القراٰن لم نتعلم من العشر التی نزلت بعدھا حتی

69۔ الاتقان فی علوم القرآن، النوع الرابع والثلاثون الخ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱ /۹۹۔

نعلم مافیه، فقیل لشریك من العمل قال نعم[70]۔ہم جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن کی دس آیات کا علم حاصل کرتے تو اس کے بعد والی دس آیات کی تعلیم حاصل نہ کرتے جب تک پہلی آیات میں بیان شدہ اعمال کو معلوم نہ کر لیتے۔ شریک سے پوچھا گیا کہ آیات کے بیان شدہ اعمال سیکھنا مراد ہے، تو انہوں نے کہا ہاں۔(ت)

ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف میں ابوعبدالرحمن سلمی سے راوی، قال: حدثنا من کان یقریٔنا من اصحٰب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انهم کان یقترؤن من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عشر اٰیات ولا یأخذون فی العشر الاخری حتی یعلموا ما فی هذه من العلم والعمل فانا علمنا العلم والعمل[71]۔ صحابہ کرام میں سے جو حضرات ہمیں قراءت پڑھاتے انہوں نے فرمایا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس آیات پڑھتے اور ان کے بعد دس آیات کو اس وقت تک اخذ نہ کرتے جب تک پہلی دس آیات کے علم و عمل کو نہ سیکھ لیتے، یوں ہم علم اور عمل دونوں کو حاصل کرتے۔(ت)

ابن سعد طبقات میں بطریق عبدالله بن جعفر عن ابی الملیح عن میمون اور امام مالک موطا میں بلاغاً راوی: ان ابن عمر تعلم البقرة فی ثمان سنین[72]۔بیشک عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ بقرہ کو آٹھ سال میں سیکھا۔(ت)

خطیب بغدادی کتاب "رواۃ مالک" میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، قال: تعلم عمر البقرة فی اثنتی عشرة سنة فلما ختمها نحر جزورا[73]۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ بقرہ کو بارہ سال میں سیکھا، جب انہوں نے اسے ختم کیا تو ایک اونٹ ذبح کیا۔(ت)

تو ظاہر ہوا کہ یہ روایات جہر و اخفا قراءات خارج از نماز کی نقل ہیں اب بحمد اللہ تعالیٰ اس ارشاد علماء کا راز واضح ہوا کہ بیرون نماز اتباع امام قراءت مناسب ہے اس کی نظیر منیر مسئلہ تعوذ ہے عامہ قرا کا اس کے جہر پر اتفاق ہے۔ امام اجل ابوعمرو دانی نے اس پر اجماع عـــہ اہل ادا نقل فرمایا، امام عارف باللہ شاطبی نے باوصف حکایت خلاف، تصریح فرمائی کہ ہمارے حفاظ رواۃ اس کا اخفا نہیں مانتے۔ تیسیر باب ذکر الاستعاذہ میں ہے: لا اعلم خلافا بین اهل الاداء فی الجهر بها عند افتتاح القراٰن وعند الابتداء برؤس الاجزاء وغیرها فی مذهب الجماعة اتباعا للنص

70۔ مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، عنوان عبداللہ بن مسعود بن غافل، نمبر ۲۳، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴/۵۹۔

71۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب فضائل قرآن ۱۷۵۵، حدیث ۹۹۷۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۰/۴۶۰۔

72۔ موطا امام مالك، باب ما جاء فی القرآن، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی، ۱/۱۹۰۔

73۔ رواة مالك للخطیب بغدادی۔

واقتداء بالسنة[74]۔ قرآنی نص اور سنت کی اتباع میں قرآن کی ابتداء میں اور پاروں وغیرہ کی ابتداء میں تلاوت شروع کرتے وقت جیسا کہ ایک جماعت کا مذہب ہے۔ اعوذباللہ کو جہر سے پڑھنے میں اہل اداایعنی قراء حضرات کا اختلاف نہیں ہے۔(ت)

[عـه ای وان جاءت الروایة علی انحاء وصلها ۱۲ منها گرچہ تعوّذ کے بارے میں مختلف صورتیں مروی ہیں ۱۲ منہ (ت)]

حرزالامانی و وجہ التہانی میں ارشاد فرمایا: اذا ما اردت الدهر تقرء فاستعذ جهارا من الشیطان باللہ مسجلا[75] (تو زندگی بھر جب بھی قرآن کی قراءت کرے تو اعوذباللہ کو بلند آواز سے پڑھ، مسجّلاً۔ت)

سراج القاری میں ہے: "قوله مسجلا ای مطلقا لجمیع القراء و فی جمیع القراٰن"۔[76] اس کا قول مسجّلاً یعنی تمام قراء حضرات کے نزدیک اور تمام قرآن میں۔(ت)

پھر فرمایا:

واخفـــــاؤه فصل اٰباه وعاتنا
وکم من فتی کالمهدوی فیه اعملا[77]

اس کی شرح میں ہے:ای روی اخفاء التعوذ عن حمزة ونافع اشار الی حمزة بالفاء من فصل والی نافع بالالف من اباه وجهربه الباقون وهم ابن کثیر و ابوعمرو وابن عامر وعاصم والکسائی هذا هو المقصود بهذا النظم بالباطن ونبه بظاهره علی ان من ترجع قراء ته الیهم من الامة ابوالاخفاء ولم یاخذوا به بل اخذوا بالجهر للجمیع ولذلك امر به مطلقا فی اول الباب[78]۔ ملخصاً یعنی امام حمزہ اور نافع سے اعوذباللہ کا اخفاء مروی ہے "فصل" کی فاء سے حمزہ کی طرف "آباہ" کے الف سے نافع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور باقی قراء حضرات نے اعوذباللہ کو جہر مانا ہے اور باقی حضرات یہ ہیں: ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر، عاصم اور امام کسائی۔ باطنی طور پر اس نظم کا یہ مقصد ہے، اور ظاہر میں انہوں نے یہ تنبیہ کی ہے کہ جن ائمہ کی طرف قراءت منسوب ہے انہوں نے اخفاء کا انکار کیا ہے اور اس پر عمل نہیں کیا بلکہ انہوں نے اعوذباللہ کا جہر کیا ہے اور یہاں اول میں مطلقاً کہہ کر تمام

74۔ تیسیر، باب ذکر الاستعاذہ۔
75۔ حرزالامانی و وجہ التہانی، باب الاستعاذہ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص:۱۰۔
76۔ سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرزالامانی، باب الاستعاذہ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص:۳۱۔
77۔ حرزالامانی و وجہ التہانی، باب الاستعاذہ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص ۱۰۔
78۔ سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرزالامانی، باب الاستعاذہ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص ۳۲۔

قرآن میں تعوذ کے جہر کی طرف اشارہ کیا ہے (ت)

اب کون عاقل کہے گا کہ یہ اطباق جمہور رواۃ واتفاق جمیع اہل ادا، نماز وغیر نماز سب کو شامل، وہ سب تمام قراء کے طور پر نماز میں بھی اعوذ بجہر پڑھتے تھے، حاشا، بلکہ قطعاً یہ روایات ونقول سب محل روایت وتلاوت بیرون نماز سے متعلق ہیں لاجرم شرح میں فرمایا: قوله فاستعذ جهارا هو المختار لسائر القراء وهذا في الاستعاذة القارئ على المقرئ او بحضرة من يسمع قرائته امامن قرأ خاليا اوفي الصلوة فالاخفاء اولى[79]۔ اس کا قول "جھارا" یہ تمام قراء حضرات کا قول ہے، یہ اس صورت میں ہے جب قاری استاذ کے سامنے یا مجمع میں پڑھے، لیکن اگر کوئی شخص خلوت میں یا نماز میں قراءت کرے تو پھر اخفاء کرنا اولیٰ ہے (ت)

امام جلیل جلال سیوطی اتقان میں کتاب النشر امام القراء محمد محمد ابن الجزری سے ناقل: المختار عند ائمة القراءة الجهر بها وقيل يسر مطلقا وقيل فيما عدا الفاتحة وقد اطلقوا اختيار الجهر وقيده ابوشامه بقيد لابد منه وهو ان يكون بحضرة من يسمعه لان الجهر بالتعوذ اظهار شعار القراءة كالجهر بالتلبية وتكبيرات العيد ومن فوائده ان السامع ينصت للقراءة من اولها لايفوته منها شيئ واذا اخفى التعوذ لم يعلم السامع بها الابعد ان فاته من المقروشيئ وهذا المعنى هو الفارق بين القراءة في الصلوة وخارجها[80] اھ۔ قراءت کے ائمہ کے ہاں اعوذ باللہ کا جہر ہے اور ایک قول میں یہ ہے کہ اس کو مطلقاً آہستہ پڑھے، اور ایک قول میں ہے کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرآن میں آہستہ پڑھے جبکہ جہر کا عموم راجح ہے، اور ابوشامہ نے اس جہر کو ایک ضروری قید سے مقید کیا ہے کہ جب مجلس میں سننے والے ہوں تو جہر کرے کیونکہ اعوذ باللہ کا جہر قراءۃ کا شعار ہے اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب قاری اعوذ باللہ کا جہر کرے گا تو سامع ابتداء سے ہی خاموشی سے سننا شروع کرے گا اور اس کا سماع فوت نہ ہوگا، اور جب اعوذ باللہ کو آہستہ پڑھے گا تو سامع کو تلاوت کے شروع ہونے کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کچھ سماع ابتداء فوت ہو جائے گا، نماز اور خارج نماز اعوذ باللہ کے بارے میں یہی وجہ فرق ہے۔ (ت)

افادہ خامسہ عشر: قرآنیت بسم اللہ ضرور حق ہے مگر وہ ہرگز من حیث الروایہ ثابت نہیں بلکہ کتابت مصاحف واجماع علی التجرید سے، ولہذا جب امام ولی صالح قدس سرہ المجید نے قصیدہ میں فرمایا: وبسمل بين السورتين بسنة رجال نموها دریة وتحملا (دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ سنت صحابہ سے ثابت ہے جس کو انہوں نے جاری رکھا، عقل ونقل کے طور پر)۔

79۔ سراج القارى المبتدى شرح حرز الامانى، باب الاستعاذہ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص: ۳۱۔

80۔ اتقان، النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوۃ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱۰۵/۱۔

شارح علامہ نے صاف تصریح فرمادی کہا راد بالسنۃ التی نموھا کتابۃ الصحابۃ لھا فی المصحف(سنۃ التی نموھا سے مراد صحابہ کرام کا بسم اللہ کو مصحف شریف میں لکھنا ہے۔ت) پھر اس کا حاصل بھی صرف اس قدر کہ بسم اللہ کلام الٰہی ہے نہ یہ کہ ہر سورت کی جزء ہے یا ختم میں ہر جگہ اس کا جہر لازم کما مر فی الافادۃ السادسۃ(جیسا کہ چھٹے افادہ میں گزرا۔ت) اور جب اسے چھوڑ کر نفس روایت بمعنی متعارف کی راہ لیجیے اور صرف اس کی صحت کو مناط مان کر اثبات مدعا کا حوصلہ کیجیے تو یہ محض باطل وہوس عاطل، فقط صحت روایت پر مدار قراءت ہونے سے کیا مقصود ہے، آیا یہ کہ صرف اس قدر سے قرآنیت ثابت ہوجاتی ہے تو قطعاً مردود کہ قرآنیت بے دلیل قطعی یقیناً مفقود، افادہ ششم میں اس کا بیان موجود۔

اقول: ولانسلم انہ فی القراٰن حتی عن السبعۃ مالم یتواتر و ان اشتھر بل القراٰن متواتر قطعاً بجمیع اجزاءہ وان لم تقف انت علی تواتر بعضہ فلیس من شرط المتواتر ہ عندك۔ اقول(میں کہتا ہوں) قرآن ہونا محض شہرت سے اگرچہ سبعہ سے منقول ہو ثابت نہیں ہوگا جب تک قطعی تواتر سے تمام اجزاء منقول نہ ہوں، اگر تجھے تواتر کا بعض اجزاء کے بارے میں علم نہیں تو متواتر ہونے کے لئے تیرے ہاں تواتر ضروری بھی نہیں ہے۔(ت)

اتقان میں ہے: لاخلاف ان کل ماھو من القراٰن یجب ان یکون متواترا فی اصلہ واجزاءہ واما فی محلہ ووضعہ وترتیبہ فکذلك عند محققی اھل السنۃ للقطع بان العادۃ تقضی بالتواتر فی تفاصیل مثلہ لان ھذا المعجز العظیم الذی ھو اصل الدین القویم والصراط المستقیم مما تتوفر الدواعی علی نقل جملہ وتفاصیلہ فما نقل اٰحادا ولم یتواتر یقطع بانہ لیس من القراٰن قطعا الخ[81]۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو کچھ قرآن کا حصہ ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اور اس کے تمام اجزاء متواتر ہوں، قرآنی حصہ کا محل، مقام اور ترتیب بھی اسی طرح متواتر ہونا اہلسنت کے محققین کے ہاں ضروری ہے کیونکہ اس معاملہ میں تفصیل عادتاً تواتر سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ یہ عظیم معجزہ جو کہ دین قویم اور صراط مستقیم کی بنیاد ہے اس کے اجمال وتفصیل کے دواعی وافر طور پر پائے جاتے ہیں، جو اجزاء خبر واحد یا غیر متواتر طور پر ثابت ہوں ان کے قطعی طور پر قرآن ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا الخ(ت)

اور اگر یہ مراد کہ جب روایت صحیح ہو، رد نہ کریں گے صرف اسی قدر پر پڑھنا جائز سمجھیں گے تو اوّلاً یہ بھی چاروں مذہب میں باطل جمہور محققین قراء ومحدثین وفقہاء واصولیین اس کے بطلان کے قائل۔

اقول: کیف لا وانما الکلام فی قراءتہ قراٰنا وھی موقوفۃ علی ثبوت قراٰنیتہ الموقوف علی

81۔ اتقان، النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوۃ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱/۷۷۔

تواترها والا فلاشك فی جواز قراءة الاحاد بل الشواذ للاحتجاج بها فی حکم کخبر الواحد اولاستشهاد بها علی مسئلة ادبیة مثلا اذا لم یعتقد قرانیتها ولم یوهمها والاحرم باجماع مسلمین کما نص علیه فی غیث النفع عن ابی القاسم النویری فی شرح طیبة النشر عن الامام ابی عمر فی التمهید۔ اقول یہ کیسے نہ ہو جبکہ بحث قرآن ہونے کے لحاظ سے قراءت میں ہے، قراءت بطور قرآن کا ثبوت اس کے قرآن ہونے پر اور قرآن ہونا موقوف ہے اس کے تواتر پر، ورنہ محض قراءت کا جواز تو احاد بلکہ شاذ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے جبکہ اس سے کسی ادب کے بارے مسئلہ پر شاہد بنانا مقصود ہو بشرطیکہ اسے قرآن نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس سے قرآن ہونے کا وہم پیدا ہو، ورنہ قرآن ہونے کا اعتقاد کرنا تمام مسلمانوں کے اجماع پر حرام ہے جیسا کہ اس کی تصریح غیث النفع میں ابو القاسم نویری کے حوالہ سے کی ہے کہ انہوں نے طیبۃ النشر کی شرح میں امام ابو عمر کے حوالہ سے کہ انہوں نے تمہید میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

غیث النفع میں ہے: مذهب الاصولیین وفقهاء المذاهب الاربعة والمحدثین والقراء ان التواتر شرط فی صحة القراءة ولا تثبت بالسند الصحیح غیر المتواتر ولو وافقت رسم المصاحف العثمانیة والعربیة وقال الشیخ ابو محمد مکی القراءة الصحیحة ما صح سندها الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وساغ وجهها فی العربیة ووافقت خط المصحف وتبعه علی ذلك بعض المتأخرین ومشی علیه ابن الجزری فی نشره وطیبته وهذا قول محدث لا یعول علیه ویؤدی الی تسویة غیر القرآن بالقرآن ولا یقدح فی ثبوت التواتر اختلاف القراء فقد تواتر القراءة عند قوم دون قوم[82] الخ اہل اصول، چاروں فقہاء کرام، محدثین اور قراء حضرات کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کی قراءت کے طور پر متواتر ہونا ضروری ہے، اور محض صحیح سند سے ثابت ہونا کافی نہیں ہے اگرچہ وہ الفاظ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط اور عربی کلام کے معیار پر کیوں نہ ہو، شیخ ابو محمد مکی نے فرمایا کہ قراءۃ صحیحہ وہ ہے کہ جس کی سند حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک صحیح ہو اور اس کا انداز عربی ہو اور قرآنی رسم الخط کے موافق ہو، اس کو بعض متاخرین نے معیار بنایا ہے اور ابن جزری نے بھی اپنی کتاب نشر اور طیبہ میں اس کی پیروی کی ہے حالانکہ یہ معیار نئی بات ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس سے قرآن اور غیر قرآن مساوی ہو جائیں گے، تواتر کے ثبوت میں قراء حضرات کا آپس کا اختلاف مانع نہیں ہے کیونکہ ہر ایک تواتر سے قراءت کرتا ہے اگرچہ ہر ایک کا تواتر مختلف ہے الخ (ت)

اور بعض متاخرین کہ جائز رکھتے ہیں وہ بھی شہرت واستفاضہ وقبول قراء شرط کرتے ہیں، مجرد صحت روایت پر قناعت کسی معتمد فی الفن کا قول نہیں، خود امام ابن الجزری جنہوں نے نشر میں یہ ضابطہ باندھا کہ: کل قراءة وافقت العربیة

82۔ غیث النفع فی القراءات، السبع علی هامش، سراج القاری، فوائد تشدید الحاجة الخ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ص:٦،٥۔

ولوبوجه ووافقت احدی المصاحف العثمانیة ولواحتمالا وصح سندها فهی القرأة الصحیحة[83]۔ ہر وہ قراءت جو کسی طرح عربی معیار، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی سے موافق ہونے کا احتمال، اور اس کی سند صحیح ہو تو یہ قراءۃ صحیحہ ہے۔(ت)

انہیں نے اس ضابطہ کی تشریح میں آپ ہی فرمایا: اذا کانت القراءة مما شاع وذاع وتلقاه الائمة بالاسناد الصحیح اذ هو الاصل الاعظم والرکن الاقوم[84]۔ جب وہ قراءۃ مشہور و معروف ہو اور امت نے صحیح سند سے اس کو قبول کر لیا ہو، یہ اس لئے ضروری ہے کہ تلقی اُمت، رکن اعظم اور مضبوط بنیاد ہے(ت)

پھر فرمایا: نعنی به ان یروی تلك القراءة العدل الضابط عن مثله وهکذا حتی تنتهی و تکون مع ذلك مشهورة عند ائمة هذا الشان[85]۔ ہماری مراد یہ ہے کہ اس قراءت کو عادل کامل ضبط شخص نے اپنے ہی جیسے سے آخر تک سلسلہ وار روایت کیا ہو اور اس کے باوجود وہ ایسے ہی عظیم شخصیات کے ہاں مشہور بھی ہو۔(ت)

امام جلیل جلال سیوطی جنہوں نے یہاں کلام امام القراء کی تعریف کی اگرچہ اس کے بعد وہ کلام، مذکور سابق افادہ فرمایا جس نے اس کے مضمون کی تضعیف عــہ۱ کی: اعنی لاخلاف ان کل ماهو من القراٰن یجب ان یکون متواترا[86] الی اخر مامر۔ یعنی جو بھی قرآن ہے اس کا متواتر ہونا واجب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔(ت)

اس کلام کی تلخیص میں فرماتے ہیں: اتقن الامام ابن الجزری هذا الفصل جدا وقد تحرر لی منه ان القراءات انواع الاول المتواتر الثانی المشهور وهو ماصح سنده ولم یبلغ درجة التواتر ووافق العربیة والرسم واشتهر عند القراء و یقرؤ به علی عــہ۲ ماذکر ابن الجزری الثالث الاٰحاد وهو ماصح سنده وخالف الرسم او العربیة اولم یشتهر الاشتهار المذکور ولایقرؤبه[87]اھ۔ امام ابن جزری نے اس بحث کو خوب مضبوط بنایا، مجھے ان کی بحث سے یہ واضح ہوا کہ قراء تیں کئی قسم ہیں، ایک متواتر، دوسری مشہور، یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو مگر درجہ تواتر کو نہ پہنچی ہو اور عربی قواعد اور رسم الخط کے موافق ہو، اور قراء حضرات کے ہاں مشہور ہو اور اس کی قراءت کی جاتی ہو، جیسا کہ ابن جزری نے ذکر کیا ہے، اور تیسری احاد ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو لیکن عربی رسم الخط یا قواعد کے خلاف ہو اور مذکورہ شہرت کے معیار کو نہ پائے اور نہ ہی اس کی قراءت کی جاتی ہو اھ(ت)

83۔ الاتقان، بحوالہ کتاب النشر لابن جزری، النوع الثانی الخ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱/۷۵۔

84۔ الاتقان، بحوالہ کتاب النشر لابن جزری، النوع الثانی الخ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱/۷۵۔

85۔ الاتقان، بحوالہ کتاب النشر لابن جزری، النوع الثانی والثالث الخ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱/۷۶۔

86۔ الاتقان، بحوالہ کتاب النشر لابن جزری، النوع الثانی والثالث الخ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱/۷۷۔

87۔ الاتقان، بحوالہ کتاب النشر لابن جزری، النوع الثانی والثالث الخ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ۱/۷۷۔

[عـــہ۱: بلکہ یہاں بھی ایک لفظ سے اپنی براءت اس سے ظاہر فرمادی کما سیأتی ۱۲ منہ (م)]

[عـــہ۲: ھذہ کلمۃ التبری ۱۲ منہ (م)]

ثانیاً اگر بالفرض یہ مسلم بھی ہو تو اس سے حاصل کتنا، جواز قراءت نہ بروجہ قرآنیت، یہ محض ایک امر زائد وخارج ہے جس سے نہ لزوم وضرورت ثابت ہوسکے نہ بحال ترک کسی عاقل کے نزدیک، حکم نقصان ختم کی راہ ملے، اللھم الاعند مجنون نابذ العقول لایسمع مایقال ولایدری مایقول۔ اے اللہ! مگر جو مجنون بے عقل ہو جو بات کو نہ سنے نہ سمجھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ (ت)

بالجملہ یہاں تین چیزیں اثبات مبسملین کتابت مصاحف، روایت منصوصہ۔

اول تو اولا بحث سے محض برکراں جس سے جزئیت سور درکنار، قرآنیت کا اثبات بھی ظاہر البطلان،

ثانیاً روایات جہر واثبات، سب بیرون نماز کی حکایات، اس سے مطلق نماز یا خاص تراویح پر حکم ناقابل التفات۔

ثالثاً بفرض باطل بطور مناظرہ، ادعائے نقصان ختم میں، یوں بھی کلام، کہ خلاف واثبات دونوں طور پر قرآن تمام۔

دوم ثبوت قرآنیت پر ضرور دلیل مبین مگر حاشا جزئیت سور وجہر فی الصلوٰۃ سے علاقہ نہیں، نہ تکرر نزول تعدد آیات پر دلیل معقول، تو ایک بار پر اقتصار میں، نقصان ختم، کازعم مخذول۔

سوم کی دو صورتیں ہیں: تواتر یا مجرد صحت، اور ہر ایک دربارہ جہر فی التراویح یا درباب جزئیت بسم اللہ شریف میں تواتر نص تو سرے سے دربارہ قرآنیت ہی نہیں تا بجزئیت چہ رسد اور جہر مذکور وجزئیت سور میں نفس صحت معدوم، تا بتواتر چہ کشد، خود قائلان جزئیت، مصرحان ظنیت اور نافیان ظنیت اور عند التحقیق انتفائے قطعیت خود انتفائے جزئیت ولہٰذا صحابہ وتابعین وجمہور ائمہ دین کو اس سے انکار اور قول جزئیت کے محدث ونو پیدا ہونے کا صاف اظہار، ہاں صرف دربارہ فاتحہ، بعض اخبار آحاد مذکور، کہ عند المحققین مخالفت قاطع کے سبب مہجور اور مجرد صحت روایت پر اقتصار وقناعت باطل ومقہور، پھر علی التسلیم ان سے ثابت ہوگا تو وہ امر جدید جو دعوی مخالف کے عموم وخصوص دونوں کا مخالف ورَد شدید یعنی صرف جزئیت فاتحہ تو ہر سورت پر جہر کے لئے، یہ تعمیم سور کارد ہوا اور فاتحہ کے ساتھ فرائض جہریہ میں اخفاء کس وجہ سے، اس نے تخصیص تراویح کو باطل کیا، یہ تو امور ثابتہ تھے ولو بوجہ جن میں مخالف کے لئے اصلاً سند نہ کوئی صورت کسی پہلو پر اس کی مستند اور یہیں سے واضح کہ مسئلے کو منصوصہ قطعیہ اجماعیہ غیر اجتہادیہ ماننا، مذہب کو اس میں دخل نہ جاننا، محض جہل مسترد، اب نہ رہا مگر یہ جاہلانہ زعم زاعم کہ جزئیت سور یا جہر فی التراویح مذہب عاصم، اور ان کی قراءت کے آخذ پر جہر واخفاء نماز میں ان کا اتباع لازم، اول ائمہ قراءت پر افترا وتہمت اور ثانی محض جہل وسفاہت مخالفت تصریح ائمہ حنفیت، غرض حفاظ حنفیہ پر سر ہر سورت پر جبر جہر، محض ظلم وقہر نہ شرع سے اس پر دلیل قائم بلکہ دلائل شرعیہ اصلیہ وفرعیہ ہمارے قول پر حاکم، ہمارے ہی قول کی ناصر، ودواعی مصالح شرعیہ ہمارے ہی قول کی طرف داعی وللہ الحمد والمنۃ والصلٰوۃ والسلام علی نبینا سید الانس والجنۃ واٰلہ وصحبہ سادات الجنۃ۔ اٰمین!

تذییل

الحمدللہ آفتاب عالم تاب، حق وصواب بے نقاب وحجاب، شک وارتیاب جلوہ فرمائے منظر احباب ہوا اب کیا حاجت کہ حشویات زائدہ ولغویات بے فائدہ کے رد وابطال میں تضیع وقت کیجیے زید بے قید اپنی شدت جہالت و قوت سفاہت کے باعث خود اس قابل نہیں کہ اس کی بات قابل التفات ہو اس نے کوئی مطلب روشن علم پر تحریر نہ کیا، زورِ تناقض وشورِ تعارض نے جابجا اپنا ہی لکھا، خود رد کردیا، عناد واجتزاو مکابرہ وافترا، سب وشتم علمائے کرام بیت اللہ الحرام کے ماورا، جو باتیں اصل مقصد میں لکھیں اپنے دونوں متبوعوں ہی کے کلام سے اخذ کیں، متبوعین میں گنگوہی صاحب نے طرفہ تماشا کیا کہ اول تو اپنے پیشوا جناب قاری صاحب کا صاف رَد لکھا قاری صاحب نے فرمایا تھا اس مسئلے میں مذہب کو کچھ دخل نہیں، گنگوہی صاحب فرماتے ہیں قبلہ یہ باطل مبین، دخل نہ ہونا کیا معنی صریح اجتہاد یہ ہے حفص کا مذہب جہر، امام اعظم کا مذہب اخفاء ہے جس کی پیروی کیجیے درست وبجاہے، قاری صاحب، جھر فی الختم اگرچہ نماز میں ہو حفص کی روایت ہے، عاصم کی قراءت ہے منقول عن الرسول بروجہ صحت ہے، گنگوہی صاحب حضرت نہیں بلکہ حفص کی رائے ہے عقلی اجتہاد سے، ہاں مذہب سب بجاہیں، یوں حق ارشاد ہے، قاری صاحب یہ اُن امور سے جن میں نزاع کی گنجائش ہی نہیں یہاں تک کہ بدمذہب بھی خلاف سے کنارہ گزیں، گنگوہی صاحب قبلہ یہ لاف ہے صاف گزاف ہے، خود ائمہ سنت نزاع کررہے ہیں، خود امام اعظم کا صریح خلاف ہے، قاری صاحب یہاں چاروں مذہب میں صرف صحت روایت پر مدار کار ہے، گنگوہی صاحب حضرت چاروں درکنار، خود اپنے مذہب میں اس سے انکار ہے، قاری صاحب جب مسئلہ بروایت صحیحہ نبی ﷺ سے منقول ہوچکا خلاف ابوحنیفہ باقی ہی کب رہا، اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) قول احناف ہے، تو بعد صحت روایت خلاف وتخالف سے مطلع صاف ہے گنگوہی صاحب قبلہ یہ تو بداہۃً مردود، خلاف امام اعظم قطعاً موجود، قاری صاحب بعد صحت روایت کسی مذہب کی کیا حاجت یعنی کوئی خلاف کرے بھی تو کیا قابل سماعت، گنگوہی صاحب واہ حضرت سب حق وہدایت جس کی اقتداء کرو اہتداء کی بشارت، غرض اوّلاً قاری صاحب کے خیالات کا رَدِ کلی فرما کر اخیر میں سارا دھڑا قاری صاحب کے سر دھرا، کہ یہ سب کچھ ہے مگر حافظوں پر وہی ضرور جو حضرت قبلہ قاری صاحب کو منظور، ملک خدائے غالب کا حکم، جناب قاری صاحب کا، جو ہر سورت پر جہر بسم اللہ نہ کرے گا ختم کامل کے ثواب سے محروم پھرے گا۔

اقول: ان سب خرافاتوں کا ردِ بالغ وطرز بازغ، تو طرح طرح سے افادات میں گزرا، یہاں حضرت سے اوّلاً اتنا دریافت کرنا ہے کہ جب سب مذہب حق تھے سب کا اتباع ہدایت، سب کے اقتدا کی عام اجازت، تو اب حفاظ پر خاص ایک ہی کا اتباع کیوں لازم وضرور ہوگیا، حفص کا خلاف تو پہلے بھی معلوم ہی تھا اس وقت تو آپ یہی فرمارہے تھے کہ اس میں عیب، نہ اس میں حرج، اب قاری صاحب کے فرمان میں کیا کسی تازہ وحی نے نزول کیا جس نے ایک حق کو ناحق، ایک ہدایت کو ضلالت، ایک جائز کو ناجائز کردیا۔

ثانیاً یہ آپ فتوٰی لکھ رہے ہیں یا کوئی اپنی خانگی پنچایت، قاری صاحب کا فرمان حدیث ہے یا آیت یا فقہی روایت، کون سی شرعی حجت۔

ثالثاً ثبوت تو دیجئے کہ مذہب حفص تمام سور میں جزئیت بسامل تھا۔

رابعاً پہلے اسی سے چلئے کہ امام حفص کو منصب اجتہاد حاصل تھا۔

خامساً مسئلہ اجتہادیہ ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اپنے فتوٰی میں ذکر فرمان پانی پت تک جو کچھ لکھا سب پر پانی پھیر لیے اور اگر ہاں تو آپ اجتہادیات میں امام اعظم ملت امام ائمہ امت کے مقلد ہیں یا مجتہد العصر پانی پت کے، باتباع ہوا تقلید امام کو آگ دکھانا، پانی پت کی خاک پر دھونی رمانا، کس نے مانا اور یوں بھی سہی تو آپ کو اپنی ذات کا اختیار مسلم حنفیہ کو اُن کے خلاف امام فتوی بتانا کیسا ستم، افسوس کہ آپ نے اول تو تقلید شخصی کو ایسا چھوڑا کہ سب مذہب بجا سب پر عمل روا، آخر میں پکڑا تو ایسا پکڑا کہ امام کا اتباع متروک و مہجور اور تقلید پانی پت کی پت رکھنی ضرور، اس شتر گربگی کی کیا سند، صُلت علی الاسد وبُلتُ عن النقد (شیر پر حملہ کیا اور بکری کے ڈر سے پیشاب آگیا۔ت)، خیر انہوں نے سب ڈھلی بگڑی، قاری صاحب پر ڈھال کر اُن کی ڈھال پکڑی۔ قاری صاحب کی سنیے تو اُن سے بہت کچھ کہنا ہے:

یکم: وہ بھی کوئی سند نہ لاسکے، ایک کتاب کی عبارت بھی نہ دکھاسکے، اور عاقل جانتا ہے کہ محل فتوٰی میں ادعائے بے دلیل، ذلیل و علیل۔

دوم: سند دکھانا کہاں کا خوب جانتے تھے کہ یہ جملے خلاف مذہب کہے، لہذا وہ راہ چلے کہ اتباع مذہب کا جھگڑا ہی نہ رہے، اتنی عمر آئی غیر مقلدوں سے معرض ہیں، ترک تقلید پر معترض ہیں، انہیں گمراہ و مفسد بتایا کرتے ہیں، تحریراً و تقریراً جلی کٹی سنایا کرتے ہیں، اب کہ اپنا اجتہاد گرمایا، وہ کچھ فرمایا کہ انہیں بھی شرمایا، بعد صحت روایت کسی مذہب کی کیا حاجت، عمل بالحدیث ہی طریق انصاف ہے، جب حدیث صحیح ہو پھر کیا خلاف ہے فھو مذھبی (حدیث صحیح ہی میرا مذہب ہے۔ت) خود قول احناف ہے، زمانہ قراء زمانہ اجتہاد و عمل بالسنہ گزرا، تخصیص دلیل ہے کہ جب دور تقلید آیا عمل بالسنہ نے منہ چھپایا، حالانکہ تقلید ائمہ ہی عمل بالسنہ ہے اس کا خلاف صریح فتنہ ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

سوم: اذا صح الحدیث تو سن لیا مگر صحت فقہی و صحت حدیثی میں فرق نہ کیا، خاص اس بات میں فقیر کا رسالہ الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی مطالعہ کیجیے کہ مطلب کھلے، شک و ریب کی ظلمت دھلے۔

چہارم: اگر تلقی والقائے بیرون نماز میں صحت روایت جہر مراد، چشم ما روشن دل ما شاد، اس سے تراویح پر حکم خرط القتاد، اور اگر خود مطلق نماز یا خاص تراویح میں روایت جہر کی صحت مقصود تو ممنوع و مردود، افادہ ۱۲ و ۴ یاد کیجیے اور خدا انصاف دے اذا صح الحدیث سے اپنے عکس مراد کا مژدہ لیجیے کہ حدیث صحیح ہمارے ہی ساتھ، اور خصوص تراویح میں تو آپ یک دست خالی ہاتھ۔

پنجم: مذہب کو دخل نہ ہونے کی بھی ایک ہی کہی، مجرد کسی روایت صحیحہ کا وجود، مسئلے کو مجتہد فیہا نہ رکھے یہ تو بداہۃً

مردود وکتب معللہ خلافیہ دیکھیے ہزاروں مسائل اجتہادیہ ہیں ہر فریق یا ایک ہی کے پاس ایک یا چند روایات صحیحہ موجود، ہاں نص قطعی مشہور متواتر دکھا سکتے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے یا ختم تراویح میں ہر سورت پر اس کا جہر چاہیے تو یہ کہنا ٹھکانے سے ہوتا کہ مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ ان منقولہ میں اور جب اس کی قدرت نہیں تو محض ربانی ادعاؤں سے مذہب حنفیہ رَد ہو جائے حاشا یہ ہوس ہی ہوس ہے۔

ششم: جزئیت جمیع سور میں اختلاف ائمہ قراءت آپ نے کہیں دیکھا یا محض طبعی جودت، افادہ ۴ ملاحظہ ہو کہ ماورائے فاتحہ میں قول جزئیت حادث وبے اصل ہے، افادہ ۵ معلوم ہو کہ سورہ بقرہ سے سورہ ناس تک بسم اللہ باتفاق قراء سورت سے خارج امارت فصل ہے۔

ہفتم: ایک سو چودہ آیتوں کی کمی کس حساب سے جمی، قرآن عظیم میں کل سورتیں اسی قدر ہیں اور براءت میں بالاجماع بسم اللہ نہیں تو بسامل اوائل ایک سو تیرہ ہی رہیں۔ حفاظ بالاتفاق ایک بار جہر کے عامل، تو آپ کے طور پر بھی صرف ایک سو بارہ ہی کا نقصان حاصل، چودہ کس گھر سے آئیں، کیا حفد وخلع بھی دو سورتیں شمار فرمائیں، بالفرض کوئی جاہل حافظ مطلقاً تارک جہر ہی سہی تاہم کیا براءت مستثنیٰ ہو کر بھی گنتی چودہ کی چودہ ہی رہی، اس سے تو زید بیچارہ آپ کا مقلد ہی اچھا رہا جس نے کہیں کہیں اپنے خیال سے تیرہ کہا۔

ہشتم: یہ تو اہل ہوا گمراہان باطعوی کی خوب ہی حمایتیں فرمائیں، قراءت امر منقول ہے نہ اجتہادی لہٰذا اس میں کسی بدمذہب کا خلاف نہیں، سبحان اللہ مگر گمراہوں کا خلاف فروعات ظنیہ اجتہادیہ سے مخصوص یا وہ اشقیاء صراحۃً بداہۃً منکر صدہا قواطع ونصوص ویحک یامقری کانک لاتدری ماعلی لسانک یجری فان کنت لاتدری الخ (افسوس ہے اے استاذ! معلوم ہوتا ہے تجھے سمجھ نہیں جو تیری زبان پر جاری ہے، پس اگر تو سمجھ نہیں رکھتا الخ۔ت)

نہم: قراءت میں اہل ہوا کا خلاف نہ ماننا بھی عجب بے خبری ہے یا کوتاہ نظری، خلاف کی دو صورتیں ہیں ہمارے ائمہ کی کسی قراءت پر طاعن ومنکر ہوں یا کہیں اپنی نئی گھڑت کے مظہر، اہل ہوا خذلہم اللہ تعالیٰ دونوں راہ چل چکے، سردست تحفہ اثناعشریہ ہی کا تحفہ کافی جسے ہر فارسی خواں بھی سمجھ سکے، باب دوم مکائد روافض قتلہم اللہ تعالیٰ میں فرماتے ہیں: کیدسیزدہم آنست کہ گویند عثمان ابن عفان بلکہ ابوبکروعمرنیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن را تحریف کردند وآیات فضائل اہلبیت اسقاط نمودند ازاں جملہ وجعلنا علیا صہرک کہ در الم نشرح بود[88]۔ ملخصاً تیرھواں مکر یہ ہے کہ کہتے ہیں عثمان ابن عفان بلکہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قرآن میں تحریف کردی ہے، اور انہوں نے فضائل اہل بیت کی آیات کو ساقط کردیا ہے اور ان میں سے ایک "الم نشرح" میں یہ آیت تھی کہ علی کو ہم نے تیرا داماد بنایا ہے۔(ت)

ایک سنی نے اس پر ظرافۃً کہا ہاں اس کے بعد ایک آیت اور تھی وہ رافضیوں نے گھٹادی یعنیو علی الروافض

88۔ تحفہ اثناعشریہ، فصل دوم از باب دوم، کید سیزدہم، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ص:۳۸۔

قهرك (رافضیوں پر تیرا قہر ہے۔ت) تتمہ باب چہارم میں اُن اشقیا کا زعم نقل کیا: "صحابہ بجائے من المرافق الی المرافق ساختند وبجائے ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم، امۃ ھی اربی من امۃ نوشتند وعلٰی ہذا القیاس"[89] صحابہ نے من المرافق کی بجائے الی المرافق کردیا اور ائمۃ ھی ازکٰی من ائمتکم کی بجائے امۃ ھی اربی من امۃ کردیا (یعنی تمہارے اماموں سے زیادہ پاکیزہ امام" کی جگہ "امت یہ دوسری امت سے بڑی" کردیا) علی ہذا القیاس۔(ت)

شرح حدیث الثقلین میں ذکر کیا کلینی رافضی نے کافی میں کہ روافض کے نزدیک اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللہِ ہے روایت کی کسی نے امام جعفر صادق کے حضور قرآن کے کچھ لفظ ایسے پڑھے کہ لوگوں کی قراءت میں نہ تھے امام نے فرمایا کیا ہے ان الفاظ کو نہ پڑھ جیسا لوگ پڑھ رہے ہیں اسی طرح پڑھ، یہاں تک کہ مہدی آکر قرآن کو ٹھیک ٹھیک پڑھیں[90]۔ اسی میں روایت ہے امام زین العابدین نے یہ آیت یوں پڑھی: وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی ولا محدث (نہ بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہ نبی نہ محدث جس سے فرشتے باتیں کریں) اور فرمایا مولیٰ علی محدث تھے[91]۔

اسی میں روایت ہے امام جعفر صادق نے فرمایا: امۃ ھی اربی من امۃ (یہ اُمت دوسری امت سے بڑی۔ت) کلام اللہ نہیں اس میں تحریف ہوئی اللہ تعالٰی نے یوں اتارا تھا ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم[92] (یہ ائمہ تمہارے ائمہ سے زیادہ پاکیزہ۔ت)

یہیں شاہ صاحب نے ان ملاعنہ کا زعم نقل فرمایا کہ: لفظ ویلك قبل از لاتحزن ان اللہ معنا نیز ساقط کردہ اند ولفظ عن ولایۃ علی بعد ازیں آیت وقفوھم انھم مسؤلون O ویملکہ بنوامیۃ بعد خیر من الف شھر وبعلی بن ابی طالب بعد وکفی اللہ المؤمنین القتال وآل محمد ازیں لفظ وسیعلم الذین ظلموا، آل محمد منقلب ینقلبون ولفظ علی بعد از ولکل قوم ھاد، وذکر کل ذلك ابن شھر اشوب المازندرانی فی کتاب المثالب لہ و علی ھذا القیاس کلمات بسیار وآیات بے شمار راکردہ اند[93]۔ ملخصاً "نہ ڈر اللہ تعالٰی ہمارے ساتھ ہے" سے پہلے لفظ "ویلك" (تجھے ہلاکت ہو) ساقط کردیا۔ "ان کو کھڑا کرو ان سے سوال کیا جائے گا" کے بعد "عن ولایۃ علی" (علی کی ولایت کے بارے میں) ساقط کردیا۔ "اور بنوامیہ بادشاہ نہیں بنیں گے" کو "خیر من الف شھر" (ہزار مہینوں

89۔ تحفہ اثنا عشریہ، تتمۃ الباب در دلائل شیعہ، باب چہارم، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ص ۱۳۰۔
90۔ تحفہ اثنا عشریہ، تتمۃ الباب در دلائل شیعہ، باب چہارم، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ص ۱۳۰۔
91۔ تحفہ اثنا عشریہ، تتمۃ الباب در دلائل شیعہ، باب چہارم، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ص ۱۳۰۔
92۔ تحفہ اثنا عشریہ، تتمۃ الباب در دلائل شیعہ، باب چہارم، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ص ۱۳۰۔
93۔ تحفہ اثنا عشریہ، تتمۃ الباب در دلائل شیعہ، باب چہارم، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ص ۱۳۱۔

سے بہتر) کے بعد بڑھادیا ہے اور "کفی اللہ المؤمنین القتال" کے بعد "بعلی بن ابی طالب" بڑھایا، یعنی "اللہ تعالیٰ مومنوں کو جنگ میں کافی" کے بعد رافضیوں نے "علی کی وجہ سے" بڑھادیا۔ اور "سیعلم الذین ظلموا کے بعد "آل محمد" کالفظ انہوں نے بڑھادیا، یعنی "عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے علم کو ظالموں کے بارے میں ظاہر فرمائے گا" کے بعد "آل محمد پر ظلم کرنے والے" بڑھادیا۔ اور "ہر قوم کے لئے ہادی" کے بعد لفظ "علی" بڑھادیا۔ یہ سب کچھ ابن شہر آشوب المازندرانی نے اپنی کتاب "المثالب" میں ذکر کیا، اور اسی طرح انہوں نے بہت سے کلمات اور بہت سی آیات بڑھادیں۔(ت)

نیز کلینی نے امام جعفر صادق سے روایت کی انہوں نے امۃ ھی اربیکی جگہ ائمۃ ھی ازکی پڑھا۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میں آپ پر قربان جاؤں کیا ائمۃ ہے، فرمایاہاں خدا کی قسم، میں نے کہالوگ تو اربی پڑھتے ہیں، حقارت سے ہاتھ جھٹک کر فرمایااربی کیا[94]۔

دہم: آپ کے زعم میں بسم اللہ شریف کا جزءِ ہر سورت ہونا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایۃً صحیح ہوچکااور آپ تصریح کرتے ہیں کہ باتفاق مذاہب اربعہ یہاں صرف صحت روایت پر مدار ہے، ائمہ حنفیہ کا حال تو افادہ ۸ میں ظاہر ہولیا کہ انہوں نے کیونکر آپ کے اس مدار کادمار نکالا، مالکیہ سے پوچھیے وہ کیافرماتے ہیں، ہمارے یہاں توباوصف جہر سور اخفاہی کا حکم تھاامام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب مشہور یہ کہ فرضوں میں بسم اللہ ہر گز پڑھے ہی نہیں، نہ آواز سے نہ آہستہ، روایت اباحت ضعیف ہے، پڑھے گاتو نماز مکروہ ہوگی، ہاں نفلوں میں اختیار ہے کیاانہیں اپنے شہر مبارک مدینہ طیبہ کے امام قراءت حضرت نافع کاحال معلوم نہ تھا کہ بروایت قالون بسم اللہ پڑھتے ہیں، علامہ زرقانی مالکی شرح موطائے امام مالک میں فرماتے ہیں:المشھور من مذھب مالك کراھتھا فی الفرض[95]۔امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ فرضوں میں یہ مکروہ ہے۔(ت)

مقدمہ عشماویہ علامہ عبدالباری منوفی رفاعی مالکی میں ہے:المشھور فی البسملة والتعوذ الکراھة فی الفریضة دون النافلة وعن مالك القول بالاباحة[96]۔بسم اللہ اور اعوذباللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کا پڑھنا فرضوں میں مکروہ ہے نفلوں میں مکروہ نہیں، اور امام مالک سے ایک قول میں مباح ہے۔(ت)

عمدۃ القاری میں ہے:قال ابوعمر قال مالك لاتقرؤالبسملة فی الفرض سرا ولاجھرا وفی النافلة

94۔ تحفہ اثناعشریہ، تتمۃ الباب دردلائل شیعہ، باب چہارم، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ص ۱۳۲۔

95۔ شرح الزرقانی علی المؤطا۔

96۔ المقدمۃ فی الفروع المالکیۃ للعشماوی۔

ان شاء فعل وان شاء ترك[97]۔ ابو عمر نے کہا کہ امام مالک نے فرمایا بسم اللہ کو فرضوں میں نہ بلند آواز سے پڑھو نہ پست آواز سے، اور نفلوں میں پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے۔ (ت) ذرا اس تفریق کو بھی اپنے مدار سے تطبیق دیجئے۔

یازدہم تا شانزدہم: تقریر شریف میں یہ فقرات عجیب ہیں کہ زمانہ قراء سبعہ زمانہ اجتہاد تھا زمانہ تابعین تھا، ائمہ مذہب تا زمانہ قراء محتاج الیہ و محصور نہ تھے بلکہ بعد قراء کے تھے قراء کا مذہب پوچھنا عبث ہے، ان فقرات کو مقصود میں بھی کچھ دخل ہے یا برائے بیت ہیں جب آپ کے نزدیک اس مسئلے میں مذہب کو اصلاً دخل ہی نہیں تو زمانہ قراء زمانہ اجتہاد ہو یا عصر تقلید، عہد تابعین ہو یا وقت جدید، ائمہ مذہب اس وقت محتاج الیہم ہوں یا بیکار، معدودے چند ہوں یا بے شمار، قراء سے سابق ہوں یا لاحق، قاری مجتہد ہوں یا مقلد، ان امور سے علاقہ ہی کیا رہا، اور ان کے خلاف بھی مانئے تو تفاوت کیا، فتوائے سامی میں اس سے پہلے تین چار سطر کی تقریر اسی کے متعلق کہ زمانہ تبع تابعین و محدثین تک چار ہیں حصر مذاہب نہ تھا مجتہدین بکثرت تھے، جب اور مذہب مندرس ہوگئے مذہب اہل حق ان چار میں محصور ہو گیا، اور بھی ہے کہ وہ بھی محل سے یوں ہی بیگانہ واجنبی ہے۔

ہفدہم: ثبوت دیجیے کہ قراء سبعہ سب مجتہد مطلق تھے اگر مجتہد فی المذہب بھی ہوئے تو مذہب پوچھنا کیوں حماقت ہونے لگا۔

ہیجدہم: اس زمانہ میں عدم حصر و کثرت مجتہدین مسلم مگر کیا اس وقت کا ہر فرد بشر یا ہر عالم اگرچہ کسی فن کا ہو فقیہ و مجتہد تھا اس کا توزعم نہ کرے گا مگر سخت احمق جاہل، یا انتساب گو عام نہ تھا اس کا بھی مدعی نہ ہو گا مگر بے خبر غافل، کیا امام ابویوسف و امام محمد وغیرہا حنفیہ اور امام اشہب و امام قاسم وغیرہما مالکیہ میں معدود نہیں (کتب طبقات ملاحظہ ہوں) اور جب یقیناً قطعاً تقلید بھی تھی اختصاص بھی تھا تو اس وقت کے قاریوں کا مذہب پوچھنا کیوں حمق ہوا۔

نوزدہم: در فن تاریخ ہم کمالے دارند (فن تاریخ میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ت) ائمہ مذہب بعد قراء کے تھے، شہب جانے دیجیے، بدور ہی میں کلام کیجیے، سات میں چار ہمارے امام سے وفاۃً متاخر ہیں، امام ابو عمرو بن العلاء بصری نے ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ، امام حمزہ زیات نے ۱۵۴ یا ۱۵۶ یا ۱۵۸ھ، امام نافع مدنی نے ۱۶۹ھ، امام علی کسائی نے ۱۸۹ھ، امام الائمہ ابو حنیفہ نے ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اور یہ امام کسائی تو ہمارے امام سے چالیس پچاس برس چھوٹے ہیں، امام کی ولادت ۸۰ یا ۷۰ھ عـــہ میں ہے اور ان کی ۱۱۹ھ میں۔ یہ ہمارے امام کے صاحب صغیر سیدنا امام محمد کے اقران سے ہیں، دونوں صاحبوں نے ایک ہی سال انتقال فرمایا جس پر خلیفہ ہارون رشید نے کہا تھا میں نے رَے میں فقہ وادب دونوں دفن کر دیے۔ اب کون جاہل کہے گا کہ امام اعظم امام محمد کے بعد ہوئے ہیں۔

[عـــہ بلکہ ایک قول میں ولادت امام ۶۱ھ ہے کما فی وفیات الاعیان (جیسا کہ وفیات الاعیان میں ہے۔ت) یوں

97۔ عمدۃ القاری شرح بخاری، باب مایقول بعد التکبیر، حدیث ۱۳۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، بیروت، ۵/۲۸۴۔

تقریباً ۶۰ برس چھوٹے ہوں گے ۱۲(م)]

بستم: ائمہ مذہب محتاج الیہ و محصور نہ تھے یہ خاص ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت فرمایایا مطلق، اول تو بداہۃً عقل سے عاطل، چار کبھی بھی نا محصور نہیں ہوسکتے اور ثانی اس سے بڑھ کر شنیع وباطل، زمانہ صحابہ سے آج تک کوئی وقت ایسا نہیں نہ گزرا کہ ائمہ کی طرف احتیاج نہ ہو، ہر زمانے میں مقلدین کا عدد مجتہدین سے بدرجہا زائد رہا ہے تو ائمہ سے بے نیازی کیونکر ممکن بلکہ علما کی طرف حاجت تو جنت میں بھی ہوگی حالانکہ وہاں احکام تکلیفی نہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ان اھل الجنۃ یحتاجون الی العلماء فی الجنۃ وذلك انھم یزورون اللہ تعالیٰ فی کل جمعۃ فیقول لھم تمنوا علی ماشئتم فیلتفتون الی العلماء فیقولون ماذا نتمنی فیقولون تمنوا علیہ کذا وکذا فھم یحتاجون الیھم فی الجنۃ کما یحتاجون الیھم فی الدنیا[98]۔ رواہ ابن عساکر عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بے شک اہل جنت، جنت میں علماء کے محتاج ہوں گے یوں کہ ہر جمعہ کو انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا جو جی میں آئے مجھ سے مانگو (اب جنت سے مکان میں جاکر کون سی حاجت باقی ہے کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیا مانگیں) علما کی طرف منہ کرکے کہیں گے ہم کیا تمنا کریں، وہ فرمائیں گے اپنے رب سے یہ مانگو، تو لوگ جنت میں بھی علما کے محتاج ہوں گے، اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کیا۔

اللھم انی اسألك بعلماء امۃ حبیبك محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ترحمنا بھم فی الدنیا والاٰخرۃ وترزقنا بجاھھم عندك العلم النافع والقلب الخاشع والعفو والعافیۃ والمغفرۃ وصل وسلم وبارك علی سیدنا ومولانا محمد واٰلہٖ وصحبہ اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم[99]۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علماء کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ تو ہم پر ان کے وسیلے سے دنیا وآخرت میں رحم فرما اور ان کو جو عزت وکرامت تیرے ہاں حاصل ہے اس کی برکت سے ہمیں نافع علم، خشوع والا دل، معافی، عافیت اور مغفرت عنایت فرما اور درود وسلام اور برکت ہمارے آقا ومولیٰ محمد اور ان کی آل اور صحابہ پر فرما، آمین والحمد للہ رب العالمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ت)

98۔ الجامع الصغیر بہ حوالہ ابن عساکر، حدیث ۲۲۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۵/ ۱ و ۱۳۶۔

99۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر، زیر عنوان صفوان ثقفی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۴۳۷/ ۶۔

مختصر تاریخ ابن عساکر، زیر عنوان صفوان ثقفی، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۹۹/ ۱۱۔

(افطار کی دُعا کے وقت کے بیان میں عطر آلود دُولہا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ

از بنارس محلہ پتر کنڈہ، مرسلہ مولوی محمد عبدالمجید صاحب چشتی فریدی پانی پتی۔ ۱۵ر رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

ہمارے علمار حمہم الغفار وابقاہم الٰی یوم القرار، اس میں کیا فرماتے ہیں کہ دعاے افطارِ روزہ اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت کو بعض علما تو فرماتے ہیں کہ قبلِ افطار کہے، چناچہ رسالہ تنبیہ الانام فی آداب الصیام میں ہے: اور قبلِ افطار کے یہ پڑھنا اللھم لك صمت الخ سنت ہے [1] انتہی۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ وقتِ افطار کہے۔ چنانچہ رسالہ مفتاح الجنۃ مؤلفہ مولانا مولوی کرامت علی جونپوری مرحوم میں ہے: اور افطار کے وقت سنّت ہے کہ کہے اللھم لك صمت [2] الخ انتہی۔ اور کتاب جواہر الاحکام تصنیف مولوی عبداللہ معروف بہ مستان شاہ میسوری میں نقلاً عن الکفایہ ہے۔ مثلاً سنت وہی ہے کہ وقتِ افطار یہ دُعا کہے اللھم لك صمت [3] الخ انتہیٰ۔ اور رسالہ خیر الکلام فی مسائل الصیام مؤلفہ جناب مولوی محمد عبدالحلیم مرحوم لکھنوی میں ہے:

وقتِ افطار سنت آنست کہ بہ گوید اللھم لك صمت [4] الخ انتہی۔

افطار کے وقت سنت یہ ہے کہ دُعا مانگے: اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا۔ الخ (ت)

اور نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ مؤلفہ مولوی وحید الزمان میں ہے: اور جس وقت افطار کرے، کہے اللھم لك

1۔ تنبیہ الانام فی آداب الصیام۔

2۔ رسالہ مفتاح الجنۃ، مولوی کرامت علی۔

3۔ جواہر الاحکام، مولوی عبداللہ۔

4۔ رسالہ خیر الکلام فی مسائل الصیام، مولوی عبدالحلیم۔

صمت وعلی رزقك افطرت یعنی اے اللہ! تیرے ہی واسطے میں نے روزہ رکھا تھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کرتا ہوں، روایت کیا اس کو ابوداؤد نے کہ ایسا ہی کرتے تھے آں حضرت ﷺ[5] انتہی۔ اور رسالہ ارکان اربعہ مؤلفہ مولانا و مقتدانا جناب مولوی عبد العلی میں کے رسالہ صوم میں ہے:

وینبغی ان یقول عند الافطار اللّٰھم لک صمت وعلی رزقک افطرت لما عن معاذ بن زھرۃ قال بلغنی ان رسول اللّٰہ کان اذا افطر قال اللّٰھم لک صمت وعلی رزقک افطرت، رواہ ابوداؤد انتھی۔[6]

افطار کے وقت یہ کہنا چاہیے اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، کیوں کہ حضرت معاذ بن زھرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب افطار فرماتے تو کہتے اے اللہ! میں نے تیری خاطر روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، اسے ابوداؤد نے روایت کیا انتہی۔(ت)

اور رسالہ تعلیم الصیام میں ہے: معاذ بن زہرہ نے کہا حضرت (ﷺ) افطار کے وقت یوں کہتے تھے:

اللھم لك صمت وعلی رزقك افطرت، رواہ ابوداؤد مرسلا[7] انتھی۔

اے اللہ! میں نے تیری خاطر روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔ اسے ابوداؤد نے مرسلاً روایت کیا۔(ت)

اور شیخ عبد الحق قدس سرہٗ کی مدارج النبوۃ میں ہے:

و در وقتِ افطار فرمودے اللھم لك صمت[8] الخ انتھی۔

حضور اکرم ﷺ افطار کے وقت فرماتے، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا الخ انتہی۔(ت)

اور انھیں کی اشعۃ اللمعات میں حدیث معاذ بن زہرہ کے ترجمے میں ہے:

بود آں حضرت چوں افطار میں کردمی گفت اللھم لك صمت خداوندا برائے رضائے تو روزہ داشتہ ام وعلی رزقک افطرت و بر روزی تو کہ رسانید می کشادم روزہ را[9] انتہے۔

حضور ﷺ جب افطار کرتے، فرماتے اللھم لك صمت اے اللہ! میں نے تیری رضا کے لیے روزہ رکھا وعلی رزقک افطرت اور تیرے عطا کردہ رزق پر روزہ افطار کیا انتہی۔(ت)

اور بعض کہتے ہیں کہ اس دُعا کو بعد افطار کہے۔ چنانچہ مظاہر حق ترجمہ اردو مشکوٰۃ مؤلفہ جناب مولوی قطب الدین

5۔ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ، مولوی وحید الزمان۔

6۔ رسالہ ارکانِ اربعہ، بیان انہ لیستحب الافطار بالتمر، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ۔ ص: ۲۱۵۔

7۔ رسالہ تعلیم الصیام۔

8۔ مدارج النبوۃ، باب دہم در انواع عبادات، نوع چہارم در صوم، نوریہ رضویہ سکھر، ۱/ ۴۲۹۔

9۔ اشعۃ اللمعات، کتاب الصوم، فصل ثالث، نوریہ رضویہ سکھر، ۲/ ۸۴۔

مرحوم دہلوی میں ہے: ابن ملک نے کہا ہے کہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کلمات (یعنی اللھم لك صمت الخ) کو بعد افطار کہتے تھے انتہے۔ توان قولوں میں صحیح قول کون سا ہے؟ اور نیز اس میں کہ وقتِ افطار سے مراد قبل از افطار ہے اور پہلے قول اور اس قول کا مآل واحد ہے یا بعدِ افطار اور پچھلے قول اور اس قول کا مآل واحد ہے اور نیز اس میں کہ لفظ افطرت کا ترجمہ "افطار کرتا ہوں میں" جیسا کہ مؤلف نور الہدایہ ترجمہ اردو شرحِ وقایہ نے کیا ہے، صحیح ہے یا "افطار کیا میں نے" جیسا کہ شیخ قدس سرہٗ نے اشعۃ اللمعات میں کیا ہے، صحیح ہے؟ اور نیز اس میں کہ بر تقدیرِ صحتِ ترجمہِ ثانی کے، اِس دُعا کا بعد افطار ہونا ثابت ہوگا یا نہیں؟ اور نیز اس میں کہ زید تو کہتا ہے کہ حدیث کے لفظ اذا افطر قال اللھم لك صمت الخ (جب افطار کرتے تو فرماتے، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا الخ۔ت) میں اذا حرفِ شرط ہے، افطر جملہ فعلیہ شرط ہے، قال اپنے فاعل ضمیر مستتر اور اللھم لک الخ مقولہ کے ساتھ جزا ہے۔ اور عمرو کہتا ہے اذا حرفِ شرط، افطر شرط، اور فقط قال جزا۔ بس یہ کلام تو تمام ہوچکا اب اللھم لک صمت برأسہ اور نیز ایک دوسرا کلام ہے، قال سے اس کو کچھ تعلق نہیں تو دونوں میں صحیح قول کس کا ہے؟ اور نیز اس میں کہ زید تو کہتا ہے کہ اللھم لك صمت الخ دعا ہے اور عمرو کہتا ہے، نہیں، کیوں کہ دعا تو وہ کلام ہوتا ہے جو کہ متضمن مضمون طلب ہو، اور یہ ایسا نہیں تو دُعا بھی نہیں، تو دونوں میں صحیح قول کس کا ہے؟ اور نیز اس میں کہ لفظ عند ظرف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ظرف زمان بمعنی وقت ہے یا ظرف مکان بمعنی نزدیک اور پاس کے؟ اور نیز اس میں کہ مولانا بحر العلوم مرحوم کے قول وینبغی ان یقول عند الافطار کا ترجمہ "اور لائق ہے یہ کہ کہے وقت افطار کے" کرنا چاہیے یا "اور لائق ہے یہ کہ کہے نزدیک افطار کے" کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق مقتضائے دلیل یہ ہے کہ یہ دُعا روزہ افطار کرکے پڑھے۔ اولاً حدیث مذکور ابی داؤد کہ ابن السنی نے کتاب عمل الیوم واللیلہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں یُوں روایت کی:

عن معاذ بن زھرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افطر قال الحمد للہ الذی اعاننی فصمت ورزقنی فافطرت[10]۔

حضرت معاذ بن زہرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ پڑھتے: سب حمد اللہ کی جس نے میری مدد فرمائی کہ میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق عطا فرمایا کہ میں نے افطار کیا۔ (ت)

اور نیز ابن السنی نے کتاب مذکور اور طبرانی نے معجم کبیر اور دار قطنی نے سنن میں موصولاً یوں تخریج کی:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افطر قال اللّٰھم لک صمنا وعلٰی رزقک افطرنا

10۔ شعب الایمان، باب فی الصیام، حدیث ۳۹۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۳/ ۴۰۶۔

کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب مایقول اذا افطر، حدیث ۴۷۹، معارفِ نعمانیہ حیدر آباد، دکن، ص:۱۲۸۔

فتقبل منا انک انت السّمیع العلیم [11]۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ دُعا پڑھتے: اے اللہ! ہم نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، ہماری طرف سے قبول فرما، تُو سننے اور جاننے والا ہے۔(ت)

و نیز حدیثِ ابی داؤد و نسائی و دار قطنی و حاکم و غیر ہم:

عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالی عنہما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افطر قال ذھب الظمأ و ابتلت العروق ویثبت الاجر ان شاء اللّٰہ تعالیٰ [12]۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کرتے تو فرماتے: پیاس چلی گئی، رگیں تر ہو گئیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اجر ثابت ہو گیا۔(ت)

ان سب کا مفاد صریح یہی ہے افطر شرط اور قال کذا اس کی جزاء، مجرد قول کہ مقولے سے معرا کر لیا جائے، صلاحیتِ وقوع ہی نہیں رکھتا۔ ترتّب کہ لازم جزائیت ہے کہاں سے آئے گا، اللھم کو کلام مستانف قرار دینا ایک ایسی بات ہے کہ شرحِ مائۃ عامل خواں بھی قبول نہ کرے گا، اور جزا شرط سے مقدم نہیں ہوتی بل یعقبہ و یترتب علیہ کما لایخفی علی کل من لہ ادنی مسکۃ (بلکہ جزا شرط سے مؤخر اور اس پر مترتب ہوتی ہے جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح ہے جو اس فن کے ساتھ تھوڑا سا بھی تعلق رکھتا ہے۔ت) اور مقارنت حقیقیہ یہاں معقول نہیں کہ عین وقتِ افطار بالاکل والشرب یعنی جس وقت کوئی مطعوم حلق سے اتارا جائے عادۃً خاص اُس حالت میں قرأت نا متیسر، لاجرم تعقیب مراد، وھو المقصود۔ ہاں افطار بالجماع میں اقتران حقیقی مقصود مگر وہ یہاں قطعاً مراد نہیں کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) یہیں سے واضح ہوا کہ قولِ ثانی و ثالث کا مآل ایک ہی ہے اور نکتہ تعبیر اشعار بعدیت متصلہ ہے کہ لفظ بعد بعدیتِ منفصلہ کو بھی شامل اور وہ خلافِ مقصود ہے، لہٰذا بلفظ "وقت" تعبیر کہ نافی انفصال ہو، ہنگامِ استحالۂ مقارنہ اگرچہ معاقبہ تقدم و تاخّر دونوں کو متناول، مگر حالتِ مجازات مانع تقدم ہے، والہٰذا جہاں خارج سے تقدم معلوم، شرط میں تاویل ارادہ وغیرہ، معمول۔

کما فی قولہ عزوجل اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وفی حدیث کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء قال اللّٰھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث، رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن انس بن مالک رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ، اما ھھنا فحمل "افطر" علی الارادۃ، عدول عن الحقیقۃ من دون حاجۃ تحمل علیہ ولا صارف یدعوا الیہ فلا یفعل ولا یقبل۔

جیسا کہ اللہ عزوجل کے مبارک ارشاد میں ہے جب تم نماز کا ارادہ کرو تو چہرے کو دھولو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث

11۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب مایقول اذا افطر، حدیث ۴۸۰، معارفِ نعمانیہ حیدر آباد، دکن، ص:۱۲۸۔

سنن الدار قطنی، باب القبلۃ للصائم، حدیث ۲۱، نشر السنۃ، ملتان، ۲ / ۱۸۵۔

12۔ سنن ابی داؤد، باب القول عند الافطار، آفتاب عالم پریس، لاہور، ۱ / ۳۲۱۔

میں ہے: جب کوئی بیت الخلا میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو کہے، اے اللہ! میں ناپاک و خبیث سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اسے امام احمد اور ائمہ ستہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن مذکورہ صورت میں لفظ افطر کو ارادۂ افطار پر محمول کرنا بے ضرورت حقیقت سے اعراض ہے اور یہاں کوئی مجاز پر قرینہ بھی نہیں، لہٰذا ایسا نہ کیا جائے اور نہ اسے قبول کیا جائے۔(ت)

ثانیاً ان ادعیہ میں افطرت (میں نے افطار کیا)، افطرنا (ہم نے افطار کیا)، ذھب الظمأ (پیاس چلی گئی) ابتلت العروق (رگیں تر ہو گئیں) سب صیغے ماضی ہیں اور افطار باللفظ متصوّر نہیں کہ مثل عقود انشا مقصود ہو، لاجرم اخبار متعین، تو تقدیم علی الافطار میں یہ سب بھی ارتکابِ تجوز کے محتاج ہوں گے کہ خلافِ اصل ہے۔ والنصوص یجب حملھا علی ظواھرھا مالم تمس حاجۃ واین حاجۃ (جب تک کوئی مجبوری نہ ہو نصوص کو ظاہر ہی پر محمول کرنا چاہیے اور یہاں کوئی ضرورت و مجبوری نہیں۔ت) یہاں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ترجمۂ حضرت شیخ محقق نور اللہ مرقدہ الشریف ہی صحیح ہے اور "افطار کرتا ہوں" بلاوجہ حقیقت سے عدول۔ طرفہ یہ کہ اب بھی حاجتِ تجوز باقی۔

لما قدمنا من امتناع المقارنۃ فلابد من تاویل الحال بالاستقبال و بالارادۃ۔

کیوں کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا کہ یہاں مقارنت و اتصالی ممتنع ہے لہٰذا حال کو بمعنی استقبال اور افطار بمعنی ارادۂ افطار کیا جائے گا۔(ت)

ثالثاً مرسل ابن السنی و بیہقی میں لفظ الحمد للہ اور مؤید تاخیر کہ حمد بعد اکل معہود ہے جس طرح قبلِ اکل تسمیہ۔

رابعاً یہ تو ظاہر ہے اور شاید مدعیِ تقدیم کو بھی مسلّم ہو کہ یہ دُعائیں دن میں پڑھ لینے کی نہیں کہ ہنوز وقتِ افطار بھی نہ آیا، اب اگر عمرو بعد غروبِ شمس یہ دعائیں پڑھ کر افطار کرے اور زید بعد غروب فوراً افطار کر کے پڑھے تو دیکھنا چاہیے کہ اس میں کس کا فعل اللہ عزوجل کو زیادہ محبوب ہے، حدیث شاہد عادل ہے کہ فعل زید زیادہ پسندِ حضرت جل وعلا ہے کہ ربّ العزت تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

ان احبّ عبادی الیّ اعجلھم فطرا[13]، رواہ الامام احمد والترمذی و حسنہ وابنا خزیمۃ وحبان فی صحیحہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ربہ تعالٰی وتقدس۔

مجھے اپنے بندوں میں وہ زیادہ پیارا ہے جو اُن میں سب سے زیادہ جلد افطار کرتا ہے (اسے امام احمد اور ترمذی نے حسن کہا۔ ابنِ خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، اُنہوں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے اللہ تبارک وتعالےٰ سے ذکر کیا، یعنی یہ حدیثِ قدسی ہے۔ت)

شک نہیں کہ صورتِ مذکورہ میں زید کا افطار جلد تر ہوا تو یہی طریقہ زیادہ پسند و مرضیِ ربِّ اکبر ہوا جلّ جلالہٗ وعمّ نوالہٗ۔ یہ

13۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی تعجیل الافطار، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۱/ ۸۸۔

دوسرا مؤید ہے اس کا کہ وقت الافطار و بعد الافطار کا مآل واحد ہے کہ جب افطار غروبِ شمس کے بعد جلد ہو تو احب و افضل، اور مقارنت افطار و دعا، نامتیسر اور پیش از غروب، وقتِ افطار معدوم، تو وہی صورت بعدیت متصلہ ہی مقصود و مفہوم۔

خامسًا فعلِ اقدس حضورِ پُرنور سید المرسلین ﷺ بتانے والے بھی اسی کا انکار کرتے ہیں، عادتِ کریمہ تھی کہ قریبِ غروب کسی کو حکم فرماتے کہ بلندی پر جاکر آفتاب کو دیکھتا رہے، وہ نظر کرتا ہوتا اور حضورِ اقدس ﷺ اس کی خبر کے منتظر ہوتے۔ اُدھر اُس نے عرض کی کہ سورج ڈوبا، اِدھر حضورِ والا ﷺ نے خُرما وغیرہ تناول فرمایا۔

الحاکم وصححہ عن سھل بن سعد و الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھما وھذا حدیث سھل قال کان رسول اللہ ﷺ اذا کان صائما امر رجلا او فی علی نشز فاذا قال غابت الشمس افطر [14] ولفظ حدیث ابی الدرداء امر رجلا یقوم علٰی نشز من الارض فاذا قال قد وجبت الشمس افطر [15]، و فی کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ للامام العارف سیّدی عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ الربانی، کانت عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھا تقول رأیت رسول اللہ ﷺ وھو صائم یترصد غروب الشمس بتمرۃ فلما توارت القاھا فی فیہ [16]۔

حاکم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کرکے صحیح کہا اور طبرانی نے الکبیر میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حدیثِ سہل کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ جب روزہ دار ہوتے تو کسی شخص کو بلند جگہ پر جاکر چاند دیکھنے کا حکم فرماتے، جب وہ کہتا سورج ڈوب گیا ہے تو پھر افطار فرماتے۔ حدیث ابو الدرداء کے الفاظ یہ ہیں: کسی شخص کو حکم دیتے زمین کے اونچے مقام پر کھڑے ہوکر سُورج دیکھو، جب وہ کہتا سورج ڈوب گیا ہے تو آپ افطار فرماتے۔ کشف الغمہ عن جمیع الامہ للامام عارف سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ الرّبانی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان یوں منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو روزے کی حالت میں دیکھا۔ آپ کھجور پکڑے سورج کے غروب ہونے کا انتظار فرما رہے ہیں، جیسے ہی وُہ ڈوبا آپ نے کھجور منہ میں ڈال لی۔ (ت)

یہ تینوں حدیثیں بھی اُس تقدیمِ افطار کا پتا دیتی ہیں کہ اخبار و افطار میں اصلاً فصل نہ تھا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) لاجرم تصریح فرمائی کہ یہ دُعا افطار کے بعد واقع ہوئی۔ مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں زیرِ حدیثِ مذکور ابی داؤد فرماتے ہیں:

ان النبی ﷺ کان اذا افطر قال ای دعا و قال ابن الملک ای قرأ بعد الافطار [17] الخ۔

14۔ المستدرک للحاکم، کتاب الصوم، دارالفکر، بیروت، ۱/ ۴۳۴۔

15۔ مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی کبیر، دارالکتاب العربی، بیروت، ۳/ ۱۵۵۔

16۔ کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ، کتاب الصوم، دارالفکر، بیروت، ۱/ ۲۵۵۔

17۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب الصوم، مکتبۂ امدادیہ، ملتان، ۴/ ۲۵۸۔

رسالت مآب ﷺ جب افطار فرماتے تو کہتے یعنی دُعا فرماتے، ابن الملک نے کہا کہ آپ افطار کے بعد یہ کلمات پڑھتے۔ الخ (ت)

اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اللّٰھم لك صمت الخ دعا ہے، دُعا کے معنی پکارنا، اور اللّٰھم سے بہتر کون سا پکارنا ہوگا، بل کہ اسی مرقاۃ میں تصریح فرمائی کہ کل ذکر دعا و کل دعا ذکر[18] (ہر ذکر دعا ہے اور ہر دُعا ذکر ہے۔ ت)۔ صحیح بخاری شریف میں باب وضع کیا، باب الدعا بعد الصلاۃ (نماز کے بعد دُعا کے بارے میں باب) اور اسی میں حدیث لائے:

تسبحون فی دبر کل صلوۃ عشرا و تحمدون عشرا و تکبرون عشرا[19]۔

تم ہر نماز کے بعد دس دفعہ سبحان اللہ اور دس دفعہ الحمدللہ اور دس دفعہ اللہ اکبر کہو۔ (ت)

یونہی باب الدعا اذا ھبط وادیا (یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب کسی وادی میں اترے تو دُعا کرے۔ ت) میں حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا:

قال کنا اذا صعدنا کبرنا و اذا نزلنا سبحنا[20]۔

جب ہم اُوپر چڑھتے تو اللہ اکبر اور جب نیچے اُترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ (ت)

یوں ہی باب الدعا اذا اراد سفرا او رجع (یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب سفر کا ارادہ کرے یا سفر سے لَوٹے تو دعا کرے۔ ت) میں حدیث یکبر علی کل شرف[21] الخ (آپ ہر بلندی پر تکبیر کہتے۔ ت) لائے بلکہ خود حضور اقدس ﷺ نے احادیثِ کثیرہ میں ذکر کو دُعا فرمایا، صحیحین میں ہے:

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالی عنہ قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فکنا اذا علونا کبرنا فقال النبی ﷺ ایھا الناس اربعوا علی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولا غائبا ولکن تدعون سمیعا بصیرا[22]۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ہے ہم حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے، جب ہم بلند جگہ پر چڑھتے تو تکبیر کہتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اپنے آپ پر نرمی کرو کیوں کہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے، تم تو سننے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔ (ت)

جامع ترمذی میں ہے:

18۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، المکتبۃ الحمیدیہ، کوئٹہ، ۵/ ۱۳۵۔

19۔ صحیح بخاری، الدعا بعد الصلوٰۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۹۳۷۔

20۔ صحیح بخاری، باب التسبیح اذا ھبط وادیا، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۴۲۰۔

21۔ صحیح بخاری، باب الدعا اذا اراد سفرا، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۹۴۴۔

22۔ صحیح بخاری، باب الدعاء اذا علا عقبۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۹۴۴۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیر الدعاء دعاء یوم عرفۃ وخیر ما قلت انا والنبیون من قبلی لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر قال الترمذی حدیث حسن غریب[23] قال المناوی خیر ماقلت ای مادعوت[24]۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے بہتر دُعا یومِ عرفہ کی دُعا ہے اور سب سے بہتر یہ دُعا ہے جو مَیں نے اور مجھ سے پہلے انبیا نے مانگی: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک و حمد اسی کے لیے ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے، ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے، مناوی نے "خیر ما قلت" کا ترجمہ "جو میں نے دعا کی" کیا ہے۔(ت)

ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، ابنِ حبان، حاکم جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے راوی:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الذکر لا الہ الا اللّٰہ وافضل الدعاء الحمد للّٰہ[25]۔ حسنہ الترمذی وصححہ الحاکم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر ذکر لا الہ الا اللہ اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔ ترمذی نے اسے حسن کہا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔(ت)

معہٰذا کنایہ تصریح سے ابلغ ہے اللّٰھم لك صمت (اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا۔ت) کہنے والا اخلاص عبادت لوجہ للہ عرض کرتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان اللّٰہ لایضیع اجر المحسنین[26]۔ **اللہ تعالٰی کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔(ت)**

اور فرماتا ہے:

الصوم لی وانا اجزی بہ[27]۔ **(روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں۔ت)**

پھر علی رزقك افطرت (تیرے رزق پر میں نے افطار کیا۔ت) کہہ کر شکرِ نعمت بجالاتا ہے اور ربّ جل وعلا فرماتا ہے:

ولئن شکرتم لازیدنکم[28] **(اگر تم شکر کرو تو میں تمہارے لیے اضافہ کروں گا۔ت)**

23۔ جامع الترمذی، باب فی فضل لاحول ولا قوۃ، امین کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۲/ ۱۹۸۔

24۔ التیسیر شرح جامع صغیر، تحت حدیث خیر الدعاء، مکتبۃ الامام الشافعی، ریاض، ۱/ ۵۲۵۔

25۔ جامع ترمذی، باب ان دعوۃ المسلم مستجابۃ، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۲/ ۱۷۴۔

26۔ القرآن: ۹/ ۱۲۰۔

27۔ مشکوٰۃ، کتاب الصوم، الفصل الاول، مجتبائی دہلی، ص: ۱۷۳۔

28۔ القرآن: ۱۴/ ۷۔

اگر دو شخص بادشاہ کے درِ دولت پر حاضر ہوں، ایک عرض کرے اے بادشاہ! مجھے یہ دے دے۔ دوسرا عرض کرے، اے بادشاہ! میں تیرا فرمان سر آنکھوں سے بجالاتا ہوں اور تیرا ہی دیا کھاتا ہوں، انصاف کیجیے۔ حُسنِ طلب کس کا حصہ ہے۔

ااذکر حاجتی امر قد کفانی　　حیاؤک ان شیمتک الحیاء

اذا اثنی علیک المرء یوما　　کفاہ من توضک الثناء

کریما لا یغیرہ صباح　　عن الخلق الکریم ولا مساء

(کیا میں اپنی حاجت ذکر کروں یا آپ کی حیا ہی میرے لیے کافی ہے، جو آپ کا زیور ہے۔ جب کسی دن کسی نے آپ کی تعریف کی تو آپ کی ثنا کا روشن ہونا ہی اس کے لیے کافی تھا، ایسا کریم کہ صبح و شام مخلوق کو نوازتے ہوئے کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔)

بالجملہ قابل قبول و مؤید بالمعقول والمنقول وہی قولِ ثانی و ثالث ہے اور وقت الافطار و عند الافطار و بعد الافطار و ہنگام افطار و نزدیکِ افطار و پسِ افطار، سب کا حاصل ایک ہی ہے، نزدیک ترجمۂ عِنْدَ ہے اور عند خواہ ظرف مکان ہو کما افادہ فی الاتقان[29] الشریف (جیسا کہ اتقان شریف میں ہے۔ت) خواہ ظرف زمان و مکان دونوں کما نص علیہ فی القاموس[30] (جیسا کہ اس پر قاموس میں تصریح ہے۔ت) امتیاز بحسب مدخول علیہ ہو گا کما بینہ فی تاج العروس[31] (جیسا کہ اس کی تفصیل تاج العروس میں ہے۔ت) مگر شک نہیں کہ زمان، زمانی پر داخل ہو کر افادۂ قربِ زمان ہی کرے گا، کوئی عاقل نہ کہے گا کہ عند الصبح کا حاصل قرب مکان صبح ہے، اصل یہ کہ وضعِ عِنْدَ قربِ مطلق کے لیے ہے، حِسی ہو یا معنوی، کما صرح بہ فی مسلم الثبوت[32] وشرح الکافیۃ للرضی وغیرھا من المعتبرات (جیسا کہ مسلم الثبوت، شرح کافیہ للرضی اور دیگر معتبر کتب میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) مکانیات سے قربِ مکانی ہو گا، زمانیات سے قربِ زمانی، متعالی عن المکان والزمان سے قربِ مکانت، کما فی قولہ تعالیٰ عند ملیک مقتدر[33] (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں ہے: عظیم قدرت والے بادشاہ کے

29۔ الاتقان فی علوم القرآن، النوع الاربعون فی معرفۃ معانی الادوات، مصطفیٰ البابی، مصر، ۱/ ۱۶۵۔

30۔ القاموس المحیط، تحت فصل العین، باب الدال، مصطفیٰ البابی، مصر، ۱/ ۳۳۰۔

31۔ تاج العروس، تحت فصل العین، باب الدال، احیاء التراث العربی، بیروت، ۲/ ۳۵۔۴۳۴۔

32۔ مسلم الثبوت، مسائل ادویات التعلیق، مطبع انصاری، دہلی، ص:۶۸۔

33۔ القرآن: ۵۴/ ۵۵۔

حضور۔ت) تو نظر باصل معنی کہ عند لغت میں بمعنی جانب وناحیہ تھا۔ کما فی القاموس[34] (جیسا کہ قاموس میں ہے۔ت) اور اتحاد جہت مستلزم قرب، اور وہ ہنگام حقیقتِ قربِ مکانی کہ جہتِ حقیقیہ مختص بمکانیات ہے، اُسے ظرف مکان کہیں صحیح اور نظر بحال کہ یہ قربِ حسی ومعنوی سب کو شامل ہو کر زمانیات کو بھی متناول ہو گیا ظرف زمان ومکان دونوں کہیں بھی صحیح۔

ھذا ما ظھر لی ولہ استعمالات اخر منسلخ فیھا عن معنی الظرفیۃ کالحکم و الاعتقاد کقولک ھذا عند ابی حنیفۃ والفضل والاحسان کقولہ تعالٰی فان اتممت عشرا فمن عندک[35] وغیر ذلک کما ذکرہ الحریری فی درۃ الغواص لیس ھذا مقام تفصیلھا۔

یہ تمام وہ تھا جو مجھ پر آشکار ہوا اس کے دیگر استعمالات بھی ہیں جو معنی ظرفیت کے علاوہ ہیں، مثلاً حکم اور اعتقاد جیسا کہا جائے یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے یا بمعنی فضل واحسان کے مثلاً اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے "پس اگر تم دس مکمل کریں تو تمہارا احسان ہے"، اُن کے علاوہ دیگر معانی بھی ہیں جنہیں حریری نے درۃ الغواص میں ذکر کیا ہے لیکن یہ مقام تفصیل نہیں۔(ت)

معانی از قبیل ثانی ہیں اور افطار مجملہ معانی تو اس سے مراد وہی قربِ زمانی، ہر ذی عقل جانتا ہے کہ عند الافطار کے معنی حین الافطار ہیں نہ کہ فی مکان الافطار، ای مکان کان فیہ المفطر حین افطر والا فالافطار لیس مما یحل فی المکان (افطار کے وقت جہاں افطار کرنے والا ہو، ورنہ افطار خود مکان میں حلول نہیں کرتا۔ت) کیا آج اگر کسی شخص نے ایک جگہ روزہ افطار کیا اور چھ مہینے بعد آکر اس جگہ پر دُعائے مذکور پڑھ لے یا چار پہر تک وہیں بیٹھا رہا صبح کو دُعا پڑھے تو یقول عند الافطار (افطار کے وقت کہے۔ت) کا حکم ادا ہو گیا کہ آخر مکان تو وہی ہے، لاجرم ماننا پڑے گا کہ یہاں عند سے اتحادِ زمان ہی مفاد اور اتحاد سے وہی تعقیب متصل مراد، یہ سب واضحاتِ جلیلہ ہیں جن کی اضاحت گویا وقت کی اضاعت، مگر کیا کیجیے کہ بعد وہم واہم وورود سوال حاجتِ ازاحت۔

ان تقریرات سے بحمد اللہ تعالٰی تمام سوالوں کا جواب ہو گیا اور روشن طور پر منجلی ہوا کہ مقتضائے سنّت یہی ہے کہ بعد غروب جو خُرمے یا پانی وغیرہ پر قبل از نماز افطار معجل کرتے ہیں اُس میں اور علم بغروبِ شمس میں اصلاً فصل نہ چاہیے۔ یہ دعائیں اس کے بعد ہوں، ہاں کبھی افطار مقابلِ سحور اس کھانے کو کہتے ہیں جو صائم شام کو کھاتا ہے۔

ابن خزیمۃ فی صحیحہ ومن طریقہ البیھقی و ابو الشیخ بن حبان فی الثواب عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ یرفعہ الی النبی ﷺ فی فضائل شھر رمضان، قال من فطر فیہ صائما کان مغفرۃ لذنوبہ و عتق رقبتہ من النار، و کان لہ مثل

34۔ القاموس المحیط، تحت فصل العین، باب الدال، احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/ ۳۳۰۔

35۔ القرآن: ۲۸/ ۲۷۔

اجرہ من غیر ان ینقص من اجرہ شیئ، قالو یا رسول اللّٰہ لیس کلنا یجد مایفطر الصائم [36] الحدیث وفی روایۃ ابی الشیخ فقلت یارسول اللہ افرأیت من لم یکن ذٰلک عندہ؟ قال فقبضۃ من طعام، قلت افرأیت ان لم یکن عندہ، لقمۃ خبز قال فمذقۃ من لبن قال افرأیت ان لم یکن عندہ، قال فشربۃ من ماء [37] وفی حدیث ابی داؤد وغیرہ بسند صحیح عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان النبی ﷺ جاء الی سعد بن عبادۃ فجاء بخبز وزیت فاکل ثم قال النبی ﷺ افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکۃ [38] وفی لفظ افطرنا مرۃ مع رسول اللّٰہ فقربوا الیہ زیتا فاکل واکلنا حتی فرغ قال اکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکۃ وافطر عندکم الصائمون۔

ابنِ خزیمہ نے صحیح میں، اور اسی طریق سے بیہقی نے اور ابو الشیخ بن حبان نے الثواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے فضائلِ رمضان کے بارے میں مرفوعاً بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: جس نے کسی کا روزہ افطار کروایا اس کے گناہ معاف اور اس کی گردن جہنم سے آزاد ہو جائے گی اور اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہو گا اور روزہ دار کے اجر میں بھی کمی نہ ہو گی۔ صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو روزہ دار کو سیر ہو کر کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتے الحدیث۔ اور ابو الشیخ کی روایت میں ہے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس کے بارے میں کیا حکم ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو؟ فرمایا تو ایک مُٹھی طعام سہی۔ میں نے عرض کیا، اگر اس کے پاس روٹی کا ٹکڑا نہ ہو؟ فرمایا، دودھ کا گھونٹ۔ عرض کیا، اگر یہ بھی نہ ہو؟ فرمایا، پانی کا گھونٹ پیش کر دے۔ اور ابوداؤد وغیرہ میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سعد بن عبادہ کے پاس آئے، انہوں نے روٹی اور زیتون پیش کیا، آپ نے تناول کیا اور فرمایا تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا، تمہارا کھانا ابرار نے کھایا اور تم پر ملائکہ نے رحمت کی دُعا کی۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ایک دفعہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ افطاری کی۔ آپ کی خدمتِ اقدس میں زیتون پیش کیا گیا۔ آپ نے اور ہم سب نے تناول کیا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: تمہارے کھانے کو نیک لوگوں نے کھایا، تمہارے لیے ملائکہ نے دُعا کی اور تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا۔ (ت)

اِسی طعام شام سے پہلے ایک دُعا وارد ہوئی ہے، اُس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں:

36۔ صحیح ابنِ خزیمۃ، باب فضائل شہر رمضان، المکتب الاسلامی، بیروت، ۳/ ۱۹۲۔

37۔ کنز العمال بحوالہ حب، حدیث ۲۳۶۵۸، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۸/ ۴۶۰۔

الترغیب والترہیب بحوالہ ابن حبان فی کتاب الثواب، الترغیب فی اطعام الطعام، مصطفی البابی، مصر، ۲/ ۱۴۴۔

38۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، آفتاب عالم پریس، لاہور، ۲/ ۱۸۲۔

الدارقطنی فی الافراد عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا قرب الی احدکم طعامہ وھو صائم فلیقل، بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت وعلیک توکلت سبحنک وبحمدک تقبل منی انک انت السمیع العلیم[39]۔

امام دار قطنی نے افراد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تمہارے پاس کھانا لایا جائے اور تم حالتِ روزہ میں ہو تو یہ کلمات کہو: اللہ کے نام سے شروع، تمام حمد اللہ کے لیے ہے، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا اور تجھ پر توکل کیا، تیری ذات مقدس ہے اور حمد تیری ہے، مجھ سے قبول فرمالے، بے شک تُو سُننے والا اور جاننے والا ہے۔(ت)

حدیثِ طبرانی:

عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال کان النبی ﷺ اذا افطر قال بسم اللّٰہ اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت[40]۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب افطار فرماتے تو کہتے: "اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔" (ت)

میں کہ ظاہر تسمیہ مشعر تقدیم ہے، اگر افطار سے یہی طعامِ شام بمعنی مذکور مراد، جب تو امر واضح ہے، ورنہ وہ بسببِ شدّتِ ضعف قابلِ احتجاج نہیں، اس کی سند میں داؤد بن الزبرقان متروک ہے۔

قال فی التقریب التھذیب متروک و کذبہ الازدی اھ قلت و کذا الجوزجانی کما فی المیزان[41]۔

التقریب التہذیب میں ہے کہ یہ متروک ہے اور ازدی نے اسے کاذب کہا ہے اھ۔ میں کہتا ہوں جوزجانی نے بھی کہا ہے، جیسا کہ میزان میں ہے۔(ت)

یہ اس مسئلے میں آخر کلام ہے، امید کرتا ہوں کہ یہ تحقیق و تفصیل اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی، وللّٰہ الحمد وبہ التوفیق ایاہ نسأل ھدایۃ الطریق، واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---•••---•••---•••---

39۔ کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد، حدیث ۲۳۸۷۳، مکتبۃ التراث الاسلامی، حلب، ۸/ ۵۰۹۔

40۔ مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط، باب مایقول اذا افطر، دار الکتاب، بیروت، ۸/ ۱۵۶۔

41۔ تقریب التہذیب، تحت حرف الدال، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱/ ۲۷۹۔

اعتکاف

مسئلہ: از بلگرام شریف محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سیّد ابراہیم میاں صاحب قادری دامت برکاتہم ۲۳رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اعتکاف آخر عشرۂ رمضان شریف کا پورے دس روز میں ادا ہوتا ہے یا تین چار روز آخر میں بھی جائز ہے؟ ایک شخص کا بیان ہے کہ مقصود مشروعیت اعتکاف کے واسطے شرف ادراک لیلۃ القدر کی ہے یہ کامل دہے میں حاصل ہوگا، دوسرے شخص کا بیان ہے تین چار روز میں بھی جائز ہے ایسا دیکھا گیا ہے۔

الجواب

اعتکاف عشرۂ اخیرہ کی سنتِ مؤکدہ علٰی وجہ الکفایہ ہے، جس پر حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مواظبت ومداومت فرمائی پورے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف ہے، ایک روز بھی کم ہو تو سنّت ادا نہ ہوگی، ہاں اعتکافِ نفل کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے، اگرچہ بے روزہ ہو۔ ولہذا اچاہیے کہ جب نماز کو مسجد میں آئے نیتِ اعتکاف کرلے کہ یہ دوسری عبادت مفت حاصل ہوجائے گی،

درمختار میں ہے:

سنۃ مؤکدۃ فی العشر الاخیر من رمضان ای سنۃ کفایۃ کما فی البرھان وغیرہ۔[1]

رمضان کے آخری عشرہ میں سنتِ مؤکدہ ہے یعنی سنّتِ کفایہ ہے، جیسا کہ برہان وغیرہ میں ہے۔ (ت)

---

1 ۔ درمختار، باب الاعتکاف، مجتبائی دہلی، ۱/ ۱۵۶۔

اسی میں ہے:

واقلہ نفلا ساعۃ من لیل اونہار عند محمد، وھو ظاھر الروایۃ عن الامام لبناء النفل علی المسامحۃ وبہ یفتی والساعۃ فی عرف الفقہاء جزء من الزمان لا جزء من اربعۃ وعشرین کما یقولہ المنجمون کما فی غرر الاذکار وغیرہ۔[2]

امام محمد کے نزدیک کم سے کم نفلی اعتکاف دن و رات میں ایک گھڑی کا بھی ہو سکتا ہے اورامام اعظم سے بھی ظاہر الروایت میں ہے کیونکہ نفل کی بناء آسانی پر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، عرف فقہا میں ساعت کا مفہوم زمانے کا ایک جز ہے نہ کہ چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ جو کہ اہل توقیت کا مؤقف ہے، جیسا کہ غرر الاذکار وغیرہ میں ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الاعتکاف ینقسم الی واجب وھو المنذور تنجیزا اوتعلیقا والی سنۃ مؤکدۃ وھو اعتکاف العشر الاواخر من رمضان والی مستحب وھو ماسواھما۔[3]

اعتکاف واجب، سنتِ مؤکدہ اور مستحب پر منقسم ہے، واجب جس کی نذر مانی گئی ہو خواہ فی الفور یا معلق ہو، اور سنّتِ مؤکدہ وہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے اور مستحب جو ان مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

المسنون ھو اعتکاف العشر بتمامہ،[4] واللہ تعالٰی اعلم۔

سنّت اعتکاف وُہ رمضان کا پورا عشرہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

2 ۔ در مختار، باب الاعتکاف، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۵۷۔۱۵۶۔

3 ۔ فتح القدیر باب الاعتکاف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۰۵۔

4 ۔ ردالمحتار باب الاعتکاف مصطفٰے البابی مصر ۲/ ۱۴۳۔

شوّال المکرّم

مشمولات	صفحہ نمبر
☆ سُرُوْرُ الْعِيْدِ السَّعِيْدِ فِيْ حِلِّ الدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعِيْدِ	251
☆ وِشَاحُ الْجِيْدِ فِيْ تَحْلِيْلِ مُعَانَقَةِ الْعِيْدِ	299

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کو

سالنامہ "معارفِ رضا" کی اشاعت اور

۳۰ویں سالانہ امام احمد رضا کانفرنس کے انعقاد پر

دل کی گہرائیوں سے

مبارک باد

من جانب

الحاج رفیق احمد برکاتی

سرور العید السعید

فـــــی

حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید

۱۳۳۹ھ

(نمازِ عید کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگنے کا ثبوت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاویٰ کی جلد ثانی میں یہ امر تحریر فرمایا ہے کہ بعد دوگانہ عیدین یا بعد خطبۂ عیدین دُعا مانگنا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کسی طرح ثابت نہیں اب وہابیہ نے اس پر بڑا غل شور کیا ہے دعائے مذکور کو ناجائز کہتے اور مسلمانوں کو اس سے منع کرتے اور تحریر مذکور سے سند لاتے ہیں کہ مولوی عبدالحی صاحب فتویٰ دے گئے ہیں ان کی ممانعتوں نے یہاں تک اثر ڈالا کہ لوگوں نے بعد فرائض پنجگانہ بھی دعا چھوڑ دی اس بارے میں حق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجــــــــــــــــــــــــــــواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥ الحمد للہ الذی حبّبنا العید وجعلہ مقربا لکل بعید وامرنا بالدعاء فی الیوم السعید ووعدنا بالاجابۃ فی الکلام الحمید والصلٰوۃ والسلام علی من وجھہ عید ولقاؤہ عید ومولدہ عیدٌ وای عید وعلٰی اٰلہ الکرام وصحبہ العظام مادعا اللہ فی العید عبد سعید وتعانق النور والسرور غداۃ العید واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ من یوم اٰبدٍ اَاِلی یوم یعید اٰمین اٰمین یا عزیز یا مجید ط

اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن ورحیم ہے سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمارے لئے عید کو محبوب بنایا اور اسے ہر بعید کو قریب کرنے والا بنایا، یومِ سعید میں دعا کا حکم دیا، کلامِ حمید میں قبولیت کا وعدہ فرمایا، اور صلوٰۃ وسلام ہو اس ذاتِ اقدس پر جس کا چہرہ عید، دیدار عید، میلاد عید ہے۔ آپ کی آل محترم اور صحابہ عظام پر بھی جب تک کوئی عبد سعید، عید کے موقعہ پر دعا کرنے والا ہے اور جب تک عید کی صبح کو نور وسرور باہم پائے جائیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں آپ کی ذات، آل اور صحابہ پر درود وسلام ابتدائی دن سے لے کر آخری دن تک ہو، اے غالب اے صاحبِ مجد! دعا قبول فرما دعا قبول فرما۔(ت)

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ حق اور صواب کی ہدایت عطا فرمادے۔ت) نمازِ عیدین کے بعد دعا حضراتِ عالیہ تابعین عظام ومجتہدین اعلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت،

قال الفقیر عبد المصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفر اللہ لہ وحقق املہ انبانا المولی عبد الرحمٰن السراج المکی مفتی بلد اللہ الحرام ببیتہ عند باب الصفالثمان بقین من ذی الحجۃ سنۃ خمس وتسعین بعد الالف والمائتین فی سائر مرویاتہ الحدیثیۃ والفقھیۃ وغیر ذلك عن جمۃ زمانۃ جمال بن عبد اللہ بن عمر المکی عن الشیخ الاجل عابد السندی عن عمہ محمد حسین الانصاری اجازنی بہ الشیخ عبد الخالق بن علی المزجاجی قرأۃ علی الشیخ محمد بن علاء الدین المزجاجی عن احمد النخلی عن محمد الباھلی عن سالم السنوری عن النجم الغیطی عن الحافظ زکریا الانصاری عن الحافظ ابن حجر العسقلانی انابہ ابوعبد اللہ الجریری انا قوام الدین الاتقانی انا البرھان احمد بن سعد بن محمد البخاری والحسام السغناقی قالا ابنانا حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری ھو حافظ الدین الکبیر ابنانا الامام محمد بن عبد الستار الکردری ابنانا عمر بن الکریم الورسکی انا عبد الرحمٰن بن محمد الکرمانی انا ابوبکر محمد بن الحسین بن محمد ھو الامام فخر القضاۃ الارشابندی انا عبد اللہ الزوزنی انا ابوزید الدبوسی انا ابوجعفر الاستروشنی ح وابنأنا عالیا[1] باربع درج شیخی وبرکتی و

---

1 ۔ انظر الی لطافۃ ھذا السند الجلیل وجلالۃ شأنہ فان رجالہ کلھم من سیدنا الشیخ الی صاحب المذھب الامام الاعظم جمیعا من اجلۃ اعلام الحنیفۃ وماھیرھم واکثرھم اصحاب تالیفات فی المذھب ۱۲منہ(م)

اس سند جلیل کی لطافت اور شانِ جلالت میں غور کرو کہ اس کے رجال سیدنا شیخ سے صاحبِ مذہب امام اعظم تک سارے کے سارے معروف و

ولی نعمتی ومولائی وسیدی وذخری وسندی لیومی وغدی سیدنا الامام الهمام العارف الاجل العالم الاکمل السید اٰل الرسول الاحمدی الامارهری رضی الله تعالٰی عنه وارضاه وجعل الفردوس متقبله ومثواه لخمس خلت من جمادی الاولٰی سنة اربع وتسعین بداره المطهرة بمارهرة المنورة فی سائر مایجوزله روایته عن استاذه عبد العزیز المحدث الدهلوی عن ابیه عن الشیخ تاج الدین القلعی مفتی الحنفیة عن الشیخ حسن العجمی عن شیخ خیر الدین الرملی عن الشیخ محمد بن سراج الدین الحانوتی عن احمد بن الشبلی عن ابراهیم الکرکی یعنی صاحب کتاب الفیض عن امین الدین یحیٰی بن محمد الاقصرائی عن الشیخ محمد بن محمد البخاری الحنفی یعنی سیدی محمد پارسا صاحب فصل الخطاب عن الشیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن علی البخاری الطاهری عن الامام صدر الشریعة یعنی شارح الوقایه عن جده تاج الشریعة عن والده صدر الشریعة عن والده جمال الدین المحبوبی عن محمد بن ابی بکر البخاری عرف بامام زاده عن شمس الائمة الزرنجری عن شمس الائمة الحلوانی کلاهما عن الامام الاجل ابی علی النسفی امام الحلوانی فقالا عن ابی علی وکذلك عنعن الی نهایة الاسناد واما الاستروشنی فقال انا ابوعلی الحسین بن خضر النسفی انا ابوبکر محمد بن الفضل البخاری هو الامام الشهیر بالفضل انا ابو محمد عبد الله بن محمد بن یعقوب الحارثی یعنی الاستاذ السند مونی انا عبد الله محمد بن ابی حفص الکبیر انا ابی انا محمد بن الحسن الشیبانی اخبرنا ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم قال کانت الصلٰوة فی العیدین قبل الخطبة ثم یقف الامام علی راحلته بعد الصلٰوة فیدعو ویصلی بغیر اذان ولا اقامة۔[2]

فقیر عبد المصطفیٰ احمد رضا محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی (اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے اور اس کی امید برلائے) کہتا ہے کہ ہمیں شیخ عبد الرحمٰن السراج مکی مفتی بلد اللہ الحرام نے بابِ صفا کے پاس اپنے گھر ۲۲ ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ کو اپنی تمام مرویات کی اجازت دی خواہ وہ حدیث کی صورت میں تھیں یا فقہ کی صورت میں یا اس کے علاوہ تھیں انہیں مرویات کی اجازت حجتِ زمانہ جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی نے دی انہیں شیخ اجل عابد سندی نے انہیں ان کے چچا محمد حسین انصاری نے دی، اس نے کہا مجھے ان کی اجازت شیخ عبد الخالق بن علی مزجاجی نے، انہیں شیخ محمد بن علاء الدین مزجاجی سے قرأۃ کے طور،

مشہور حنفی ہیں اور ان میں سے اکثر اصحاب کی مذہب میں تالیفات موجود ہیں ۱۲ منہ (ت)

2۔ کتاب الآثار للامام محمد، باب صلوٰۃ العیدین، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ص ۴۱۔

انہیں احمد نخلی نے انہیں محمد بابلی نے انہیں سالم سنوری نے انہیں نجم غیطی نے انہیں حافظ زکریا انصاری نے انہیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے انہیں ابو عبد اللہ جریری نے انہیں قوام الدین اتقانی نے انہیں برہان احمد بن سعد بن محمد البخاری اور حسام السفتانی نے انہیں حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاری نے، یہی حافظ الدین کبیر ہیں انہیں محمد بن عبد الستار الکردری نے انہیں عمر بن عبد الکریم الورسکی نے انہیں عبد الرحمٰن بن محمد الکرمانی نے انہیں ابو بکر محمد بن الحسین بن محمد نے جو فخر القضاۃ الاشار بندی نے انہیں عبد اللہ الزوزنی نے انہیں ابوزید الدبوسی نے انہیں ابو جعفر الاستروشنی نے "دوسری سند" جو چار درجے عالی ہے میرے شیخ، میری برکت، میرے ولیِ نعمت، سیدی ذخری آج وکل کے لئے میرا اعتماد سیدنا امام ہمام عارف اجل العالم الاکمل السید آل رسول الاحمدی المارہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں بنائے) نے مارہرہ منورہ میں اپنے آستانے پر ۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ کو تمام روایات کی اجازت دی جو انہیں ان کے استاد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنے والد گرامی سے انہیں شیخ تاج الدین القلعی مفتی حنفیہ نے انہیں شیخ حسن عجمی نے انہیں شیخ خیر الدین رملی نے انہیں شیخ محمد بن سراج الدین الحانوتی نے انہیں احمد بن شبلی نے انہیں ابراہیم الکرکی صاحبِ کتاب الفیض نے انہیں امین الدین یحییٰ بن محمد قصرائی نے انہیں شیخ محمد بن محمد البخاری الحنفی یعنی سیّدی محمد پارسا صاحبِ فصل الخطاب نے انہیں شیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن علی بخاری طاہری نے انہیں امام صدر الشریعۃ یعنی شارح الوقایہ نے انہیں ان کے جد تاج الشریعۃ نے اپنے والد صدر الشریعۃ سے انہیں ان کے والد جمال الدین محبوبی نے انہیں محمد بن ابی بکر بخاری المعروف امام زادہ نے انہیں شمس الائمہ الزرنجری نے انہیں شمس الائمہ حلوانی نے اور ان دونوں نے امام اجل ابو علی نسفی سے ان دونوں نے کہا عن ابی علی، اسی طرح انہوں نے تمام سند کو عن کے ساتھ بیان کیا، استروشنی نے کہا ہمیں ابو علی الحسین بن خضر النسفی انہیں ابو بکر محمد بن الفضل بخاری اور یہ امام فضل کے ساتھ مشہور ہیں انہیں ابو محمد عبد اللہ بن محمد یعقوب الحارثی یعنی الاستاذ السند مونی انہیں عبد اللہ محمد بن ابی حفص الکبیر انہیں ان کے والد نے انہیں محمد بن حسن الشیبانی نے انہیں امام ابو حنیفہ نے انہیں حماد نے انہیں ابراہیم نے بیان کیا کہ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ادا ہوتی پھر نماز کے بعد امام سواری پر کھڑے ہو کر دعا کرتا تھا، نماز اذان واقامت کے بغیر ہوتی تھی۔ (ت)

یعنی سیّدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں مجھے امام اعظم امام الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام اجل حماد بن ابی سلیمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خبر دی کہ امام المجتہدین امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا نمازِ عیدین خطبہ سے پہلے ہوتی تھی پھر امام اپنے راحلہ پر وقوف کر کے نماز کے بعد دعا مانگتا اور نماز بے اذان واقامت ہوتی، یہ امام ابراہیم نخعی قدس سرہ خود اجلۂ تابعین سے ہیں تو یہ طریقہ کہ انہوں نے روایت فرمایا لا اقل اکابر تابعین کا معمول تھا تو نمازِ عیدین کے بعد دعا مانگنا ائمۂ تابعین کی سنت ہوا اور پُر ظاہر کہ راحلہ پر وقوف وعدم وقوف سنّتِ دعا کی نفی نہیں کر سکتا کما لا یخفی، پھر ہمارے امام مجتہد سیّدنا امام محمد اعلی اللہ درجاتہ - فی دار الابد نے کتاب الآثار شریف میں اس حدیث کو روایت فرما کر مقرر

رکھا اور ان کی عادت کریمہ ہے جو اثر اپنے خلاف مذہب ہوتا ہے اُس پر تقریر نہیں فرماتے تو حنفیہ اہل عقیدۂ مضمون و وہابیہ اہلِ تثلیث قرون، دونوں کے حق میں جوابِ مسئلہ اسی قدر بس ہے مگر فقیر غفرلہ الولی القدیر ایضاح مرام و اتمام کلام کے لئے اس مسئلہ میں مقال کو دو ۲ عید پر منقسم کرتا ہے:

عیدِ اوّل میں قرآن وحدیث سے اس دعا کی اجازت اور ادعائے مانعین کی غلطی وشناعت۔

عیدِ دوم فتوائے مولوی لکھنوی سے اسناد پر کلام اور اوہام مانعین کا ازالہ تام والعون من اللہ ولی الانعام (مدد اللہ کی جو انعام عطا کرنے والا ہے۔ت)

العید الاول وعلی فضل اللہ المعول (عید اول، اور اللہ ہی کے فضل پر بھروسا ہے۔ت) ظاہر ہے کہ شرع مطہر سے اس دعا کی کہیں ممانعت نہیں اور جس امر سے شرع نے منع نہ فرمایا ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا، جو ادعائے منع کرے اثباتِ ممانعت اس کے ذمّہ ہے جس سے اِن شاء اللہ تعالیٰ کبھی عہدہ برآنہ ہوسکے گا بقاعدۂ مناظرہ ہمیں اسی قدر کہنا کافی، اور اسانید سائل کا مژدہ لیجیے تو جو کچھ قرآن وحدیث سے قلبِ فقیر پر فائز ہوا بگوشِ ہوش استماع کیجئے۔

فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اللہ ہی کی توفیق ہے اور اس سے تحقیق تک وصول ہوتا ہے۔ت) **اولاً** قال المولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ:

فاذا فرغت فانصبo والیٰ ربك فارغبo[3]

جب تو فراغت پائے تو مشقت کر اور اپنے رب کی طرف راغب ہو۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں اصح الاقوال قول حضرت امام مجاہد تلمیذ رشید سلطان المفسرین حبر الامۃ عالم القرآن حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے کہ فراغ سے مراد نماز سے فارغ ہونا اور نصب دعا میں جدوجہد کرنا ہے یعنی باری عزوجل حکم فرماتا ہے جب تو نماز پڑھ چکے تو اچھی طرح دعا میں مشغول ہو اور اپنے رب کے حضور الحاح وزاری کر۔ تفسیر شریف جلالین میں ہے:

فاذا فرغت من الصلٰوۃ فانصب "اتعب فی الدعاء، والی ربك فارغب "تضرع"۔[4]

جب تو نماز سے فارغ ہو تو دعا میں تعب اور مشقت کر اور اپنے رب کے سامنے تضرع وزاری بجالا۔

خطبۂ جلالین میں ہے:

ھذا تکملۃ تفسیر الامام جلال الدین المحلی علی نمطہ من الاعتماد علی ارجع الاقوال وترك

---

3 ۔ القرآن ۹۴/ ۷،۸۔

4 ۔ جلالین کلاں، سورۃ الانشراح میں مذکور ہے، مطبوعہ اصح المطابع دہلی ہند، ۲/ ۵۰۲۔

التطویل بذکر اقوال غیر مرضیۃ[5] اھ ملخصاً

یہ تفسیر امام جلال الدین محلی کا تکملہ ہے جو انہیں کے طریقہ پر ہے یعنی راجح اقوال پر اعتماد اور اقوال ضعیفہ کے ذکر سے بچتے ہوئے اھ ملخصاً (ت)

علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

ھو الصحیح فقد اقتصر علیہ الجلال وقد التزم الاقتصار علی ارجح الاقوال[6]۔

یہی صحیح ہے اسی پر جلال نے اکتفاء کیا ہے حالانکہ انہوں نے یہ التزام کرر کھا ہے کہ راجح اقوال ذکر کریں گے۔ (ت)

اور پُر ظاہر ہے کہ آیۂ کریمہ مطلق ہے اور باطلاقہا نماز فرض وواجب ونفل سب کو شامل تو بلاشبہ نماز عیدین بھی اس پاک مبارک حکم میں داخل، یونہی احادیث سے بھی ادبار صلوات کا مطلقاً محلِ دعا ہونا مستفاد، ولہٰذا علماء بشہادت حدیث نماز مطلق کے بعد دعا مانگنے کو آداب سے گنتے ہیں، امام شمس الدین محمد ابن الجزری حصن حصین اور مولانا علی قاری اس کی شرح حرز ثمین میں فرماتے ہیں:

والصلٰوۃ ای ذات الرکوع والسجود والمراد ان یقع الدعاء المطلوب بعدھا۔[7]

یعنی آداب سے ہے کہ مطلب کی دعا بعد نماز ذات رکوع و سجود واقع ہو۔

پھر فرمایا:

عہ حب مس ای رواہ الاربعۃ وابن حبان والحاکم کلھم من حدیث الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[8]

یعنی یہ ادب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے جسے ابوداؤد ونسائی وترمذی وابنِ ماجہ وابن حبان وحاکم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اقول یونہی یہ حدیث ابن السنی و بیہقی کے یہاں مروی اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی مذکور، امام ترمذی نے اس کی تحسین کی۔ ظاہر ہے کہ نماز ذات رکوع و سجود، نماز جنازہ کے سوا ہر نماز فرض وواجب ونافلہ کو شامل جن میں نمازِ عیدین بھی داخل۔

5۔ جلالین کلاں، خطبۃ الکتاب، مطبوعہ اصح المطابع دہلی ہند، ۲/ ۵۰۲۔

6۔ شرح الزرقانی علی المواہب الدنیۃ، المقصد الثانی فی اسمائہ، طبوعہ مصر، ۳/ ۱۹۵۔

7۔ حواشی حصن حصین، آداب الدعاء حاشیہ ۲۱، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ، ص۹۔

8۔ حواشی حصین حصین، آداب الدعاء حاشیہ ۲۲، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ، ص۹۔

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) اصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ وجہ رضائے مولیٰ جل وعلا ہوتے ہیں اور رضائے مولیٰ تبارک وتعالیٰ موجب اجابتِ دعا اور اس کا محمل عمل صالح سے فراغ پاکر کما قال تعالیٰ فاذا فرغت فانصب[9] (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پس جب آپ فارغ ہوں تو مشقت کرو۔ت) ولہذا حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الم ترالی العمال یعملون فاذا فرغوا من اعمالھم وفوا اجورھم۔[10] رواہ البیھقی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما فی حدیث طویل۔

کیا تو نے نہ دیکھا کہ مزدور کام کرتے ہیں جب اپنے عمل سے فارغ ہوتے ہیں اُس وقت پوری مزدوری پاتے ہیں۔ اسے بیہقی نے حدیث طویل کی صورت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

العامل انما یوفی اجرہ اذا قضی عملہ۔[11] رواہ احمد والبزار والبیھقی وابوالشیخ فی الثواب عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث۔

عامل کو اسی وقت اجرِ کامل دیا جاتا ہے جب عمل تمام کرلیتا ہے۔ اسے امام احمد، بزار، بیہقی اور ابوالشیخ نے ثواب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

توسائل کے لئے بیشک بہت بڑا موقعِ دعا ہے کہ مولیٰ کی خدمت وطاعت کے بعد اپنی حاجات عرض کرے ولہذا وارد ہوا کہ ہر ختمِ قرآن پر ایک دعا مقبول ہے بیہقی وخطیب وابونعیم وابن عساکر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ۔[12]

ہر ختم کے ساتھ ایک دعا مستجاب ہے۔

طبرانی معجم کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ختم القراٰن فلہ دعوۃ مستجابۃ۔[13]

9۔ القرآن ۹۴/ ۷۔

10۔ شعب الایمان، باب فی الصیام، حدیث ۳۶۰۳، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۲/ ۳۰۳۔

11۔ مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۲/ ۲۹۲۔

12۔ شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن حدیث ۲۰۸۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۲/ ۳۷۴۔

جو قرآن ختم کرے اس کے لئے ایک دعامقبولہ ہے۔

اسی لئے روزہ دار کے حق میں ارشاد ہوا کہ افطار کے وقت اس کی ایک دعا رد نہیں ہوتی۔ امام احمد مسند اور ترمذی بافادہ تحسین جامع اور ابنائے ماجہ وحبان وخزیمہ اپنی صحاح اور بزار مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لا ترد دعوتهم الصائم حين يفطر [14] الحديث۔

تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی ایک ان میں روزہ دار جب افطار کرے۔ الحدیث

ابن وماجہ وحاکم حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان للصائم عند فطره لدعوة ما ترد۔ [15]

بیشک روزہ دار کے لئے وقتِ افطار بالیقین ایک دعا ہے کہ رد نہ ہوگی۔

امام حکیم ترمذی حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لكل عبد صائم دعوة مستجابة عند افطاره اعطيها في الدنيا او ذخر له في الآخرة۔ [16]

ہر روزہ دار بندے کے لئے افطار کے وقت ایک دعا مقبول ہے خواہ دنیا میں دے دی جائے یا آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ رکھی جائے۔

وفی الباب احادیث اُخر اور بالیقین یہ فضیلت روزہ فرض و واجب ونفل سب کو عام کہ نصوص میں قید وخصوص نہیں۔ ولہذا امام عبد العظیم منذری نے دو حدیث پیشین کو الترغیب فی الصوم مطلقاً میں ایراد فرمایا، اور علامہ مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر میں زیر حدیث باب مروی عقیلی وبیہقی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد لفظ دعوۃ الصائم (روزہ دار کی دعات) کے ولو نفلا [17] (اگرچہ وہ نفلی روزہ ہوت) تحریر کیا تو بلا شبہ نماز بھی کہ افضل اعمال

13۔ المعجم الکبیر، مروی از عرباض بن ساریہ، حدیث ۶۴۷، مطبوعہ فیصلیہ بیروت، ۱۸/ ۲۵۹۔

14۔ سنن ابنِ ماجہ، باب فی الصائم لا ترد دعوتہ الخ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص۱۲۶۔

15۔ سنن ابنِ ماجہ، باب فی الصائم لا ترد دعوتہ الخ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص۱۲۶۔

16۔ نوادر الاصول، الاصل الستون فی ان للصائم دعوۃ الخ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ص ۸۳۔

17۔ تیسیر شرح الجامع الصغیر، حدیث ثلاث دعوات مستجابات، مکتبۃ الامام الشافعی الریاض، ۱/ ۴۶۷۔

واعظم ارکانِ اسلام اور روزے سے زائد موجب رضائے ذوالجلال والاکرام ہے یونہی اپنے عموم واطلاق پر رہے گی اور بعد فراغ محلیت دعا صرف فرائض سے خاص نہ ہوگی، اور کیونکر خاص ہو حالانکہ خود حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا حکم دیا اور فرمایا: جو ایسا نہ کرے اُس کی نماز ناقص ہے۔ ترمذی ونسائی وابن خزیمہ حضرت فضیل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور احمد وابوداؤد وابن ماجہ حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلٰوۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیك یقول ترفعھما الی ربك مستقبلا ببطونھما وجھك وتقول یارب یارب من لم یفعل ذلك فھی کذا وکذا۔[18]

یعنی نماز نفل دو دو رکعت ہے ہر دو رکعت پر التحیات اور خضوع وزاری وتذلّل، پھر بعد سلام دونوں ہاتھ اپنے رب کی طرف اٹھا اور ہتھیلیاں چہرے کے مقابل رکھ کر عرض کر اے میرے رب اے رب میرے جو ایسا نہ کرے تو وہ نماز چنیں وچناں یعنی ناقص ہے۔

مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مصرحاً آیا:

فمن لم یفعل ذلك فھو خداج[19]

جو ایسا نہ کرے اس کی نماز میں نقصان ہے۔

علامہ طاہر تکملۂ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

فیہ ثم تقنع یدیك وھو عطف علی محذوف ای اذا فرغت منھما فسلم ثم ارفع یدیك سائلا فوضع الخبر موضع الامر۔[20]

پھر ہتھیلیاں چہرے کے مقابل کرے اس کا عطف محذوف پر ہے یعنی جب ان دو رکعتوں سے فارغ ہو اور سلام کہے تو دعا کے لئے ہاتھ بلند کرے یہاں خبر امر کی جگہ مذکور ہے۔(ت)

تیسیر میں ہے:

ای اذا فرغت منھما فسلم ثم ارفع یدیك فوضع الخبر موضع الطلب[21] الخ

18 ۔ جامع الترمذی، باب ماجاء فی التخشع فی الصلوٰۃ، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱/ ۵۰و۵۱۔

19 ۔ مسندِ احمد بن حنبل، حدیث مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۴/ ۱۶۷۔

20 ۔ تکملہ بحار الانوار ملحق بمجمع البحار، تحت لفظ قنع، مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ، ص۱۴۷۔

21 ۔ تیسیر شرح الجامع الصغیر، حدیث صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی، الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۲/ ۹۹۔

یعنی جب ان دو رکعات سے فارغ ہوں پس سلام کہے پھر ہاتھ اٹھائے یہاں خبر، طلب کی جگہ ہے الخ (ت)

لاجرم جبکہ حصن حصین میں اس حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف برمز ترمذی ونسائی نے اشارہ کیا کہ قلنا یارسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاٰخر ودبر الصلوات المکتوبات[22] (ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے، فرمایا رات کے نصف اخیر میں اور فرض نمازوں کے بعد) مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اس کی شرح میں لکھا:

دبر الصلوات المکتوبات ای عقیب الصلوات المفروضات والتقیید بھا لکونھا افضل الحالات فھی ارجی لاجابۃ الدعوات [23]

دبر الصلوات المکتوبات کے یہ معنی کہ فرض نمازوں کے بعد، اور ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ وہ سب حالتوں سے افضل ہیں تو ان میں امیدِ اجابت زیادہ ہے۔

دیکھو صاف صریح ہے کہ نماز کے بعد محلیتِ دعا کچھ فرضوں ہی سے خاص نہیں بلکہ ان میں بوجہ افضلیت زیادہ خصوصیت ہے اور سائلین نے خود یہی پوچھا تھا کہ سب میں زیادہ کون سی دعا مقبول ہے لہذا اُن کی تقیید فرمائی گئی، بالجملہ جب تخصیصِ فرائض باطل ہو چکی تو اخراجِ واجبات پر کوئی دلیل نہیں بلکہ ان پر دلائل مطلقہ کے سوا حدیث نافلہ بر سبیل اولویت ناطق، کہ جب ادبار نوافل تک محلِ دعا و مظنہ اجابت ہیں تو واجبات کہ ان سے اعلیٰ واعظم اور ارضائے الٰہی میں اوفر واتم ہیں کیونکر اس فضل سے خارج ہوں گے ھل ھذا الا ترجیح المرجوح (یہ ترجیح مرجوح کے سوا کچھ نہیں۔ت)

ثم اقول بلکہ واقع ونفس الامر کو لحاظ کیجئے تو فریضہ ونافلہ کے لئے ثبوت، خاص بعینہ واجبات کے لئے ثبوت خاص ہے کہ واجب حقیقۃً کوئی تیسری چیز نہیں بلکہ انہیں دو طرفوں سے ایک میں ہے جسے شبہہ فی الثبوت نے مجتہد کے نزدیک ایک امر متوسط کر دیا صاحبِ شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کے حضور روایۃً ودرایۃً ظنون وشبہات کو بار نہیں اگر اس کے نزدیک شئ مطلوب فی الشرع حقیقۃً مامور بہ ہے قطعاً فرض ورنہ یقیناً نافلہ، لاثالث لھما (ان دو کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں۔ت) تلویح میں زیر قول تنقیح فصل فی افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمنھا مایقتدی بہ وھو مباح ومستحب وواجب وفرض (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ افعال قابل اقتداء مباح، کچھ مستحب، کچھ واجب اور کچھ فرض ہیں۔ت) تحریر فرمایا:

22۔ حصن حصین، اوقات الاجابۃ، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند، ص ۲۲

جامع الترمذی، ابواب الدعوات، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۸۸۔

23۔ حواشی حصن حصین، صفحہ مذکورہ کا حاشیہ ۱۶، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند، ص ۱۴۔

ان فعله علیه الصلٰوة والسلام بالنسبة الینا یتصف بذلك بان جعل الوتر واجبا علیه لامستحبا اوفرضا والا فالثابت عنده بدلیل یکون قطعیا لا محالة حتی قیاسه واجتهاده ایضا قطعی۔[24] الخ

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال ہماری نسبت ان سے متصف ہیں مثلاً وتر آپ پر واجب تھے نہ کہ مستحب یا فرض، ورنہ آپ کے ہاں دلیل سے ثابت شدہ امر یقیناً قطعی ہوگا حتی کہ آپ کا قیاس واجتہاد بھی قطعی ہے الخ (ت)

امام محقق علی الاطلاق امامۃ الفتح میں فرماتے ہیں:

اللزوم یلاحظ باعتبارین باعتبار صدوره من الشارع وباعتبار ثبوته فی حقنا فملاحظته بالاعتبار الثانی ان کان طریق ثبوته عن الشارع قطعیا کان متعلقه الفرض وان کان ظنیا کان الوجوب ولذا لایثبت هذا القسم اعنی الواجب فی حق من سمع من النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مشافهة مع قطعیة ولالة المسموع فلیس فی حقه الا الفرض اوغیر اللازم من السنة فما بعدها وظهر بهذا ان ملاحظته بالاعتبار الاول لیس فیه وجوب بل الفرضیة اوعدم اللزوم اصلا[25] اھ ملخصا

لزوم میں دو اعتبار ہیں ایک یہ کہ وہ شارع علیہ السلام سے صادر ہوا اور دوسرا یہ کہ اس کا ثبوت ہمارے حق میں ہوا تو دوسرے اعتبار سے اگر اسکا ثبوت شارع سے قطعی ہے تو اس کا تقاضا فرضیت ہے، اور اگر ثبوت ظنی ہے تو وجوب۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قسم (وجوب) اس شخص کے حق میں ثابت نہیں ہو سکتی جس نے براہِ راست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا حالانکہ مسموع کی دلالت قطعی تھی تو اس کے حق میں وہ فرض ہی ہوگا، یا لازم نہ ہوگا سنّت ہوگا یا اس سے نچلا درجہ، اس سے ظاہر ہو گیا کہ اول کے اعتبار سے وہاں وجوب نہیں بلکہ فرضیت ہے یا بالکل لزوم ہی نہیں اھ ملخصاً (ت)

پس بحمد اللہ بشہادتِ قرآن وحدیث واقوالِ علما ثابت ہوا کہ نمازِ پنجگانہ وعیدین وتہجد وغیرہا ہر گونہ نماز کے بعد دعا مانگنا شرعاً جائز بلکہ مندوب ومرغوب ہے وھوالمطلوب۔

ثانیًا اقول وباللہ التوفیق دعا بنصِ قرآن وحدیث وجماعِ ائمۂ قدیم وحدیث اعظم مندوباتِ شرع سے ہے اور اس کے مظانِ اجابت کی تحری مسنون ومحبوب، قال جل ذکرہ: هنالك دعا زکریا ربّه[26] (حضرت زکریا

---

24 ۔التوضیح والتلویح، فصل فی افعالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور، ص ۴۹۱۔

25 ۔فتح القدیر، باب الامامۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/ ۳۰۱۔

26 ۔القرآن ۳/ ۳۸۔

علیہ السلام نے وہاں اپنے رب سے دعا کی۔ت) حدیث میں ہے حضور پر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات، فتعرضوا لہ لعلہ ان یصیبکم نفحۃ منھا فلا تشقون بعدھا ابدا[27]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن محمد بن مسلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بیشک تمہارے رب کے لئے تمہارے زمانے کے دنوں میں کچھ وقت عطاو بخشش و تجلی وکرم وجود کے ہیں تو انہیں پانے کی تدبیر کرو شاید ان میں سے کوئی وقت تمہیں مل جائے تو پھر کبھی بدبختی تمہارے پاس نہ آئے۔ اسے طبرانی نے کبیر میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

اور خود حدیث نے ان اوقات سے ایک وقت اجتماع مسلمین کا نشان دیا کہ ایک گروہِ مسلمانان جمع ہو کر دعا مانگے کچھ عرض کریں کچھ آمین کہیں، کتاب المستدرک علی البخاری ومسلم میں ہے:

عن حبیب بن مسلمۃ الفھری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان مجاب الدعوۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول لا یجتمع ملؤ فیدعو بعضھم یؤمّن بعضھم الا اجابھم اللہ۔[28]

یعنی حبیب بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ مستجاب الدعوات تھے، فرماتے ہیں میں نے حضور پر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی گروہ جمع نہ ہو گا کہ ان کے بعض دعا کریں بعض آمین کہیں، مگر یہ کہ اللہ عزوجل اُن کی دعا قبول فرمائے گا۔

علماء نے مجمع مسلمان کو اوقاتِ اجابت سے شمار کیا۔ حصن حصین میں ہے: واجتماع المسلمین[29] یعنی مجمع مسلمین کا اوقاتِ اجابت سے ہونا حدیثِ صحاح ستہ سے مستفاد ہے۔ علی قاری شرح میں فرماتے ہیں:

ثم کل مایکون الاجتماع فیہ اکثر کالجمعۃ والعیدین وعرفۃ یتوقع فیہ رجاء الاجابۃ اظھر۔[30]

یعنی جس قدر مجمع کثیر ہو گا جیسے جمعہ وعیدین وعرفات میں، اسی قدر امیدِ اجابت ظاہر تر ہو گی۔

فقیر غفر اللہ تعالیٰ کہتا ہے پھر دعائے نماز پر اقتصار ہر گز شرعاً مطلوب نہیں بلکہ اس کے خلاف کی طلب ثابت، خود حدیث سے گزرا حضور پر نور سیّدِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا حکم دیا

27۔ المعجم الکبیر، مروی از محمد بن مسلمہ، حدیث ۵۱۹، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت، ۱۹/ ۲۳۴۔

28۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء، حبیب بن مسلمۃ کان مجیب الدعوات، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۳/ ۳۴۷۔

29۔ حصن حصین، اوقات الاجابۃ، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند، ص ۲۳۔

30۔ حرز ثمین شرح حصن حصین۔

اور جو ایسانہ کرے اس کی نماز کو ناقص بتایا، حالانکہ نماز میں دعائیں ہو چکیں اور وہ وقت چار بار آیا جو انتہائی درجہ قُربِ الٰہی کا ہے یعنی سجود میں بالتخصیص حکمِ دعا تھا، حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقرب مایکون العبد من ربہ ھو ساجد فاکثروا الدعاء۔[31] رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سب سے زیادہ قرب بندے کو اپنے رب سے حالتِ سجود میں ہوتا ہے تو اس میں دعا کی کثرت کرو۔ اسے مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

بلکہ اگر سوال نہ بھی ہوں تو تسبیح کہ سجود میں ہوتی ہے خود دعا ہے کہ وہ ذکر ہے اور ہر ذکر دعا۔ مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: کل ذکر دعاء[32] (ہر ذکر دُعا ہے۔ت) امام حافظ الدین النسفی کافی شرح وافی کی فصل فی تکبیر التشریق میں فرماتے ہیں:

قال تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ ط[33]۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے: تم اپنے رب کو پکارو گڑ گڑا کر اور آہستہ (ت)

کل ذکر دعاء[34] (ہر ذکر دعا ہے۔ت) اس معنی پر فقیر نے اپنے رسالہ "ایذا ان الاجر فی اذان القبر" (دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کے جواز پر نادر تحقیق۔ت) میں دلائل واضحہ ذکر کئے اور اس سے زیادہ کلام مستوفی فقیر کے رسالہ "نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء" (صبح کی ہوا اس بارے میں کہ اذان سے وباء ٹل جاتی ہے۔ت) میں ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الدعوات میں باب الدعا اذا ھبط وادیا (جب کسی نچلی جگہ اترے تو دعا کرے۔ت) وضع کیا اور اس میں فرمایا: فیہ حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ[35] (اس بارے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ت)

ارشاد الساری میں ہے:

فیہ ای فی الباب حدیث جابر الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ السابق فی باب التسبیح اذا

31۔ سنن النسائی، اقرب مایکون العبد من اللہ عزوجل، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱/ ۱۷۰-۱۷۱۔

32۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، باب ثواب التسبیح فصل ثانی، مطبوعہ امدادیہ ملتان، ۵/ ۱۱۲۔

33۔ کافی شرح وافی، فصل فی تکبیر التشریق۔

34۔ صحیح البخاری، کتاب الدعوات، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲/ ۹۴۴۔

35۔ ارشاد الساری، باب الدعاء اذا ھبط وادیا الخ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۹/ ۲۱۸۔

ھبط وادیا من کتاب الجھاد بلفظ کنا اذا صعدنا کبّرنا وانزلنا سبّحنا ھذا اٰخر الحدیث اھ بحذف السند۔

اس میں یعنی اس مسئلہ میں حضرت جابر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے جو کتاب الجہاد کے باب التسبیح اذا ھبط وادیا میں گزری ہے الفاظ یہ ہیں: جب ہم بلند جگہ چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اُترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ یہ حدیث کے آخری الفاظ ہیں اھ سند محذوف ہے۔(ت)

دیکھو امام بخاری علیہ الرحمۃ الباری نے صرف تسبیح کو دعا ٹھہرایا اور التسبیح اذا ھبط وادیا والدعاء اذا ھبط وادیا (جب نیچے اُترے تو تسبیح پڑھے اور جب نیچے اُترے تو دعا کرے۔ت) کا ایک مصداق بتایا تو بآنکہ ایسے قربِ اتم کے وقت میں نماز میں دعائیں ہو چکیں پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن پر قناعت پسند نہ فرمائی اور بعد سلام پھر دعا کی تاکید شدید کی۔ علاوہ بریں نماز میں آدمی ہر قسم کی دعا نہیں مانگ سکتا کما بسط الائمۃ فی کتب الفقھیۃ (جیسا کہ ائمہ کرام نے کتبِ فقہیہ میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ت) اور حاجت ہر قسم کی اپنے رب جل وعلا سے مانگنا چاہیے اور طلب میں مظنۂ اجابت کی تحری کا حکم اور یہ وقت بحکم احادیث اعلیٰ مظّان اجابت سے، تو بلاشبہ مجمع عیدین میں بعد نماز دعا، خاص اذن حدیث وارشادِ شرع سے ثابت ہوئی اور حکم فتعرضوا لھا کی تعمیل ٹھہری وھوالمقصود۔

ثم اقول اگر مجمع عیدین کے لئے شرع میں کوئی خصوصیت نہ آتی تو اس عموم میں دخول ثابت تھا نہ کہ احادیث نے اُس کی خصوصیت عظیم ارشاد فرمائی اور اس میں دعا پر نہایت تحریص وترغیب آئی یہاں تک کہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس زمانۂ خیر وصلاح میں کہ فتنہ وفساد سے یکسر پاک ومنزہ تھا حکم دیتے کہ عیدین میں کنواریاں اور پردہ نشین خاتونیں باہر نکلیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں حتی کہ حائض عورتوں کو حکم ہو تا مصلّے سے الگ بیٹھیں اور اس دن کی دُعا میں شریک ہو جائیں، امام احمد واصحابِ صحاح ستہ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تخرج العوائق وذوات الخدور والحیض ویعتزل الحیض المصلی ویشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین۔[36]

نوجوان کنواریاں اور پردہ والیاں اور حائض عورتیں سب عید گاہ کو جائیں اور حیض والیاں عید گاہ سے الگ بیٹھیں اور اس بھلائی اور مسلمانوں کی دُعا میں حاضر ہوں۔

صحیح بخاری کی دوسری روایت ان لفظوں سے ہے:

---

36 ۔ صحیح البخاری، باب شہود الحائض العیدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۴۷و۱۳۴۔

قالت کنا نؤمر ان نخرج یوم العید حتی تخرج البکر من خدرھا حتی تخرج الحیض فیکنّ خلف الناس فیکبرن بتکبیرھم ویدعون بدعائھم یرجون برکۃ ذلك الیوم وطھرتہ۔[37]

یعنی ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم عورتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ عید کے دن باہر جائیں یہاں تک کہ کنواری اپنے پردے سے باہر نکلے یہاں تک کہ حیض والیاں باہر آئیں صفوں کے پیچھے بیٹھیں مسلمانوں کی تکبیر پر تکبیر کہیں اور ان کی دعا کے ساتھ دعا مانگیں اس دن کی برکت وپاکیزگی کی امید کریں۔

امام بیہقی اور ابوالشیخ ابن حبان کتاب الثواب میں حضرت[۱←] عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول اذاکانت غداۃ الفطر بعث اللہ عزوجل الملئکۃ فی کل بلد (وذکر الحدیث الی ان قال) فاذا برز واالی مصلاھم فیقول اللہ عزوجل (وساق الحدیث الی ان قال) ویقول یاعبادی سلونی فوعزتی وجلالی لاتسئلونی الیوم شیئا فی جمعکم لاٰخرتکم الا اعطیتکم ولا لدنیاکم الانظرت لکم، فوعزّتی لاسترن علیکم عثراتکم ماراقبتمونی وعزّتی وجلالی لااخزیکم ولا افضحکم بین اصحاب الحدود وانصرفوا مغفورالکم قدارضیتمونی ورضیت عنکم[38] (مختصر من حدیث طویل)

یعنی حضور پرنور سیّد یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب عید کی صبح ہوتی ہے مولیٰ سبحٰنہ تعالیٰ ہر شہر میں فرشتے بھیجتا ہے (اس کے بعد حدیث میں فرشتوں کے شہر کے ہر ناکہ پر کھڑا ہونا اور مسلمانوں کو عید گاہ کی طرف بلانا بیان فرمایا، پھر ارشاد ہوا جب مسلمان عید گاہ کی طرف میدان میں آتے ہیں (مولیٰ سبحٰنہ تعالیٰ فرشتوں سے یوں فرماتا ہے اور ملائکہ اس سے یوں عرض کرتے ہیں) پھر فرمایا، رب تبارک وتعالیٰ مسلمانوں سے ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندو! مانگو کہ قسم مجھے اپنے عزت وجلال کی آج اس مجمع میں جو چیز اپنی آخرت کے لئے مانگو گے میں تمہیں عطا فرماؤں گا اور جو کچھ دنیا کا سوال کروگے اس میں تمہارے لئے نظر کروں گا (یعنی دنیا کی چیزیں خیر وشر دونوں کو محتمل ہیں اور آدمی اکثر اپنی نادانی سے خیر کو شر، شر کو خیر سمجھ لیتا ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے لہٰذا دنیا کے لئے جو کچھ مانگو گے اس میں بکمال رحمت، نظر فرمائی جائے گی، اگر وہ چیز تمہارے حق میں بہتر ہوئی عطا ہوگی ورنہ اس کے برابر بلا دفع کریں گے یا دُعا روزِ قیامت کے لئے

---

37 ۔ صحیح بخاری، باب شہود الحائض العیدین الخ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۲۔

۱← ۔ اقول اس حدیث نفیس کا شاہد بروایت امام عقیلی حدیث انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرویاتِ فقیر میں بندہ ضعیف سے حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سند موجود ہے۔ والحمد للہ ۱۲ منہ (م)۔

38 ۔ شعب الایمان، ۲۳ باب فی الصیام فصل فی لیلۃ القدر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۳/ ۳۷-۳۳۶۔

ذخیرہ رکھیں گے اور یہ بندے کے لئے ہر صورت سے بہتر ہے مجھے اپنی عزت کی قسم ہے جب تک تم میرا مراقبہ رکھو گے میں تمہاری لغزشوں کی ستاری فرماؤں گا، مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم میں تمہیں اہلِ کبائر میں فضیحت ورسوانہ کروں گا پلٹ جاؤ مغفرت پائے ہوئے، بیشک تم نے مجھے راضی کیا اور میں تم سے خوشنود ہوا۔

فقیر غفرلہ الغنی القدیر کہتا ہے اس کلام مبارک کا اوّل یا عبادی سلونی ہے یعنی اے میرے بندو! مجھ سے دعا کرو، اور آخر انصرفوا مغفورا لکم یعنی گھروں کو پلٹ جاؤ کہ تمہاری مغفرت ہوئی۔ تو ظاہر ہوا کہ یہ ارشاد بعد ختمِ نماز ہوتا ہے کہ ختمِ نماز سے پہلے گھروں کو واپس جانے کا حکم ہرگز نہ ہوگا تو اس حدیث سے مستفاد کہ خود رب العزت جل وعلا بعد نمازِ عید مسلمانوں سے دُعا کا تقاضا فرماتا ہے، پھر وائے بدبختی اُس کی جو ایسے وقت مسلمانوں کو اپنے رب کے حضور دُعا سے روکے نسأل اللہ العفو والعافیۃ اٰمین (ہم اللہ تعالیٰ سے فضل وبخشش طلب کرتے ہیں۔ آمین۔ ت)

ثالثاً اقول وباللہ التوفیق ابوداؤد وترمذی ونسائی وابن حبان وحاکم باسانید صحیحہ جیّدہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوداؤد ودارمی وابوبکر بن ابی شیبہ استاد بخاری ومسلم حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نسائی وطبرانی بسند صحیح وابن ابی الدنیا اور حاکم بافادۂ تصحیح حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نسائی وحاکم بتصریح تصحیح وابوالقاسم طبرانی باسانید جیّدہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نسائی وابن ابی الدنیا وحاکم وبیہقی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا جلس احدکم فی مجلس فلا یبرحن منہ حتی یقول ثلث مرات سبحٰنک اللھم ربنا وبحمدک لا الٰہ الا انت اغفرلی وتب علی فانکان اتی خیرا کان کالطابع علیہ وان کان مجلس لغو کان کفارۃ لما کان فی ذلک المجلس۔[39]

جب تم میں کوئی کسی جلسے میں بیٹھے توزنہار وہاں سے نہ ہٹے جب تک تین بار یہ دعا نہ کرلے "پاکی ہے تجھے اے رب ہمارے، اور تیری تعریف بجالاتا ہوں، تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں میرے گناہ بخش اور مجھے توبہ دے" کہ اگر اس جلسے میں اس نے کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ دعا اس پر مُہر ہوجائے گی اور اگر وہ جلسہ لغو کا تھا جو کچھ اس میں گزرا، یہ دعا اس کا کفارہ ہوجائے گی۔

---

39 ۔الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا، کتاب الذکر والدعاء، مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر، ۲/ ۴۱۱۔
المعجم الکبیر، مروی از جبیر بن مطعم۔ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت، ۲/ ۱۳۹۔
المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱/ ۵۳۷۔

یہ لفظ بہ روایت امام ابو بکر ابن ابی الدنیا حدیثِ جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں، اور ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یوں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس مجلساً یقول فی اٰخرہ اذا اراد ان یقوم من المجلس سبحٰنک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک۔[40]

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کوئی جلسہ فرماتے تو اس کے ختم میں اٹھتے وقت یہ دعا کرتے "تیری پاکی بولتا اور تیری حمد میں مشغول ہوتا ہوں اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں میں تیری مغفرت مانگتا اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔"

اس طرح رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں لفظ اراد ان ینھض[41] ہے یعنی جب اٹھنا چاہتے یہ دعا فرماتے۔ اورانہوں نے بعد الفاظِ مذکورہ دعا میں اتنے الفاظ اور زائد کئے:

عملت سوءً وظلمت نفسی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت [42]

میں نے برا کیا اور اپنی ہی جان کو آزار پہنچایا اب میری مغفرت فرمادے بیشک تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں۔

حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا میں مثل حدیثِ ابو برزہ ہے اُس میں بھی ارشاد ہوا: قبل ان یقوم من مجلسہ[43] کھڑے ہونے سے پہلے دعا کرتے۔

غرض اس حدیث صحیح مشہور علی اصول المحدثین میں جسے امام ترمذی نے حسن صحیح اور حاکم نے بر شرطِ مسلم صحیح اور منذری نے جیّد الاسانید کہا، حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام ارشاد وہدایت قولی وفعلی فرماتے ہیں کہ آدمی کوئی جلسہ کرے اس سے اٹھتے وقت یہ دعا ضرور کرنی چاہئے اگر جلسہ خیر کا تھا تو وہ نیکی قیامت تک سربمہر محفوظ رہے گی اور لغو کا تھا تو وہ

40۔ الترغیب والترہیب بحوالہ سنن ابی داؤد، کتاب الذکر والدعاء، مطبوعہ مصطفےٰ البابی مصر، ۲/ ۴۱۱۔
سنن الدارمی ۲۹۔ باب فی کفارۃ المجلس، مطبوعہ مدینہ منورہ (حجاز)، ۲/ ۱۹۵۔
41۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعا، دعاء کفارۃ المجالس، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱/ ۵۳۷۔
الترغیب والترہیب بحوالہ نسائی وحاکم وابوداؤد وابن حبان، مطبوعہ مصطفےٰ البابی مصر، ۲/ ۴۱۱۔
42۔ الترغیب والترہیب بحوالہ نسائی وحاکم وابوداؤد وابن حبان، مطبوعہ مصطفےٰ البابی مصر، ۲/ ۴۱۱۔
43۔ الترغیب والترہیب بحوالہ نسائی وحاکم وابوداؤد وابن حبان، مطبوعہ مصطفےٰ البابی مصر، ۲/ ۴۱۱۔
جامع الترمذی، ابواب الدعوات، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۲/ ۱۸۱۔

لغو باذن اللہ محو ہو جائے گا تو لفظ و معنٰی دونوں کی رو سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان کو ہر نماز کے بعد بھی اس دعا کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جہت لفظ سے تو یوں کہ مجلس نکرہ سیاقِ شرط میں واقع ہے تو عام ہوا، تلخیص الجامع الکبیر میں ہے:

النکرۃ فی الشرط تعم وفی الجزاء تخص کھی فی النفی والاثبات۔[44]

نکرہ مقامِ شرط میں عموم اور مقامِ جزا میں خصوص کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ نفی واثبات میں ہے۔(ت)

جامع صغیر میں ہے:

انہ نکرۃ فی موضع الشرط وموضع الشرط نفی والنکرۃ فی النفی تعم۔[45]

یہ موضع شرط میں نکرہ ہے اور مقامِ شرط نفی ہے اور نکرہ مقامِ نفی میں عموم کا مفید ہوتا ہے۔(ت)

معہذا اسمائے شروط سب صورتوں کو عام ہوتے ہیں، امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

اذا عام فی الصور علی ماھو حال اسماء الشرط۔[46]

اذا تمام صورتوں میں عام ہے جیسا کہ اس شرط کا حال ہوتا ہے۔(ت)

تو قطعاً تمام صلواتِ فریضہ وواجبہ ونافلہ کے جلسے اس حکم میں داخل اور ادعائے تخصیص بے مخصص محض مردود وباطل، اور جہت معنے سے یوں کہ جلسہ خیر سے اُٹھتے وقت یہ دعا کرنا اس خیر کے نگاہداشت کے لئے ہے تو جو خیر جس قدر اکبر واعظم اسی قدر اس کا حفظ ضروری واہم، اور بلاشبہ خیر نماز سب چیزوں سے افضل واعلٰی تو ہر نماز کے بعد اس دعا کا مانگنا مؤکدتر ہوا یارب، مگر نماز عیدین نماز نہیں یا اس کے حفظ کی جانب نیاز نہیں یا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ ہمارا یہ ارشاد ماورائے عیدین یا ماسوائے نماز میں ہے یا اس کے بعد یہ دعا کرنا، سبحٰن اللہ جلسۂ صلوات کا اس حکم میں دخول عموم لفظ وشہادت معنٰی سے ثابت کرتا ہوں خود حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کیوں نہ ذکر کروں جس میں صاف تصریح کہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس جلسۂ نماز کو اِس حکم میں داخل فرمایا تخریج حدیث تو اوپر سن چکے کہ نسائی وابن ابی الدنیا وحاکم وبیہقی نے روایت کی اب لفظ سنیے، سنن نسائی کی نوع من الذکر بعد التسلیم میں ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا جلس مجلسا او صلی تکلم بکلمات فسألتہ عائشۃ عن الکلمات فقال ان تکلم بخیر کان طابعا علیھن الی

---

44 ۔ تلخیص الجامع الکبیر۔

45 ۔ الجامع الصغیر۔

46 ۔ فتح القدیر۔

یوم القیٰمۃ وان تکلم بشر کان کفارۃ لہ، سبحٰنک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک۔[47]

یعنی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے کچھ کلمات فرماتے، ام المومنین نے وہ کلمات پوچھے، فرمایا وہ ایسے ہیں کہ اگر اس جلسہ میں کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ قیامت تک اس پر مُہر ہوجائیں گے اور بری کہی ہے تو کفارہ۔ الٰہی! میں تیری تسبیح وحمد بجالاتا اور تجھ سے استغفار وتوبہ کرتا ہوں۔

پس بحمد اللہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوگیا کہ نمازِ عیدین کے بعد دعا مانگنے کی خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی لفظ لایبرحن بنون تاکید ارشاد ہوا بلکہ انصاف کیجئے تو حدیثِ ام المومنین صلی اللہ تعالیٰ علی زوجہا الکریم وعلیہا وسلم خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعد نماز عیدین دعا مانگنا بتارہی ہے کہ صلے زیر اذا، داخل تو ہر صورت نماز کو عام وشامل اور مجملہ صور نماز، عیدین، تو حکم مذکور انہیں بھی متناول، پس یہ حدیثِ جلیل بحمد اللہ خاص جزئیہ کی تصریح کامل۔

رابعًا اقول وباللہ التوفیق ان سب سے قطع نظر کیجئے تو دُعا مطلقاً اعظم مندوباتِ دینیہ واجل مطلوباتِ شرعیہ سے ہے کہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بے تقییدِ وقت و تخصیصِ ہیأت مطلقاً اس کی اجازت دی اور اُس کی طرف دعوت فرمائی اور اس کی تکثیر کی رغبت دلائی اور اس کے ترک پر وعید آئی۔ مولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

وقال ربکم ادعونی استجب لکم۔[48]

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

اور فرماتا ہے:

اجیب دعوۃ الدّاع اذا دعان۔[49]

قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا جب مجھے پکارے۔

حدیثِ قدسی میں فرماتا ہے:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا دَعَانِیْ۔[50] رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن

47۔ سنن النسائی، کتاب السہو نوع من الذکر بعد التسلیم، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱/ ۱۹۷۔

48۔ القرآن ۳۹/ ۶۰۔

49۔ القرآن ۲/ ۱۸۶۔

50۔ صحیح البخاری، کتاب التوحید، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲/ ۱۱۰۱۔

ماجۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ربہ۔

میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں اور میں اُس کے ساتھ ہوں جب مجھ سے دعا کرے۔ اسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ نے اپنے رب عزوجل سے روایت کیا۔

اور فرماتا ہے:

یَاابْنَ اٰدَمَ اِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَاکَانَ مِنْکَ وَلاَ اُبَالِیْ۔[51] رواہ الترمذی وحسنہ عن انس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ربہ تبارک وتعالیٰ۔

اے فرزندِ آدم! تو جب تک مجھ سے دعا مانگے جائے گا اور امید رکھے گا تیرے کیسے ہی گناہ ہوں بخشتا رہوں گا اور مجھے کچھ پروا نہیں۔ ترمذی نے روایت کرکے اسے حسن قرار دیا ہے اور اسے حضرت انس بن مالک سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے بیان فرمایا۔

اور فرماتا ہے عزوجل:

مَنْ لَّا یَدْعُوْنِیْ اَغْضِبْ عَلَیْہِ۔[52] رواہ العسکری فی المواعظ بسند حسن عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ربہ تعالیٰ وتقدس۔

جو مجھ سے دعا نہ کرے گا میں اس پر غضب فرماؤں گا اسے عسکری نے مواعظ میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور آپ نے رب تعالیٰ وتقدس سے بیان فرمایا۔

احادیثِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس باب میں سرحدِ تواتر پر خیمہ زن، ایک جملہ صالحہ اُن سے حضرت خاتم المحققین سنام المدققین سیّدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے رسالہ مستطابہ "احسن الوعا لآداب الدعا" میں ذکر فرمایا اور فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس کی شرح مسمّٰی بہ "ذیل المدعا لاحسن الوعا" میں ان کی تخریجات کا پتا بتایا، باقی کتاب الترغیب امام منذری وحصن حصین امام ابن الجزری وغیرہما تصانیفِ علما ان احادیث کی کفیل ہیں، میں بخوفِ اطالت

صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۲/ ۳۴۱و۳۴۳و۳۵۴۔

51۔ جامع الترمذی، ابواب الزہد، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۲/ ۶۲۔

52۔ کنز العمال بحوالہ العسکری فی المواعظ حدیث ۳۱۲۷، مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۲/ ۶۳۔

سُنن ابنِ ماجہ، باب فضل الدعاء مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۲۸۰۔

احادیثِ فضائل سے عطف عنان کرکے صرف ان بعض حدیثوں پر اقتصار کرتا ہوں جن میں دعا کی تاکید یا اس کے ترک پر تہدید یا اس کی تکثیر کا حکم اکید ہے۔

حدیث ۱: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم عباد اللہ بالدعاء۔[53] رواہ الترمذی مستغربًا والحاکم وصححہ۔

خدا کے بندو! دعا کو لازم پکڑو۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے غریب کہا اور حاکم نے روایت کرکے صحیح کہا۔

حدیث ۲: زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلوا علیّ واجتھدوا فی الدعاء۔[54] رواہ الامام احمد والنسائی والطبرانی فی الکبیر وابن سعد وسمویہ والبغوی والباوردی وابن قانع۔

مجھ پر درود بھیجو اور دعا میں کوشش کرو۔ اسے امام احمد، نسائی اور طبرانی نے کبیر میں، ابن سعد، سمویہ، بغوی، باوردی اور ابن قانع نے روایت کیا۔

حدیث ۳: انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتعجزوا فی الدعاء فانہ لن یھلك مع الدعاء احد۔[55] روہ ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ۔

دعا میں تقصیر نہ کرو جو دعا کرتا رہے گا ہرگز ہلاک نہ ہوگا۔ اسے ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے روایت کرکے صحیح قرار دیا۔

حدیث ۴: جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تدعون اللہ لیلکم ونھارکم فان الدعاء سلاح المؤمن۔[56] رواہ ابو یعلی۔

رات دن خدا سے دعا مانگو کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے۔ اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

حدیث ۵: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

53 ۔ جامع الترمذی، ابواب الدعوات، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۲/ ۱۹۳۔

54 ۔ سنن النسائی، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱/ ۱۹۰۔

55 ۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱/ ۴۹۴۔

56 ۔ مسند ابی یعلی، مروی از جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث ۱۸۰۶، مطبوعہ موسستہ علوم القرآن بیروت، ۲/ ۳۲۹۔

اکثروا الدعاء بالعافیۃ۔[57] رواہ الحاکم بسند حسن۔
عافیت کی دعا اکثر مانگ۔ امام حاکم نے اسے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔
حدیث ۶: انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
اکثر من الدعاء فان الدعاء یرد القضاء المبرم۔[58] اخرجہ ابو الشیخ فی الثواب۔
دعا کی کثرت کرو کہ دعا قضائے مبرم کو رَد کرتی ہے۔ اسے ابو الشیخ نے ثواب میں نقل کیا ہے۔
اس حدیث کی شرح فقیر کے رسالہ ذیل المدعا میں دیکھئے۔
حدیث ۷و۸: عبادہ صامت و ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں میں ہے ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی فضیلت ارشاد فرمائی، صحابہ نے عرض کی: اذا نکثر[59] ایسا ہے تو ہم دعا کی کثرت کریں گے، فرمایا: اللہ اکثر[60] اللہ عزوجل کا کرم بہت کثیر ہے وفی الروایۃ الاخری (دوسری روایت میں ہے۔ت) اللہ اکبر اللہ بہت بڑا ہے،

رواہ الترمذی والحاکم عن عبادۃ وصححاہ واحمد والبزار وابویعلی باسانید جیّدۃ والحاکم وقال صحیح الاسناد عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
اسے امام ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرکے صحیح قرار دیا، امام احمد، بزار اور ابویعلیٰ نے اسانید جیّدہ کے ساتھ روایت کیا ہے اور حاکم نے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرکے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔(ت)
حدیث ۹ و ۱۰: سلمان فارسی و ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں میں ہے حضورِ والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سرہ ان یستجیب اللہ لہ عند الشدائد فلیکثر من الدعا عند الرخاء۔[61] رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ والحاکم عنہ وعن سلمان وقال صحیح واقروہ۔

57۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱/ ۵۲۹۔
58۔ کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث ۳۱۲۰، مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت، ۲/ ۶۳۔
59۔ جامع الترمذی، ابواب الدعوات، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۲/ ۱۷۳۔
60۔ مسند احمد بن حنبل، مروی از ابو سعید الخذری، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۳/ ۱۸۔
61۔ جامع الترمذی، ابواب الدعوات، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۲/ ۱۷۴۔

جسے خوش آئے کہ اللہ تعالیٰ سختیوں میں اس کی دعا قبول فرمائے وہ نرمی میں دعا کی کثرت رکھے۔ اسے ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور حاکم نے ان سے اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرکے فرمایا کہ یہ صحیح ہے اور محدثین نے اس کی صحت کو برقرار رکھا۔

حدیث ۱۱: ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یسأل اللہ یغضب علیہ۔[62] رواہ احمد وابن ابی شیبۃ والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن ماجۃ والبزار وابن حبان والحاکم وصححاہ۔

جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرمائے گا۔ اسے امام احمد، ابن ابی شیبہ اور بخاری نے ادب المفرد میں، ترمذی، ابن ماجہ، بزار، ابن حبان اور حاکم نے روایت کرکے صحیح کہا۔

ایّھا المسلمون تم نے اپنے مولا جل وعلا اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سنے ان میں کہیں بھی تخصیص و تقیید کی بو ہے، یہ تو بارہا فرمایا کہ دعا کرو، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں نماز کے بعد نہ کرو؟ یہ تو صاف ارشاد ہوا ہے کہ جس وقت دعا کروگے میں سنوں گا، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاوقت کروگے تو سنوں گا؟ یہ تو بتاکید بار بار حکم آیا ہے کہ دعا سے عاجز نہ ہو، دعا میں کوشش کرو، دعا کو لازم پکڑو، دعا کی کثرت رکھو، رات دن دعا مانگو، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد نہ مانگو؟ یہ تو ڈر سنایا گیا ہے کہ جو دعا نہ مانگے گا اس پر غضب ہوگا، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد جو مانگے گا اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا؟ اور جب کہیں نہیں تو خدا اور سول جل وجلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس چیز کو عام و مطلق رکھا دوسرا اسے مخصوص و مقید کرنے والا کون؟ خدا اور سول عزّ مجدہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس چیز سے منع نہ فرمایا دوسرا اسے منع کرنے والا کون؟ قال تعالیٰ:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ط اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ○ [63]

اور نہ کہو اسے جو تمہاری باتیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر

---

62 ۔ جامع الترمذی ابواب الدعوات، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۲/ ۱۷۳۔

ادب المفرد باب ۲۸۶، حدیث ۶۵۸، مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ سانگہ ہل، ص ۱۷۱۔

مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۲/ ۴۴۳۔

مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الدعاء، حدیث ۹۲۱۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱۰/ ۲۰۰۔

63 ۔ القرآن ۱۶/ ۱۱۶۔

جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔

اصل یہ ہے کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ[64] حکم صرف خدا ہی کے لئے ہے۔ جس چیز کو اس نے کسی ہیأت خاصہ محمل معیّن سے مخصوص اور اس پر مقصود و محصور فرمایا اس سے تجاوز جائز نہیں، جو تجاوز کرے گا دین میں بدعت نکالے گا اور جس چیز کو اس نے ارسال واطلاق پر رکھا ہر گز کسی ہیأت و محل پر مقتصر نہ ہوگی اور ہمیشہ اپنے اطلاق ہی پر رہے گی جس اس سے بعض صور کو جدا کرے گا دین میں بدعت پیدا کرے گا، ذکر و دعا اس قبیل سے ہیں کہ زنہار شرع مطہر نے انہیں کسی قید و خصوصیت پر محصور نہ فرمایا بلکہ عموماً و مطلقاً ان کی تکثیر کا حکم دیا۔ دعا کے بارے میں آیات وحدیث سن ہی چکے اور دلائل مطلقہ تکثیر جنہیں اس سلسلہ شمار میں (خامساً) کہئے کہ ہر دعا بالبداہتہ ذکرِ الٰہی ہے اور اس پر علما نے تنصیص بھی فرمائی، مولانا قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: کل دعاء ذکر (ہر دعا کا ذکر ہے۔ت) تو اجازت عامۂ ذکر کے دلائل، بعینہا اجازت عامہ کے دلائل ہیں کہ تعمیم افراد اعم (۱←) یا مساوی، لاجرم تعمیم افراد خص و مساوی ہے کمالایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) ان دلائل جلائل کا وفور کامل حد احصار کا طرف مقابل، فقیر غفرلہ المولی تقدیر نے اپنے رسالہ نسیم الصبافی ان الاذان یحول الوباء میں اس مدعا پر بکثرت آیات وحدیث لکھیں، ازانجملہ **حدیث** حسن ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون۔[65]

ذکرِ الٰہی کی یہاں تک کثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔

وحدیث حسن عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لایزال لسانك رطبا من ذکر اللہ[66] ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں تر زبان رہ۔

حدیث جیّد الاسناد ام انس رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضورِ والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اکثری من ذکر اللہ فانك لاتاتین بشیٔ احب الیہ من کثرۃ ذکرہ۔[67]

---

64 ۔القرآن ۶/ ۵۷۔

۱← ۔ذکر اعم صرف بنظرِ کلیہ حاضرہ ہے ورنہ سابق گزرا کہ دوسری طرف سے یہی کلیہ ہے تو دعاء و ذکر قطعاً متساوی اور اب اتحاد اولہ اور یہی واضح و جلی ۱۲ منہ (م)

65 ۔المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱/ ۴۹۹۔

66 ۔جامع الترمذی، ابواب الدعوات، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۲/ ۱۷۳۔

67 ۔دُرِ منثور بحوالہ الطبرانی ذکراً کثیراً کے تحت مذکور ہے مطبوعہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۵/ ۲۰۵۔

اللہ کا ذکر بکثرت کر کہ تو کوئی چیز ایسی نہ لائے جو خدا کو اپنی کثرتِ ذکر سے زیادہ پیاری ہو۔

وحدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من لم یکثر ذکر اللہ فقد برئ من الایمان[68] جو ذکرِ الٰہی کی کثرت نہ کرے وہ ایمان سے بیزار ہو گیا۔

وحدیث صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یذکر اللہ تعالیٰ علیٰ کل احیانہ۔[69]

حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت ذکرِ خدا فرمایا کرتے۔

الٰی غیر ذلك من الاحادیث والاٰثار (ان کے علاوہ متعدد احادیث وآثار ہیں۔ت) یہاں صرف بعض آیات اور ان کی تفسیروں پر اقتصار ہوتا ہے جو عموم تمامی اوقات واحوال میں نص ہیں:

آیت ۱: قال جل ذکرہ:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔[70]

اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

علمائے کرام اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جمیع احوال میں ذکرِ الٰہی ودعا کی مداومت کرو۔ بیضاوی میں ہے:

داوموا علی الذکر فی جمیع الاحوال۔[71]

تمام احوال میں ذکر پر مدامت کرو۔(ت)

ای داوموا علی ذکر اللہ تعالیٰ فی جمیع الاحوال۔[72]

یعنی تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر دوام اختیار کرو۔(ت)

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

داوموا علی الذکر اللہ تعالیٰ وحافظوا علیٰ مراقبتہ ومناجاتہ ودعائہ فی جمیع الاحوال۔[73]

68۔ دُرِ منثور بحوالہ المعجم الاوسط ذکراً کثیراً کے تحت مذکور ہے مطبوعہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۵/ ۲۰۵۔

الترغیب والترہیب، کتاب الذکر والدعاء، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۲/ ۴۰۱۔

69۔ سُنن ابی داوٗد، باب فی الرجل یذکر اللہ تعالیٰ علیٰ غیر وضوء، مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور، ۱/ ۴۔

70۔ القرآن ۴/ ۱۰۳۔

71۔ انوار التنزیل المعروف بتفسیر البیضاوی، آیۂ مذکورہ کے تحت، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۲۰۴۔

72۔ تفسیر النسفی المعروف بتفسیر المدارک، آیۂ مذکور کے تحت، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۸۔

تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مداومت کرو، اور مراقبہ، مناجات اور رب سے دعا کی محافظت کرو۔ (ت)

آیت ۲: قال عزّ اسمہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۔[74]

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بکثرت کرو۔

علامۃ الوجود مفتی ابو السعود ارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں: یعم الاوقات والاحوال[75] یہ آیت تمام اوقات واحوال کو عام ہے۔

آیت ۳: قال تعالیٰ شانہٗ:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۔[76]

اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں: ارید بہ ذکر اللّٰہ تعالٰی فی الاوقات کلھا[77] اس آیت سے یہ مراد کہ ذکرِ الٰہی جمیع اوقات میں کرو۔

آیت ۴: قال تبارك مجدہ:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا ۔[78]

اور بکثرت خدا کا ذکر کرو۔

معالم میں ہے: فی جمیع المواطن علی السراء والضراء[79] تمام مواضع میں خوشی وتکلیف میں۔

آیت ۵: قال تقدس اوصافہ:

وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا[80] ۝

---

73 ۔ تفسیر ارشاد العقل السلیم، آیۂ مذکورہ کے تحت، مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۸۔

74 ۔ القرآن، ۳۳/ ۴۱۔

75 ۔ تفسیر ارشاد العقل السلیم، آیۂ مذکورہ کے تحت، مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی بیروت ۷/ ۱۰۶۔

76 ۔ القرآن، ۲/ ۲۰۰۔

77 ۔ کافی شرح وافی۔

78 ۔ القرآن ۸/ ۴۵ و ۶۲/ ۱۰۔

79 ۔ معالم التنزیل علی ھامش خازن، پ ۲۱، مطبوعہ مصطفےٰ البابی مصر، ۵/ ۲۴۵۔

خدا کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور بکثرت یاد کرنے والی عورتوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

مولانا شیخ محقق عبد الحق محدّث دہلوی قدس سرہٗ ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں:

لایخفی ان الذکروالتسبیح والتهلیل والدعاء لاباس به لانها مشروعة فی کل الامکنة والازمان۔[81]

پوشیدہ نہیں کہ ذکر و تسبیح و تہلیل و دعا میں کچھ مضائقہ نہیں کہ یہ چیزیں تو ہر جگہ اور ہر وقت مشروع ہیں۔

اللہ اللہ کیا ستم جری ہیں وہ لوگ کہ قرآن وحدیث کی ایسی عام مطلق اجازتوں کے بعد خواہی نخواہی بندگانِ خدا کو اس کی یاد و دُعا سے روکتے ہیں حالانکہ اس نے ہر گز اس دعا سے ممانعت نہ فرمائی،

قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ[82] O

اے حبیب! ان سے پوچھیے کہ اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی ہے یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔(ت)

ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

پس بحمد اللہ آفتابِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ دعائے مذکور فی السوال قطعاً جائز ومندوب، اور اس سے ممانعت محض بے اصل و باطل و معیوب،

والحمد لله هادی القلوب والصلٰوة والسلام علٰی شفیع الذنوب واٰله وصحبه عدیمی العیوب ماتناوب للشمس الطلوع والغروب اٰمین!

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو دل کو رہنمائی عطا کرنے والا ہے اور صلوٰۃ و سلام ہو گناہوں کی شفاعت کرنے والے پر آپ کی آل واصحاب پر جن کے عیوب معدوم ہیں جب تلک شمس کے لئے طلوع وغروب ہے، آمین!(ت)

العید الثانی وبجود الحبیب حصول الامانی (اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے مقاصد کا حصول ہے۔ت) پہلے وہ فتوٰی پیشِ نظر رکھ لیجیے کہ مستندین کا حاصل سعی و مبلغ وہم ظاہر ہو حاشا اس فتوے میں جواز وعدم جواز کی اصلاً بحث نہیں، نہ سائل نے اس سے پوچھا نہ مجیب نے ناجائز لکھا بلکہ **سوال** یوں ہے ماقولهم رحمهم الله تعالٰی (ان رحمہم اللہ تعالیٰ کا کیا قول ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ جناب رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اصحاب وتابعین

---

80 ۔القرآن ۳/ ۳۵۔

81 ۔ماثبت بالسنۃ، خاتمۂ کتاب، ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور، ص ۳۲۶۔

82 ۔القرآن ۱۰/ ۵۹۔

وتبع تابعین وائمۂ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بعد نماز عیدین کے دُعا مانگتے تھے یا بعد پڑھنے خطبہ عیدین کے کھڑے کھڑے یا بیٹھ کر بدون ہاتھ اٹھائے بینوا وافتوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ یحسن الماب (کتاب کی سند کے ساتھ اسے بیان کرکے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بہت اجرو جزا پاؤ۔ت) اور **جواب** یہ ھو المصوب روایاتِ حدیث سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ عید سے فراغت کرکے خطبہ پڑھتے تھے اور بعد اس کے معاودت فرماتے، دعا مانگنا بعد نماز یا خطبہ کے آپ سے ثابت نہیں، اسی طرح صحابہ کرام وتابعینِ عظام سے ثبوت اس امر کا نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

اقول وباللہ التوفیق وبہ العروج علی اوج التحقیق (اللہ کی توفیق اور تحقیق کی بلندی پر اسی سے عروج ہے۔ت) قطع نظر اس سے یہ کہ فتویٰ محلِ احتجاج میں کہاں تک پیش ہو سکتا ہے حضرات مانعین کو ہرگز مفید، نہ ہمیں مضر، جواز وعدم کا تو اس میں ذکر ہی نہیں، سائل ومجیب دونوں کا کلام درود وعدمِ ورود میں ہے پھر مجیب نے صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہ ہونے پر جزم بھی نہ کیا، صرف اپنی نظر سے نہ گزرنا لکھا اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نہیں اور نہ دیکھا میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہ ان کے جو اکابر ماہرانِ فنِ حدیث ہیں بارہا فرماتے ہیں ہم نے نہ دیکھی اور دوسرے محدثین اس کا پتا دیتے ہیں فقیر نے اس کی متعدد مثالیں اپنے رسالہ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین میں ذکر کیں پھر یہ نہ دیکھنا بھی مجیب، خاص اپنا بیان کر رہے ہیں نہ کہ ائمۂ شان نے اس طرح کی تصریح فرمائی، کہ ایسا ہوتا تو نظر سے نہ گزرا کے عوض اس امام کا ارشاد نقل کرتے، خصوصاً جبکہ سائل درخواست کرچکا تھا کہ بینوا وافتوا بسند الکتاب (کتاب کی سند کے ساتھ بیان کرو اور فتویٰ دو۔ت) تو آج کل کے ہندی علماء کا نہ دیکھنا نہ ہونے کی دلیل کیونکر ہو سکتا ہے، آخر نہ دیکھا کہ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے حدیث صحیح سے اس کا نص صریح، ائمۂ تابعین قدست اسرارہم سے واضح کردیا والحمد للہ رب العٰلمین پھر خصوص جزئیہ سے قطع نظر کیجیے، جس کا التزام عقلاً ونقلاً کسی طرح ضرور نہیں جب تو فقیر نے خود حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس جس طرح اس کا ثبوت روشن کیا منصف غیر متعسف اس کی قدر جانے گا والحمد للہ والمنۃ، پھر سوال میں تبع تابعین وائمۂ اربعہ سے استفسار تھا مجیب نے ان کی نسبت اُس قدر بھی نہ لکھا کہ نظر سے نہ گزرا، اب خواہ ان سے ثبوت نہ دیکھا یا پوری بات کا جواب نہ ہوا، بہرحال محلِ نظر واستناد مستند صرف اس قدر کہ مجیب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفی ثبوت کرتے ہیں اور تقریب یہ کہ حدیثوں میں یہی وارد ہے کہ نماز کے متصل خطبہ اور خطبہ کے متصل معاودت فرماتے تو دعا کا وقت کون سا رہا، اس تقدیر پر ثبوتِ عدم کا ادعا ہوگا، دوسرے یہ کہ حدیثوں میں صرف نماز وخطبہ ومعاودت کا ذکر ہے دعا مذکور نہیں، یہ عدمِ ثبوت کا دعویٰ ہوگا، اور کلام مجیب سے یہی ظاہر ہے کہ 'ثابت نہیں' کہتے ہیں، نہ کہ نہ کرنا ہی ثابت ہے، اور لفظ "اسی قدر معلوم ہوتا

ہے" بھی اسی طرف ناظر، کہ اگر اس سے اثباتِ عدم مقصود ہوتا تو طرزِ ادا یہ تھی، کہ حدیثوں سے صاف ثابت کہ نماز وخطبہ ومعاودت میں فصل نہ تھا، پس دعا نہ مانگنا ثابت ہوا، بایں ہمہ شاید حضرات مانعین اپنے نفع کے گمان سے کلامِ مجیب کو خواہ مخواہ محمل اول پر حمل کریں، لہذا فقیر غفرلہ المولی القدیر دونوں محمل پر کلام کرتا ہے وباللہ التوفیق۔

محمل اوّل پر یہ کلام خود ہی بوجوہ کثیر باطل:

اوّلاً یہ تو اصلاً کسی حدیث میں نہیں کہ حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام پھیرتے ہی بغور حقیقی معاً خطبہ فرماتے تھے اور خطبہ ختم فرماتے ہی بے فصل فوراً واپس تشریف لاتے، غایت یہ کہ کسی حدیث میں فائے تعقیب آنے سے استدلال کیا جائے مگر وہ ہرگز اتصال حقیقی پر دال نہیں کہ دو حرف دعا سے فصل کی مانع ہو، فواتح شرح مسلم میں فرمایا:

الفاء للترتیب علیٰ سبیل التعقیب من غیر مھلۃ وتراخ، یعد فی العرف مھلۃ وتراخیا۔[83]

فاء ترتیب کے لئے ہے یہ بغیر مہلت وتراخی کے تعاقب کے لئے ہے عرف میں اسے مہلت شمار کیا جاتا ہے اور تراخی بھی صحیح ہے۔(ت)

یاہذا یہ، تدقیقات ضیقہ فلسفیہ نہیں، محاورات صافیہ عرفیہ ہیں، اگر زید وعدہ کرلے نماز پڑھ کر فوراً آتا ہوں تو نماز کے بعد معمولی دو حرفی دعا ہرگز عرفاً یا شرعاً مبطل فورو موجب خلافِ وعدہ نہ ہوگی، مسئلہ سجود تلاوت صلاتیہ میں مناہی ہوگا کہ دو آیتیں بالاتفاق اور تین علی الاختلاف قاطع فور نہیں۔

ثانیاً دعا تابع ہے اور توابع فاصل نہیں ہوتے، واجبت میں ضمِ سورت سنا ہوگا مگر آمین فاصل نہیں کہ تابع فاتحہ ہے، حضور پُرنور سیّدِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تسبیح حضرت بتول زہرا صلوات اللہ وسلامہ علیٰ ابیہا الکریم وعلیہا کی نسبت فرمایا:

معقبات لایخیب قائلھن۔[84] رواہ احمد ومسلم والترمذی والنسائی عن کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کچھ کلمات نماز کے بعد بلا فاصلہ کہنے کے ہیں جن کا کہنے والا نامراد نہیں رہتا۔ اسے امام احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

بایں ہمہ علما فرماتے ہیں اگر سُنن بعدیہ کے بعد پڑھے تعقیب میں فرق نہ آئے گا کہ سنن توابع فرائض سے ہیں در مختار

---

83 ۔ فواتح الرحموت بذیل المستصفی، مسئلہ الفاء للترتیب، مطبوعہ مطبعۃ امیریہ قم ایران ۱/ ۲۳۴۔

84 ۔ سُنن النسائی، نوعِ آخر من عدد التسبیح، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱/ ۱۹۸۔

میں ہے:

یکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللھم انت السلام الخ [85]

سنّتوں میں اللھم انت السلام الخ کی مقدار سے زائد تاخیر مکروہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لما رواہ مسلم والترمذی عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایقعد الا بمقدار مایقول اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام واما ماورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلٰوۃ فلا دلالۃ فیہ علی الاتیان بھا قبل السنۃ بل یحمل علی الاتیان بھا بعدھا لان السنتہ من لواحق الفریضۃ وتوابعھا ومکملا تھا فلن تکن اجنبیۃ عنھا فما یفعل بعدھا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ۔ [86]

کیونکہ مسلم اور ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام کی مقدار ہی بیٹھتے تھے، اور دیگر روایات میں جو نماز کے بعد اذکار کا ذکر ہے اس میں یہ دلالت نہیں کہ وہ اذکار سنن سے پہلے ہوتے تھے بلکہ بعد میں بھی بجا لائے جاسکتے ہیں کیونکہ سنّتیں فرائض کے لواحقات، توابع اور ان کی تکمیل کا سبب ہیں لہٰذا یہ فرائض سے اجنبی نہیں ہیں جو ان سنن کے بعد ہو اس پر یہ اطلاق کیا جاسکتا ہے کہ وہ فرائض کے بعد ہوا۔(ت)

ثالثاً مانا کہ مفاد "فا" اتصال حقیقی ہے تاہم خوب متنبّہ رہنا چاہیے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نو برس عید کی نمازیں پڑھیں ہیں تو احادیث متعددہ کا وقائع متعددہ پر محمول ہونا ممکن، پس اگر ایک حدیث صلٰوۃ وخطبہ اور دوسری خطبہ وانصراف میں وقوع اتصال پر دلالت کرے اصلاً بکار آمد نہیں کہ ایک بار بعد خطبہ، دوبارہ بعد نماز دعا کا عدم ثابت نہ ہوگا، تو (یُوں وہ) مقصود سے منزلوں دور رہے کما لایخفی۔

رابعاً مسلّم کہ ایک ہی حدیث میں دونوں اتصال مصرح ہوں تاہم بلفظ دوام تو اصلاً کوئی حدیث نہ آئی ومن ادعی فعلیہ البیان (اور جو اس کا دعوٰی کرتا ہے وہ دلیل لائے۔ت) اور ایک آدھ جگہ صلی فخطب فعاد (نماز پڑھائی، پس خطبہ دیا اور لوٹ گئے۔ت) ہو بھی تو واقعہ حال ہے اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں کما نصوا علیہ (جیسا

---

85 ۔ درمختار، فصل واذا اراد الشروع الخ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۷۹۔

86 ۔ ردالمحتار، فصل واذا اراد الشروع الخ، مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر، ۱/ ۳۹۱۔

کہ علماء نے اس پر تصریح کی ہے۔ت) اور ہم قائلِ وجوب و لزوم نہیں کہ ترک مرۃً ہمارے منافی ہو اور اگر لفظ کان یصلی فیخطب فیعود (آپ نماز پڑھاتے خطبہ دیتے اور لَوٹ جاتے۔ت) بھی فرض کرلیں تو ہنوز اس کا تکرار پر دلیل ہونا محلِ نزاع نہ کہ دوام، خود مجیب اپنے رسالہ غایۃ المقال میں کلام حافظ ابوزرعہ عراقی:

ان فی الصحیحین وغیرھما عن سعید بن یزید قال سألت انس بن مالك کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ فقال نعم وظاھرہ ان ھذا کان شانہ وعادتہ المستمرۃ دائما الخ[87]

بخاری و مسلم وغیرہما میں حضرت سعید بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نعلین کے اندر نماز ادا فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ اس کے ظاہر سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ آپ دائمی معمول تھا الخ (ت)

نقل کرکے لکھتے ہیں:

ماذکرہ من دلالۃ حدیث انس علی کون العادۃ النبویۃ مستمرۃ بالصلوۃ فی النعال منظور فیہ لعدم وجود ما یدل علیہ فیہ ولعلہ استخرجہ من لفظ کان وھو استخراج ضعیف لما نص علیہ الامام النووی فی کتاب صلٰوۃ اللیل من شرح صحیح مسلم من ان لفظ کان لا یدل علی الاستمرار والدوام فی عرفھم اصلا۔[88]

حدیث انس سے ان کا اس پر استدلال کہ نعلین میں نماز ادا کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت دائمی تھی محلِ نظر ہے کیونکہ الفاظِ حدیث میں ایسی کوئی شئ موجود نہیں شاید انہوں نے لفظ کان سے استنباط کیا ہو حالانکہ یہ استنباط ضعیف ہے کیونکہ امام نووی نے شرح مسلم کی کتاب صلوٰۃ اللیل میں تصریح کی ہے کہ لفظ کان محدثین کے عرف میں ہرگز دوام و استمرار پر دلالت نہیں کرتا۔(ت)

اس مسئلہ کی تمام تحقیق فقیر کے رسالہ التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل میں ہے۔

خامساً یہ سب تو بالائی کلام تھا احادیث پر نظر کیجئے تو وہ اور ہی کچھ اظہار فرماتی ہیں صحاح ستہ وغیرہا خصوصاً صحیحین میں روایات کثیرہ بلفظ ثم وارد، ثم فاصلہ و مہلت چاہتا ہے تو ادعا کہ احادیث میں اتصال ہی آیا محض بلکہ حرفِ اتصال اگر دہ ایک حدیث میں ہے تو کلمہ انفصال آٹھ دس میں، اب روایات سنیے:

---

87 ۔رسالہ غایۃ المقال من مجموعہ رسائل عبدالحی، فصل فی الصلوٰۃ، مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ، ص۱۰۹۔

88 ۔رسالہ غایۃ المقال من مجموعہ رسائل عبدالحی، فصل فی الصلوٰۃ، مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ، ص۱۰۹۔

حدیث ۱: صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

واللفظ لمسلم قال شهدت صلٰوة الفطر مع نبی الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر وعثمٰن رضی الله تعالٰی عنهم فکلهم یصلیها قبل الخطبة ثم یخطب۔[89]

مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کی معیّت میں نماز عید الفطر ادا کی ان سب نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔(ت)

حدیث ۲: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یصلی فی الاضحی والفطر ثم یخطب بعد الصلٰوة۔[90]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عید الاضحی اور عید الفطر کی نماز پڑھاتے پھر نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرماتے۔(ت)

حدیث ۳: اسی کے باب استقبال الامام الناس فی خطبة العید میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

خرج النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یوم اضحی فصلی العید رکعتین ثم اقبل علینا بوجهه وقال الحدیث۔[91]

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اضحٰی کے دن تشریف لائے پھر عید کی دو رکعات پڑھائیں پھر آپ نے ہماری طرف رُخِ انور کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔(ت)

حدیث ۴: اسی میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصلی یوم النحر ثم خطب الحدیث۔[92]

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عید الاضحی کے روز نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔(ت)

حدیث ۵: اسی میں حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

صلی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یوم النحر ثم خطب ثم ذبح۔[93]

---

89 ۔ صحیح مسلم، کتاب العیدین، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱/ ۲۸۹۔

90 ۔ صحیح البخاری، کتاب العیدین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۳۱۔

91 ۔ صحیح البخاری، کتاب العیدین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۳۳۔

92 ۔ صحیح البخاری، کتاب العیدین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۳۴۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی کے دن نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر قربانی کی۔(ت)

حدیث ٦: جامع ترمذی میں بافادۂ تحسین و تصحیح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابوبکر وعمر یصلون فی العیدین قبل الخطبۃ ثم یخطبون۔[94]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھاتے تھے پھر خطبہ دیتے۔(ت)

حدیث ۷: سُنن نسائی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یخرج یوم العید فیصلی رکعتین ثم یخطب۔[95]

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید کے دن باہر تشریف لاتے آپ دو رکعتیں پڑھاتے پھر خطبہ دیتے۔(ت)

یہ سات حدیثیں ظاہر کرتی ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صدیق وفاروق وعثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نمازِ عیدین کا سلام پھیر کر کچھ دیر کے بعد خطبہ شروع فرماتے۔

حدیث ۸: صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

واللفظ للبخاری کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی فاول شیئ یبدؤبہ الصلٰوۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفھم فیعظھم ویوصیھم فان کان یرید ان یقطع بعثا قطعہ اویامر بشیئ امر بہ ثم ینصرف۔[96]

الفاظِ بخاری یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر اور اضحیٰ کے دن باہر عید گاہ میں تشریف لائے سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے لوگ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے آپ انہیں وعظ ونصیحت فرماتے، اگر آپ نے کسی لشکر کو بھیجنا ہوتا تو روانہ فرماتے اور کسی کا حکم دینا ہوتا تو حکم فرمادیتے پھر آپ واپس تشریف لاتے۔(ت)

یہ حدیث خطبہ ومعاودت میں فصل بتاتی ہے۔

---

93 ۔ صحیح البخاری، کتاب العیدین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۳۴۔

94 ۔ جامع الترمذی، باب فی صلٰوۃ العیدین، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱/ ۷۰۔

95 ۔ سنن نسائی، کتاب صلٰوۃ العیدین، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱/ ۲۳۴۔

96 ۔ صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب خروج الصبیان، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۳۱۔

حدیث ۹: بخاری و مسلم و دارمی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ حضرت حبر الامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال خرجت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم فطر او اضحی فصلی ثم خطب ثم اتی النساء فوعظھن و ذکرھن وامرھن بالصدقۃ۔[97]

فرمایا میں فطر اور اضحیٰ کے روز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر خواتین کے اجتماع میں تشریف لے گئے انہیں وعظ و نصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ کا حکم دیا۔(ت)

یہ حدیث دونوں جگہ فصل کا اظہار کرتی ہے، سبحٰن اللہ! پھر کیونکر ادعا کرسکتے ہیں کہ نماز و خطبہ و خطبہ و معاودت میں ایسا اتصال رہا جو عدمِ دعا پر دلیل ہوا، اگر کہیے ثمّ کبھی مجازاً بحالتِ عدمِ مہلت بھی آتا ہے قال الشاعر:

کھزا الردینی تحت العجاج
جری فی الانابیب ثم اضطرب[98]

(اس کی حرکت اس ردینی نیزے کی طرح ہے جو میدانِ کارزار میں اڑنے والے غبار میں حرکت کرتے ہوئے پوروں پر لگتا ہے تو جنبش کرتا ہے)

اقول تم متدل ہو اور متدل کو احتمال کافی نہیں خصوصاً خلافِ اصل، کمالایخفی علی ذی عقل (یہ کسی صاحبِ عقل پر پوشیدہ نہیں۔ت) معہذا ف بارہا مجرد ترتیب بے معنی اتصال و تعقیب کے لئے آتی ہے، امام جلال الدین سیوطی اتقان میں زیر بیان ف فرماتے ہیں:

قد تجیئ لمجرد الترتیب نحو فراغ الیٰ اٰھلہ فجاء بعجل سمینO فقربہ الیھم فاقبلت امرأتہ فی صرّۃ فصکّت وجھھا۔ فالزاجرات زجراOفالتالیات۔[99]

کبھی کبھی فاء محض ترتیب کے لئے آتی ہے، مثلاً ان آیات میں (ترجمہ آیات) پھر اپنے گھر گیا تو ایک فربہ بچھڑا لے آیا پھر اسے ان کے پاس رکھا۔ اس پر اس کی بیوی چلّاتی آئی پھر اپنا ماتھا ٹھونکا۔ پھر قسم ان کی کہ جھڑک کر چلائیں۔ پھر ان جماعتوں کی کہ قرآن پڑھیں۔(ت)

بلکہ مسلّم الثبوت میں ہے:

---

97 ۔ صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب خروج الصبیان، مطبوعہ قدیمی کت خانہ کراچی، ۱/ ۱۳۳۔

98 ۔ اوضح المسالک الی الفیہ ابن مالک، بحث لفظ ثمّ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۳/ ۴۳

شرح الزرقانی علی المواہب الدنیۃ، فرع سادس من الفصل الثانی، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۸/ ۲۹۔

99 ۔ الاتقان، النوع الاربعون فی معرفۃ معانی الادوات الخ، مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر، ۱/ ۱۶۶۔

الفاء للترتیب علی سبیل التعقیب ولو فی الذکر۔[100]

فاء بطریق تعقیب ترتیب کے لئے آتی ہے خواہ وہاں ترتیب ذکری ہو۔ (ت)

توایک **ف** کا مجرد ترتیب یا ترتیب فی الذکر مجاز پر حمل اولٰی ہے یا دس **ثمّ** کا مجاز پر۔

سادساً یہ عدم فصل بطور سلب عموم لیتے ہو تو ہمیں کیا مضر اور تمہیں کیا مفید کہ ہمیں ایجاب کلی کی ضرورت نہیں، کہ سلب جزئی ہمارے خلاف ہو، اور بطور عموم، سلب تو دونوں جگہ اس کا بطلان ثابت وواضح۔ صحیح حدیثیں تصیص کر رہی ہیں کہ بالیقین دونوں جگہ فصل واقع ہوا، نماز وخطبہ میں وہ **حدیث**[۱۰۱] (۱۰) کہ ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی:

واللفظ لابن ماجة قال حضرت العید مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فصلی بنا العید ثم قال قد قضینا الصلٰوة فمن احب ان یجلس للخطبة فلیجلس ومن احب ان یذهب فلیذهب۔[101]

ابنِ ماجہ کے الفاظ یہ ہیں، میں عید میں حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا حضور نے نمازِ عید پڑھائی پھر فرمایا ہم نماز تو پڑھ چکے اب جو سننے کے لئے بیٹھنا چاہے بیٹھے اور جو جانا چاہے چلا جائے۔

اگر **ثمّ** کا خیال نہ بھی کیجیے تو یہ کلام نماز وخطبہ کے درمیان فاصل تھا تو ہمیشہ اتصال حقیقی ہونا باطل ہوا اور خطبہ ومعاودت میں تو فصل کثیر اسی حدیث نہم سے ثابت جو عنقریب گزری جس کی ایک روایت بخاری ومسلم وابوداؤد ونسائی کے

---

100 ۔ مسلم الثبوت، مسئلہ الفاء للترتیب، مطبع انصاری دہلی، ص ۶۱۔

۱۰۱ ۔ اقول یہ حدیث صحیح ہے،

رواہ ابوداؤد عن محمد بن الصباح البزار صدوق والنسائی عن محمد بن یحی بن ایوب ثقة وابن ماجة عن هدیة بن عبدالوهاب صدوق وعمر بن رافع البجلی ثقة ثبت کلهم قالوا انا الفضل بن موسی ثقة ثبت انا ابن جریج عن عطاء وهما ما هما عن عبدالله بن السائب رضی الله تعالٰی عنهما له ولابیه صحبة فتصویب دس وابن معین ارساله غیر متاثر عندنا بعد ثقة الرجال فالحدیث صحیح علٰی اصولنا ۱۲ منه (م)

اس کو ابوداؤد نے محمد بن الصباح البزار سے (جو صادق ہیں) اور نسائی نے محمد بن یحیٰی بن ایوب سے (جو ثقہ ہیں) اور ابن ماجہ نے ہدیہ میں عبدالوہاب سے (جو کہ صدوق ہیں) اور عمر بن رافع البجلی (جو کہ ثقہ ہیں) تمام نے کہا کہ ہمیں فضل بن موسٰی (جو ثقہ اور مضبوط ہیں) انہوں نے کہا ہمیں بن جریج نے عطاء سے (یہ دونوں مقام میں مسلم ہیں) نے عبداللہ بن السائب رضی اللہ تعالٰی عنہ (ان کو اور ان کے باپ کو صحبت ہے) پس ابوداؤد اور نسائی کی تصویب ہوئی اور ابن معین کا رجال کے ثقہ ہونے کے بعد اس کو مرسل بنانا متاثر نہیں کرے گا، پس ہمارے ہاں یہ حدیث صحیح ہے ۱۲ منہ (ت)

101 ۔ السنن لابن ماجہ، ماجاء فی صلٰوۃ العیدین، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۹۳۔

یہاں یوں ہے:

صلی (یعنی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ثم خطب ثم اتی النساء ومعہ بلال فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ فرایتھن یھوین بایدیھن یقذفنھن فی ثوب بلال ثم انطلق ھو وبلال الٰی بیتہ۔[102]

یعنی حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز عید پڑھی پھر بعدہٗ خطبہ فرمایا پھر بعد ازاں صفوف زنان پر تشریف لاکر انہیں وعظ وارشاد کیا اور صدقہ کا حکم دیا تو میں نے دیکھا کہ بیبیاں اپنے ہاتھوں سے گہنا اتار اتار کر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی تھیں پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاشانۂ نبوت کو تشریف فرما ہوئے۔

دیکھو خطبہ کے کتنی دیر بعد معاودت ہوئی یہ وعظ وارشاد کہ بیبیوں کو فرمایا گیا جزءِ خطبہ نہیں بلکہ اُس سے جدا ہے، صحیحین میں روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما صاف فرماتے ہیں کہ:

ثم خطب الناس بعد فلما فرغ نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزل فاتی النساء فذکرھن[103] الحدیث۔

یعنی پھر بعد نماز حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا، جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے اُتر کر بیبیوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں تذکیر فرمائی، الحدیث۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں ناقل:

ھذہ الروایۃ مصرحۃ بان ذلک کان بعد الخطبۃ۔[104]

یہ روایت اس پر تصریح ہے کہ یہ عمل خطبہ کے بعد تھا۔(ت)

امام نووی منہاج میں فرماتے ہیں:

انما نزل الیھن بعد فراغ خطبۃ العید۔[105]

آپ خواتین کے اجتماع میں خطبۂ عید کے بعد تشریف لے گئے تھے۔(ت)

---

102 ۔ صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب العلم بالمصلی، مطبوعہ نور محمد قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۳۳۔

103 ۔ صحیح مسلم، کتاب العیدین، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱/ ۲۸۹۔

104 ۔ شرح الزرقانی علی المواہب الدنیۃ، فرع سادس، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۸/ ۲۹۔

105 ۔ منہاج نووی شرح مسلم مع مسلم، کتاب صلوۃ العیدین، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱/ ۲۸۹۔

پس بحمد اللہ تعالیٰ ماہ نیم ماہ مہر نیم روز کی طرح روشن ہوا کہ اس تقریر سے عدمِ دُعا کا ثبوت چاہنا محض ہوس خام اور اس محمل پر یہ کلام خود باطل و بے نظام والحمد للہ ولی الانعام (سب تعریف اللہ کے لئے جو انعام کا مالک ہے۔ت)

اب **محمل** دوم کی طرف چلیے جس کا یہ حاصل کہ حدیثوں میں صرف نماز و خطبہ کا ذکر ہے ان کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دعا مانگنا مذکور نہ ہوا۔

اقول یہ حضرات مانعین کے لئے نام کو بھی مفید نہیں، سائل نے اس فعل خاص بخصوصیت خاصہ کا سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صدور پوچھا تھا کہ کس طور پر ہوا، اس کا جواب یہی تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس فعل خاص کی نقل جزئی نظر سے نہ گزری مگر اسے عدم جواز کا فتویٰ جان لینا محض جہالت بے مزہ۔

اوّلاً عید اوّل میں گزرا کہ حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے عموم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس دُعا کا ثبوت فعلی بتا رہی ہے۔

ثانیاً ثبوت فعلی نہ ہو تو قولی کیا کم ہے بلکہ من وجہ قول فعل سے اعلیٰ واتم ہے۔ اب عید اول کی تقریریں پھر یاد کیجیے اور حدیثِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو بعد نماز عید خود رب مجید جل وعلا کا اپنے بندوں سے تقاضائے دعا فرمانا بتا رہی ہے، اس کے بعد اور کسی ثبوت کی حاجت کیا ہے، اگر کہیے وہ حدیث ضعیف ہے **اقول** فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور اثباتِ استحباب میں کافی ووافی ہے کما نص علیہ العلماء الفحول (جیسا کہ اکابر علماء نے اس پر تصریح فرمائی ہے۔ت) خود مجیب کے آخر جلد دوم کے فتاوٰی میں ہے:

حدیث ضعیف برائے استحباب کافی ست چنانچہ امام ہمام در فتح القدیر در کتاب الجنائز می نویسند والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتہی۔[106]

حدیثِ ضعیف استحباب کے لئے کافی ہوتی ہے جیسا کہ ابنِ ہمام نے فتح القدیر کے باب الجنائز میں لکھا ہے کہ حدیث ضعیف غیر موضوع سے مستحب ہونا ثابت ہو جاتا ہے انتہی (ت)

ثالثاً جب شرع مطہر سے حکم مطلق معلوم کہ جواز و استحباب ہے تو ہر فرد کے لئے جداگانہ ثبوت قولی یا فعلی کی اصلاً حاجت نہیں کہ باجماع واطباق عقل و نقل حکم مطلق اپنی تمام خصوصیات میں جاری وساری اطلاقِ حکم کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس ماہیت کلیہ یا فرد منتشر کا جہاں وجود ہو حکم کا ورود ہو اور فردیت بے خصوصیت محال اور وجود عینی و تعین متساوق تو جس قدر خصوصیات و تعینات معقول ہوں سب بالیقین اسی حکم مطلق میں داخل، جب تک کسی خاص کا استثناء شرع مطہر سے

---

106 ۔ مجموعہ فتاوٰی محمد عبد الحیٔ، کتاب الصلوٰۃ، مطبوعہ مطبع یوسفی لاہور، ۱/ ۲۴۸۔

ثابت نہ ہو، اس قاعدہ جلیلہ کی تحقیق مبین حضرت خاتم المحققین امام المدققین حجۃ اللہ فی الارضین سیّدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد میں افادہ فرمائی من شاء فلیتشرف بمطالعتہ (جو چاہے اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کرے۔ت) یہاں اسی قدر کافی کہ خود حضرات وہابیہ کے امام ثانی و معلم اوّل میاں اسمٰعیل دہلوی رسالہ بدعت میں لکھتے ہیں:

درباب مناظرہ در تحقیق حکم صورت خاصہ کسے کہ دعوے جریان حکم مطلق در صورت خاصۂ مبحوث عنہا می نماید ہمانست متمسک باصل کہ دراثبات دعوے خود حاجت بدلیلے ندارد و دلیل او ہماں حکم مطلق ست وبس۔[107]

مناظرہ میں کسی صورتِ خاصہ کے ثبوت کے لئے یہ دعوٰی کہ حکم مطلق ہے اور اس کا اطلاق صورتِ خاصہ پر بھی ہوتا ہے اصل کے ساتھ استدلال ہے کیونکہ اصل کے ساتھ استدلال میں دلیل کی حاجت نہیں ہوتی یہی دلیل کافی ہے کہ حکم مطلق ہے۔ (ت)

رابعاً ہم صدر جواب میں حضرت ائمہ تابعین سے اس دعا کا ثبوت روایت کر آئے پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت نہ ہونے کو، مانعین کس منہ سے منع ٹھہرا سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک تشریح احکام تابعین تک باقی رہتی اور ان کے بعد منقطع ہوتی ہے پھر قرنِ اول سے عدم ثبوت کیا مضر و منافی ہے۔

خامساً ہر عاقل جانتا ہے کہ ادعائے ثبوت میں قابلِ جزم وتصدیق صرف عدم وجدانِ قائل ہے اور عدم وجدان، عدم وجود کو مستلزم نہیں خصوصاً ابنائے زماں میں۔ اور امر واضح ہے اور سبر فاضح۔ اور گزرا اشارہ اور آئے گا دوبارہ، ہم نے اس کا کچھ بیان اپنے رسالہ صفائح اللجین وغیرہا میں لکھا یہاں اتنا ہی بس ہے کہ خود مجیب اپنی کتاب السعی المشکور فی رد المذھب الماثور میں لکھتے ہیں:

"نفیِ رؤیت سے نفیِ وجود لازم نہیں، نظائر اس کے بکثرت ہیں کم نہیں مجملہ ان کے حدیثِ عائشہ ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے:

مارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسبح سبحۃ الضحٰی وانی لاسبحھا[108] انتھی۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نماز چاشت ادا کرتے نہیں دیکھا اور میں ادا کرتی ہوں انتہی (ت)

حالانکہ اُس سے نفی وجود لازم نہیں ہے باحادیث متکاثرہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا صلوٰۃ الضحٰی ادا کرنا ثابت ہے اسی وجہ سے جلال الدین سیوطی رسالہ صلوٰۃ الضحٰی میں لکھتے ہیں الخ"

107۔ رسالہ بدعت میاں اسمٰعیل دہلوی۔

108 ۔ کتاب السعی المشکور لعبد الحی، بحث اس کی کہ نفی رؤیت سے نفی وجود لازم نہیں، مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ، ص ۱۱۳۔

جب ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک عدمِ ثبوت عدمِ ثبوت واقعی کو مستلزم نہ ہوا تو زید و عمرو من و تُو کس شمار و قطار میں ہیں۔

سادساً عدمِ ثبوت مان بھی لیں تو اس کا صرف یہ حاصل کہ منقول نہ ہوا، پھر عقلاء کے نزدیک عدمِ نقل نقلِ عدم نہیں یعنی اگر کوئی فعل بخصوصہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا بھی نہ ہو، امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

عدم النقل لاینفی الوجود[109] (عدمِ نقل نفیِ وجود کو مستلزم نہیں۔ت) خود مجیب اپنی سعی مشکور میں تنزیہ الشریعۃ امام ابن عراق سے نقل کرتے ہیں: عدم الثبوت لایلزم منہ اثبات العدم[110] (عدمِ ثبوت سے اثباتِ عدم لازم نہیں آتا۔ت)

سابعاً خادمِ حدیث جانتا ہے کہ بارہا رواۃ حدیث امور مشہورہ معروفہ کو چھوڑ جاتے ہیں اور ان کا وہ ترک، دلیلِ عدم نہیں ہوتا، ممکن کہ یہاں بھی بربنائے اشتہار حاجت ذکر نہ جانی ہو، اس اشتہار کا پتا اس حدیث صحیح سے چلے گا جو ہم نے صدر کلام میں روایت کی کہ جب تابعین عظام میں بعد نماز عیدین دعا کا رواج تھا تو ظاہراً انہوں نے یہ طریقہ انیقہ صحابۂ کرام اور صحابۂ کرام نے حضور سیّد الانام علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کیا، حضرات مانعین اگر دیانت پر آئیں تو سچ سچ بتادیں گے کہ عیدین کے قعدۂ اخیرہ میں خود بھی دعا درود پڑھتے اور اسے جائز و مستحب جانتے ہیں، اس کی خاص نقل حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دکھادیں یا اپنے بدعتی ہونے کا اقرار کریں، اور اگر فرائض پر قیاس یا اطلاقات سے تمسک کرتے ہیں تو یہاں کیوں یہ طرق نامقبول ٹھہرتے ہیں واللہ الموفق۔

ثامناً نقلِ عدم بھی سہی پر وہ نقلِ منع نہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا[111] جو رسول دے وہ لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ ما فعل الرسول فخذوہ ومالم یفعل فانتھوا رسول جو کرے کرو اور جو نہ کرے اس سے بچو، کہ شرعاً یہ دونوں قاعدے منقوض ہیں۔ امام الوہابیہ کے عمِ نسب و پدرِ علم و جدِّ طریقت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

نکردن چیزے دیگرست و منع فرمودن چیزے دیگر۔[112]

---

109 ۔ فتح القدیر، کتاب الطہارۃ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/ ۲۰۔

110 ۔ کتاب السعی المشکور فی رد المذہب المشہور لعبد الحی، ضعیف رواۃ وجہالت الخ، مطبوع چشمۂ فیض لکھنؤ، ص ۱۹۷۔

111 ۔ القرآن، ۵۷/ ۲۳۔

112 ۔ تحفۂ اثنا عشریہ، باب دہم مطاعن ابو بکر رضی اللہ عنہ، سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۲۶۹۔

کسی چیز کا نہ کرنا اور شئی ہے اور منع کرنا اور شئی ہے۔(ت)

تاسعاً اگر مجرد عدمِ نقل یا عدمِ فعل مستلزم ممانعت ہو تو کیا جواب ہو گا، شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبد الرحیم صاحب اور صاحبزادے شاہ عبد العزیز صاحب اور امام الطائفہ میاں اسمٰعیل اور ان کے پیر سیّد احمد اور شیخ السلسلہ جناب شیخ مجدّد صاحب اور عمائد سلسلہ مرزا مظہر صاحب و قاضی ثناء اللہ صاحب وغیر ہم سے جنہوں نے اذکار و اشغال و اوراد وغیرہا کے صدہا طریقے احداث و ایجاد کئے اور ان کے محدث و مخترع ہونے کے خود اقرار لکھے پھر انہیں سببِ قُربِ الٰہی و رضائے ربانی جانا کیے اور خود عمل میں لاتے اوروں کو ان کی ہدایت و تلقین کرتے رہے۔ شاہ ولی اللہ قول الجمیل میں لکھتے ہیں:

لم یثبت تعین الاداب ولا تلك الاشغال۔[113]

نہ یہ تعیّنِ آداب ثابت ہے اور نہ یہ اشغال۔(ت)

مرزا جان جاناں صاحب مکتوب ۱۱ میں فرماتے ہیں:

ذکر جہر یا کیفیاتِ مخصوصہ و نیز مراقبات بہ اطوار معمولہ کہ در قرونِ متأخرہ رواج یافتہ از کتاب وسنّت ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشائخ بطریق الہام واعلام از مبدء فیاض اخذ نمودہ اند و شرع ازاں ساکت است و داخل دائرۂ اباحت و فائدہ دراں متحقق و انکار آں ضرورتے۔[114]

ذکر بالجہر مخصوص کیفیات کے ساتھ اس طرح اطوار معمول کے ساتھ مراقبات جو متاخرین کے دور میں رواج پا چکے ہیں یہ کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں بلکہ حضرات مشائخ نے بطریقِ الہام واعلام مبدء فیاض سے حاصل کیے ہیں، اور شریعت ان کے بارے میں خاموش ہے اور یہ دائرۂ اباحت میں داخل، اور ان کے فوائد ہیں نقصان کوئی نہیں۔(ت)

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس کی قدرے تفصیل اپنے رسالہ انھار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار میں ذکر کی وباللہ التوفیق۔

عاشراً ان سب صاحبوں سے درگزریے، خود وہ عالم جن کا فتوٰی اس مسئلہ میں تمہارا مبلغ استناد و منتہائے استمداد ہے یعنی مولوی لکھنوی مرحوم انہیں کے فتاوٰی کی تصریحات جلیہ تنصیصاتِ قویہ دیکھیے کہ ان کے اصول و فروع کس درجہ تمہارے فروع واصول کے قاطع و قامع ہیں۔ پھر ان مسائل میں ان کا دامن تھامنا، چراغِ خرد کا، صرصر جہل سے سامنا، عقل وہوش سے لڑائی ٹھاننا، نافع و مضر میں فرق نہ جاننا، نہیں تو کیا ہے۔ میں یہاں ان کی صرف دو عبارتوں کی نقل کروں گا جو حضرات وہابیہ کے اسی مغالطہ عامۃ الورود یعنی حدوثِ خصوص اور قرونِ ثلٰثہ سے عدمِ ورود کو دلیل منع جاننے کی

---

113 ۔القول الجمیل مع شفاء العلیل، فصل ۱۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۱۷۳۔

114 ۔مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں، از کلمات طیبات، مکتوب ۱۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ص ۲۳۔

قاطع وفاضح ہیں اور وہ بھی صرف اسی مجموعہ فتاوٰی، نہ ان کے دیگر رسائل سے، تاکہ سب پر ظاہر ہو ع

کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور

(تو نے اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی)

پھر ان میں بھی قصدِ استیعاب نہیں بلکہ صرف چند عبارتیں پیش کروں گا، بعض مفید ضوابط واصول اور بعض میں فروع قاطعۂ اصولِ فضول واللہ المستعان علٰی کل جہول۔

الاصول... عبارت ۱: مجموعہ فتاوٰی جلد اوّل کے صفحہ ۵۶ پر علّامہ سید شریف کے حواشی مشکٰوۃ سے استناداً نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حدیث:

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردّ۔

جس نے ہمارے امر میں نئی ایجاد کی وہ اس میں سے نہ تھی وہ مردود ہوگی۔ (ت)

کی شرح میں فرمایا:

المعنی ان من احدث فی الاسلام رأیا لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سند ظاھر اوخفی ملفوظ اومستنبط فھو مردود علیہ انتھی۔[115]

یعنی حدیث کے یہ معنٰی ہیں کہ جو شخص دین میں ایسی رائے پیدا کرے جس کے لئے قرآن وسنت میں ظاہر یا پوشیدہ، صراحتہً یا استنباطاً کسی طرح کی سند نہ ہو وہ مردود ہے انتہٰی۔

تو صاف ثابت ہوا کہ قرونِ ثلٰثہ سے ورودِ خصوصیت، زنہار ضرور نہیں بلکہ عموم واطلاق اباحت میں دخول بسند کافی ہے کما ھو مذھب اھل الحق (جیسا کہ اہلِ حق کا مذہب ہے۔ ت)

عبارت ۲: اسی کے صفحہ ۵۷ پر امام ابن حجر مکی کی فتح مبین شرح اربعین سے ناقل:

المراد من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ ماینافیہ اولا یشھد لہ قواعد الشرع والادلۃ العامۃ انتھی۔[116]

یعنی حدیث کی مراد یہ ہے کہ وہی نو پیدا چیز بدعت سیئہ ہے جو دین وسنت کا رد کرے یا شریعت کے قواعد اطلاق ودلائل عموم تک اس کی گواہی نہ دیں۔

عبارت ۳: اسی صفحہ میں خود لکھتے ہیں:

---

115 ۔ مجموعہ فتاوٰی، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۲/ ۸۔

116 ۔ مجموعہ فتاوٰی، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۲/ ۹۔

گمان نبری کہ استحسان شرعی صفت آن مامور بہ است کہ صراحۃً در دلیلے از دلائل اربعہ امر باو وارد شدہ باشد بلکہ استحسان صفت ہر مامور بہ است خواہ صراحۃً امر باو وارد شدہ باشد یا از قواعد کلیہ شرعیہ سندش یافتہ شدہ باشد۔[117]

یہ گمان نہ ہو کہ استحسان شرعی ایسے مامور بہ کی صفت ہو گا جس پر دلائل اربعہ میں سے صراحۃً کوئی دلیل وارد ہو گی بلکہ استحسان ہر اس مامور بہ کی صفت بن سکتا ہے خواہ صراحۃً اس پر امر وارد ہو یا قواعد کلیہ شرعیہ سے اس پر سند ہے۔ (ت)

عبارت ۴: صفحہ ۵۸ پر لکھا:

ہر محدثیکہ وجودش بخصوصہ درزمانے از ازمنۂ ثلثہ نباشد لیکن سندش در دلیلے از ادلۂ اربعہ یافتہ شود ہم مستحسن خواہد شد نمی بینی کہ بنائے مدارس[118] الخ۔

ہر وہ نئی شئ جس کا وجود تین زمانوں میں سے کسی زمانہ میں نہ ہو لیکن اس پر ادلّہ اربعہ سے سند موجود ہو تو وہ بھی مستحسن ہو گی آپ مدارس وغیرہ کی ایجاد نہیں دیکھتے الخ (ت)

عبارت ۵: صفحہ ۵۳۱:

کتبِ فقہ میں نظائر اس کے بہت موجود ہیں کہ ازمنہ سابقہ میں ان کا وجود نہ تھا مگر بہ سبب اغراضِ صالحہ کے حکم اس کے جواز کا دیا گیا۔[119]

الفروع... عبارت ۶: صفحہ ۶۲:

اگر تسلیم کنم کہ ذکرِ مولد درازمنۂ ثلثہ نبود ونہ از مجتہدین حکم او منقول شد لیکن چوں در شرع ایں قاعدۂ ممہد شدہ است کل فرد من افراد نشر العلم فھو مندوب وذکر مولد نیز زیر آنست لابد حکم مندوبیت او دادہ خواہد شد۔[120]

اگر میں تسلیم کرلوں کہ ذکرِ مولد تین زمانوں میں سے کسی میں نہیں اور مجتہدین سے اس کا حکم منقول نہیں ہے لیکن شرع میں جب یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ ہر وہ فرد جس سے علم کی اشاعت ہو وہ مندوب ہوتا ہے تو ذکرِ مولد بھی اسی میں شامل ہے تو ضروری ہے اسے بھی مندوب کہا جائے۔ (ت)

عبارت ۷: صفحہ ۲۹۸:

بعد دو رکعت سنتِ ظہر و مغرب و عشا کے دو رکعت نفل پڑھنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اب تک نظر سے

---

117 ۔ مجموعہ فتاوٰی، کتاب الخاطر والاباحۃ، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۲/ ۹۔

118 ۔ مجموعہ فتاوٰی، کتاب الخاطر والاباحۃ، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۲/ ۹۔

119 ۔ مجموعہ فتاوٰی، کتاب المساجد، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۱/ ۱۱۳۔

120 ۔ مجموعہ فتاوٰی، کتاب المساجد، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۲/ ۱۲۔

نہیں گزرا لیکن جو شخص بقصدِ ثواب بدون اعتقاد سنیت پڑھے گا وہ ثواب پائے گا کیونکہ حدیث میں وارد ہے:

الصلٰوۃ خیر موضوع فمن شاء فلیقلل ومن شاء فلیکثر۔[121]

نماز سب سے بہتر عمل ہے جو چاہتا ہے کم کرے اور جو چاہتا ہے زیادہ کرے (ت)

اقول سائل سے پوچھا تھا اصل اس کی سنّت واجماع وقیاس سے ثابت ہے یا نہیں اور اُن میں بعض کے لئے ثبوت، خاص احادیث سے نظر فقیر میں حاضر مگر کلام رد خیالات وہابیت میں ہے وھو حاصل (اور یہی حاصل ہے۔ت)

عبارت ۸: صفحہ ۲۹۴:

الوداع یا الفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلماتِ حسرت ورخصت کے ادا کرنا فی نفسہٖ امر مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعثِ ندامت وتوبہ سامعان ہوئے تو امیدِ ثواب ہے مگر اس طریقہ کا ثبوت قرونِ ثلٰثہ میں نہیں[122] الخ

عبارت ۹: مجموعہ فتاوی جلد دوم صفحہ ۱۷۰:

کسیکہ می گوید کہ وجودیہ وشہودیہ از اہلِ بدعت اند قولش قابلِ اعتبار نیست ومنشأ قولش جہل وناواقفیت است از احوال اولیاء از معنے توحید وجودی وشہودی وشاعری کہ ذم ہر دو فرقہ ساختہ قابلِ ملامت است واللہ اعلم۔[123]

جو شخص یہ کہتا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود والے اہلِ بدعت ہیں اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کی وجہ اس کا احوالِ اولیاء اور معنی توحید وجودی اور شہودی سے جہالت وناواقفیت ہے اور وہ شاعر جو ان دونوں طبقات پر طعن کرتا ہے وہ قابلِ مذمت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ذرا تقویۃ الایمان کی بالاخوانیاں یاد کیجئے۔

عبارت ۱۰: صفحہ ۴۲۱:

فی الواقع شغلِ برزخ اس طور پر کہ حضرات صوفیہ صافیہ نے لکھا ہے نہ شرک ہے نہ ضلالت، ہاں افراط وتفریط اس میں منجر ضلالت کی طرف ہے، تصریح اس کی مکتوبِ مجدد الف ثانی میں جابجا موجود ہے واللہ اعلم[124]

سبحٰن اللہ وہ عالم کہ تمہارے مذہب نامہذب پر معاذ اللہ صراحۃً مشرک ومجوز شرک ہو چکا اس پر اعتماد اور اُس کے فتوے سے استناد کس دین ودیانت میں روا۔

121۔ مجموعہ فتاوی، کتاب الصلوۃ، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۱/ ۱۵۳۔

122۔ مجموعہ فتاوی، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۲/ ۲۵۔۲۴۔

123۔ مجموعہ فتاوی، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۲/ ۵۸۔

124۔ مجموعۂ فتاوی۔

عبارت ۱۱: اسی کی جلد سوم صفحہ ۵۸ میں ہے:

سوال: وقتِ ختم قرآن در تراویح سہ بار سورۂ اخلاص می خوانند مستحسن است یانہ۔

سوال: تراویح میں ختمِ قرآن کے وقت تین بار سورۂ اخلاص پڑھنا مستحسن ہے یا نہیں؟

جواب: مستحسن است۔[125]

جواب: مستحسن ہے۔(ت)

عبارت ۱۲: صفحہ ۱۲۵:

اما جمع میان تکلم بالفاظِ سلام و دست بر داشتن و بر سر یا سینہ نہادن پس ظاہر الاباس بہ است۔[126]

لفظِ سلام کہتے ہوئے سر پر یا سینہ پر ہاتھ رکھنے میں ظاہراً کوئی حرج نہیں۔(ت)

عبارت ۱۳: صفحہ ۱۲۷:

سوال: بسم اللہ نوشتن بر پیشانی میّت از انگشت درست یانہ؟

سوال: میّت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: درست است۔[127]

جواب: درست ہے۔(ت)

عبارت ۱۴: صفحہ ۱۳۳:

سوالِ قیام وقت ذکرِ ولادت باسعادت کے جواب میں قیام بالقصد کا قرون ثلٰثہ سے منقول نہ ہونا اور بعض احوال میں صحابہ کرام کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے قیام نہ کرنا نقل و تحریر کر کے لکھتے ہیں:

لیکن علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا قیام می فرمایند امام برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ در رسالہ مولد می نویسند وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذو روایۃ ودرایۃ فطوبیٰ لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ انتھی۔[128]

لیکن حرمین شریفین (اللہ تعالیٰ ان کو اور شرف عطا فرمائے) کے علماء قیام کرتے ہیں، امام برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسالہ مولد میں لکھتے ہیں صاحبِ روایۃ ودرایۃ ائمہ ذکرِ مولد شریف کے وقت قیام مستحسن تصور کرتے ہیں مبارک ہے ان

---

125 ۔ مجموعہ فتاوٰی، باب التراویح، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۳/ ۵۷۔

126 ۔ مجموعہ فتاوٰی باب المصافحہ والمعانقہ، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۳/ ۱۲۱۔

127 ۔ مجموعہ فتاوٰی، باب مایتعلق بالموتی، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۳/ ۱۲۳۔

128 ۔ مجموعہ فتاوٰی، باب قیام میلاد شریف، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ ۳/ ۱۳۰۔

علماء کے لیے جس کا مقصد و منزل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تعظیم ہے انتہی (ت)

یعنی ذکرِ ولادت شریف کے وقت قیام کرنے کو ان اماموں نے مستحسن فرمایا ہے جو صاحبِ روایت ودرایت تھے توخوشی وشادمانی ہو اسے جس کی نہایت مراد ومقصد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور خود مجیب لکھنوی حرمین طیبین کی مجالسِ متبرکہ میں اپنا حاضر وشریک ہونا بیان کرتے اور انہیں مجالس متبرکہ لکھتے ہیں حالانکہ بشہادت مجیب ومشاہدہ تو اتر اُن مجالس ملائک مآنس کا قیام پر مشتمل ہونا یقینی۔ مجیب موصوف اسی جلد فتاوی صفحہ ۵۲ میں لکھتے ہیں:

در مجالس مولد شریف کہ از سورۂ والضحے تا آخر می خوانند البتہ بعد ختم ہر سورہ تکبیر می گویند راقم شریک مجالس متبرکہ بودہ ایں امر ار مشاہد کردہ ام ہم در مکہ معظّمہ وہم در مدینہ منورہ وہم در جدہ۔[129]

مولد شریف کی مجالس میں سورۂ والضحے سے لے کر آخر تک پڑھتے ہیں ہر سورت کے اختتام پر تکبیر کہتے ہیں راقم الحروف مکّہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور جدّہ میں ان مجالس مبارکہ میں شریف ہوا ہے۔(ت)

عبارت ۱۵: طرفہ یہ کہ صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:

سوال: پارچۂ جھنڈۂ سالار مسعود غازی ودر مصرف خود آرد یا تصدق نماید؟

سوال: سالار مسعود غازی کے جھنڈے کا کپڑا اپنے مصرف میں لایا جاسکتا ہے یا اسے صدقہ کردیا جائے؟

جواب: ظاہراً در استعمال پارچۂ مذکور بصرفِ خود وجہی کہ موجب بزہ کاری باشد نیست واولے آنست کہ بمساکین وفقراء وہد۔[130]

جواب: ظاہراً اپنے استعمال میں لانے میں کوئی گناہ نہیں، ہاں بہتر یہ ہے کہ مساکین وفقراء پر خرچ کردیا جائے۔(ت)

ذرا حضرات مخالفین اس اولیٰ آنست (بہتر یہ ہے۔ت) کہ وجہ بتائیں اور اسے اپنے اصول پر منطبق فرمائیں ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اس قسم کے کلام رسائل ومسائل مجیب میں بکثرت ملیں گے وفیما ذکرنا کفایۃ اللہ واللہ سبحٰنہ ولی الھدایۃ (جو کچھ ہم نے ذکر کیا یہ کافی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہی ہدایت کا مالک ہے۔ت)

بحمد اللہ جواب اپنے منتہٰی کو پہنچا اور تحقیق حق تا ذروۂ علیا۔ اب نہ رہا مگر سعی مانعین کا وہ پہلا رونما یعنی عوام کا بعد نماز فرائض بھی دعا سے دست کش ہونا، یہاں اگر میں نقلِ احادیث پر اتروں تو ایک مستقل رسالہ املا کروں مگر بحکم ضرورت

129 ۔ مجموعہ فتاوی، باب القرآۃ فی الصلوٰۃ قراءۃ فاتحہ خلف الامام، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۳/ ۵۲۔

130 ۔ مجموعہ فتاوی، باب مایحل استعمالہ ومالا یحل، مطبوعہ مطبع یُوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۳/ ۱۱۶۔

صرف مولوی عبد الحی صاحب کا ایک فتوٰی ملخصاً نقل کرتا ہوں جس پر غیر مقلدین زمانہ کے امام اعظم نذیر حسین دہلوی کی بھی مہر ہے، مجموعہ فتاوٰی جلد دوم صفحہ ۲۷۷:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ رفع یدین در دعا بعد نماز چنانکہ معمول ائمہ ایں دیار ست ہر چند فقہا مستحسن می نویسند واحادیث در مطلق رفع یدین در دعا نیز وارد در یں خصوص ہم حدیثے وارد ست یا نہ، بینوا توجروا۔

اس بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا جیسا کہ اس علاقے کے ائمہ کا طریقہ ہے کیسا ہے؟ فقہاء نے اسے مستحسن لکھا ہے احادیث میں مطلقاً دعا میں ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ بھی آیا ہے کیا اس سلسلے میں کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ بیان کر کے اجر پاؤ۔

ھو المصوب در یں خصوص نیز حدیثے وارد ست حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن اسحٰق بن السنی در عمل الیوم واللیلہ می نویسند

حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمٰن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلٰوۃ ثم یقول اللھم الٰھی والہ ابراھیم واسحٰق ویعقوب والٰہ جبرئیل میکائیل واسرافیل اسئلک تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الاکان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین واللہ تعالٰی اعلم۔[131]

ھو المصوب، اس بارے میں خصوصاً حدیث بھی وارد ہے حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن اسحٰق بن السنی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لکھتے ہیں کہ مجھے احمد بن حسن انہیں ابو اسحٰق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی نے انہیں عبد العزیز بن عبد الرحمٰن القرشی نے انہیں خصیف نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھوں کو پھیلایا اور پھر عرض کیا: اے اللہ میرے معبود، سیدنا ابراہیم واسحٰق اور یعقوب کے معبود، جبرائیل اور اسرافیل کے الہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری دعا قبول کیجیے 'میں مضطر' مجھے میرے دین میں محفوظ رکھیے، میں مبتلا ہوں مجھے اپنی رحمت عطا کیجیے میں نہایت گنہ گار ہوں میرے فقر کو دور کر دیجیے میں نہایت مسکین ہوں۔ تو اللہ تعالٰی پر حق ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

محمد عبد الحی ابو الحسنات

الجواب صحیح ویؤیدہ ما رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی المصنف عن الاسود العامری عن

131۔ مجموعہ فتاوٰی، کتاب الصلوٰۃ، رفع یدین در دعا بعد ادائے نماز پنجگانہ، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ، ۱/ ۲۴۸۔

ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفجر فلما سلم انصرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث فثبت بعد الصلٰوۃ المفروضۃ رفع الیدین فی الدعأ عن سید الانبیاء اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما لایخفی علی العلماء الاذکیاء۔

یہ جواب صحیح ہے اور اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو ابو بکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں اسود عامری سے انہوں نے اپنے والد سے بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی آپ نے سلام پھیرا، ہاتھ اٹھائے اور دعا کی الحدیث، لہٰذا نماز فرض کے بعد سیّد الانبیاء اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے جیسا کہ علماء اذکیاء پر مخفی نہیں۔(ت)

محمد سید نذیر حسین

لطیفہ: فقیر غفر لہ المولی القدیر نے وہابیہ کے اس خیال ضلال کے رَد وابطال کو کہ جو کچھ بخصوصہ قرون ثلٰثہ سے منقول نہیں ممنوع ہے، مجیب کی پندرہ عبارتیں نقل کیں مگر لطف یہ ہے کہ خود ہی فتوے جس سے یہاں انہوں نے استناد کیا اس خیال کے ابطال کو بس ہے، مجیب کی عادت یہ ہے کہ شروع جواب میں ھو المصوب (وہی درست کرنے والا ہے۔ت) یہی لفظ اس فتوے کی ابتداء میں بھی لکھا کما سمعت نصہ (جیسا کہ اس کے الفاظ آپ پیچھے پڑھ چکے۔ت) اب حضرات مخالفین ثابت کر دکھائیں کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صحابہ کرام وتابعین عظام علیہم الرضوان، اللہ جل وعلا، کو مصوّب کہا کرتے ہوں خصوصاً بحالیکہ اسمائے الٰہیہ توقیفی ہیں،

واذا قد بلغنا الٰی ذکر التوقیف وقف القلم کان ذلک اللیلۃ بقیت من اوسط عشرات شعبان المعظم سنۃ الف (۱۳۰۷ھ) وثلثمائۃ وسبع من ھجرۃ سید العالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والحمد للہ علی ما الھم والصلٰوۃ والسلام علی المولی الاعظم واٰلہ وصحبہ سادات الامم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

جب ہم لفظ توقیف پر پہنچ چکے قلم رک گیا اس کا اختتام ۱۳۰۷ھ میں شعبان المعظم کے وسط میں ہوا، سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو رہنمائی کرتا ہے صلوٰۃ وسلام مولی اعظم پر، آپ کی آل اور اصحاب پر جو کہ امت کے سربراہ ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

وِشَاحُ الْجِیْدِ فِیْ تَحْلِیْلِ مُعَانَقَۃِ الْعِیْدِ

۱۲ ھ ۱۳

(نمازِ عید کے بعد معانقہ کے جائز ہونے کا ثبوت)

ترجمہ عربی عبارات: حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری

تخریج و تصحیح: مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد رب نواز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد اللہ الذی عید رحمتہ وسع کل قریب و بعید، و جعل اعیاد المؤمنین معانقۃ بصفر الوعد و عفو العید، وافضل الصلٰوۃ واکمل السلام علی من تعانق عید جمالہ بعید نوالہ، فوجھہ عید، ویدہ عید، یسعد بھم کُلُّ سعید، وعلی حزبَیِ الاٰل والاصحاب الذین ھما العیدان لایّام الایمان، وعلیٰ کل من عانق جیدہ وِشاح الشھادتین بجمّان الایقان ما تعانق الملوان، وتوارد العیدان، ھَنّأَھم اللہ باعیاد الاسلام، وعید الرؤیۃ فی دار السلام، ولدیہ مزید، وانّہ یبدئُ ویعید۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے، جس کی عیدِ رحمت ہر دور ونزدیک کو محیط ہے۔ اور جس نے اہلِ ایمان کی عیدوں کو صفائیِ وعدہ اور معافیِ وعید سے بغل گیر کیا۔ اور بہتر درود اور کامل ترین سلام ہو اُن پر جن کی عیدِ جمال (اُن کی) عیدِ جُود ونوال سے ہم آغوش ہے۔ جن کا چہرۂ زیبا بھی عید اور دستِ عطا بھی عید۔ ہر خوش نصیب ان دونوں سے فیروز مند ہے۔ اور ان کی آل واصحاب دونوں جماعتوں پر جو ایامِ ایمان کی دو عیدیں ہیں۔ اور ہر اس شخص پر جس کی گردنِ گوہر یقین سے آراستہ قلادۂ شہادتین سے ہمکنار ہے (یہ درود وسلام ہوں) جب تک روز وشب باہم بغل گیر اور دونوں عیدیں یکے بعد دیگرے ورود پذیر رہیں۔ اللہ انہیں عیدہائے اسلام اور جنت میں عیدِ دیدار کی مبارک باد سے نوازے۔ (ت)

امابعد چند سال ہوئے کہ روزِ عید الفطر بعض تلامذۂ مولوی گنگوہی نے بعض اہلِ سنّت پر دربارۂ معانقہ طعن وانکار کیا کہ:

"شرع میں معانقہ صرف قادمِ سفر[1] کے لیے وارد ہوا، بے سفر بدعت و ناروا۔ میں نے اپنے اساتذہ سے یُوں ہی سُنا۔"

ان سُنّیوں نے اس باب میں فقیرِ حقیر عبد المصطفیٰ احمد رضا محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی غفر اللہ لہ وحقّق اَمَلَہٗ سے سوال کیا۔ فقیر نے ایک مختصر فتویٰ لکھ دیا کہ احادیث میں معانقۂ سفر و بے سفر دونوں کا اثبات اور تخصیصِ سفر تراشیدۂ حضرات[2]۔ بحمد اللہ اس تحریر کا یہ نفع ہوا کہ ان صاحب نے اپنے دعوے سے انکار کر دیا کہ

"نہ میں اس تخصیص کا مدعی تھا نہ اپنے اساتذہ سے نقل کیا۔"

خیر، یہ بھی ایک طریقۂ توبہ و رجوع ہے اور الزامِ کذب بھی زائل و مدفوع ہے کہ جب اپنے معبود کا کذب ممکن جانیں، کیا عجب کہ اپنے واسطے فرض و واجب مانیں۔[3]

اب اس عیدِ اضحیٰ ۱۳۱۱ھ میں بعض علمائے شہر کے ایک شاگرد بعض اہلِ سنّت سے پھر اُلجھے، انہوں نے پھر وہی فتوائے فقیر پیش کیا۔ خیالات کے پکے تھے ہر گز نہ سلجھے، انہوں نے اُن کے استاذ کو فتویٰ دکھایا، تصدیق نہ فرمائیں تو جواب چاہا، مدت تک انکار پھر بعدِ اصرار وعدہ و اقرار، بالآخر مجموعۂ فتاویٰ مولوی عبد الحی صاحب صفحہ ۵۳۹، جلد اوّل پر نشانی رکھ کر ارسال فرمایا، اور بعض عباراتِ ردّ المحتار و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف سے حاشیہ چڑھایا۔ سائل مُصِر ہوئے کہ "جواب ضرور ہے آخر تحقیقِ حق نامنظور ہے"، فقیر نے چند ورق لکھ کر بھیج دیے اور رسالے میں فتوائے سابقہ کے ساتھ جمع کیے کہ ناظر

1۔ قادمِ سفر: سفر سے آنے والا۔ (مترجم)

2۔ یعنی میں نے اپنے فتوے میں لکھا کہ سفر سے آنے کی حالت اور اس کے علاوہ احوال میں بھی احادیث سے معانقے کا جائز ہونا ثابت ہے اور معانقہ کا جواز محض آمدِ سفر کی حالت سے خاص کرنا اِن حضرات کی اپنی گھڑی ہوئی بات ہے، حدیث و فقہ سے اس پر کوئی معتبر دلیل ہر گز نہیں۔ (مترجم)

3۔ جب انہوں نے اپنے دعوے سے انکار کر دیا تو اتنا ظاہر ہو گیا کہ وہ اپنے پہلے قول پر نہ رہے اور جوازِ معانقہ بلا تخصیص تسلیم کر لیا۔ البتہ اُن پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے دروغ گوئی سے کام لیا کہ پہلے ایک بات کہی پھر کہنے سے انکار کر ڈالا۔ مگر دیوبندی حضرات جب اپنے معبود کے لیے جھوٹ بولنا ممکن مانتے ہیں تو خود ان پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے۔ بعید نہیں کہ وہ اسے اپنے لیے فرض و واجب مانتے ہوں۔ استاذِ محترم حافظِ ملت مولانا عبد العزیز صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ، بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، فرمایا کرتے تھے کہ علمائے دیوبند اور ان کے متبعین کا عقیدہ ہے کہ "خدا جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولتا نہیں"۔ اگر خود ان کا بھی یہی حال ہو کہ "جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں" تو ان کے عقیدے کی رُو سے شرک اور خدا کے ساتھ اس وصف میں برابری لازم آجائے گی۔ اس لیے ان کے اپنے عقیدہ و قاعدہ پر "فرض اور ضروری ہے کہ وہ جھوٹ بولیں"۔ اگر "جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں" کی منزل میں رہ گئے تو مشرک ٹھہریں گے۔ (مترجم)

دیکھیں، نفع پائیں، فقیر کو دعاے خیر سے یاد فرمائیں۔ وباللہ التوفیق وھدایۃ الطریق۔

اس رسالے کا بہ لحاظِ فتواے سابق و تحریر لاحق دو عید پر انقسام اور بہ نظر تاریخ کہ بستم (۲۰) محرم ۱۳۱۲ھ کو لکھا گیا "وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید" نام[4]۔ والحمدللہ ولی الانعام (اور تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جو احسان کا مالک ہے۔ت)

عیدِ اوّل میں فتواے اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں کہ معانقہ بے حالتِ سفر بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ جو اُسے قدومِ مسافر کے ساتھ خاص اور اس کے غیر میں ناجائز بتاتا ہے، قول اس کا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب

کپڑوں کے اُوپر سے معانقہ بطور برّ و کرامت و اظہارِ محبت، بے فسادِ نیّت و موادِ شہوت، بالاجماع جائز، جس کے جواز پر احادیثِ کثیرہ وروایاتِ شہیرہ ناطق، اور تخصیصِ سفر کا دعویٰ محض بے دلیل، احادیثِ نبویہ و تصریحاتِ فقہیہ اس بارے میں بروجہِ اطلاع وارد اور قاعدۂ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب اور بے مدرکِ شرعی تقیید و تخصیص مردود و باطل، ورنہ نصوصِ شرعیہ سے امان اُٹھ جائے، کما لا یخفی[5] (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

4۔ معانقہ کی تاے مدوّرہ حسبِ قاعدہ "ہ" مانی گئی ہے اس لیے اس کا عدد ۴۰۰ نہیں بل کہ ۵ ہو گا اور پورے نام کا عدد "۱۷۰۷" نہیں بل کہ "۱۳۱۲" ہو گا۔ (مترجم)

5۔ ان ہی سطور میں اعلیٰ حضرت نے پُورے فتوے کا ماحصل اور تمام اعتراضات کا جواب ذکر کر دیا۔ ان جامع سطور کی قدرے تشریح درج ذیل ہے:

جوازِ معانقہ کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

۱۔ معانقہ کپڑوں کے اوپر سے ہو۔ ۲۔ نیکی، اعزاز اور اظہارِ محبت کے طور پر ہو۔ ۳۔ خرابیِ نیت اور شہوت کا کوئی دخل نہ ہو۔

مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ معانقہ سفر، غیر سفر ہر حال میں جائز ہے۔

دلیل: اس کا ماخذ وہ روایات و احادیث ہیں جن میں مطلق طور پر جوازِ معانقہ کا ثبوت ہے۔ یہ کسی حدیث میں نہیں کہ بس سفر سے آنے کے بعد معانقہ جائز ہے، باقی حالات میں ناجائز۔ بل کہ بعض احادیث سے صراحۃً آمدِ سفر کے علاوہ حالات میں بھی معانقے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

۲۔ شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو حکم مطلق اور کسی قید کے بغیر ہو، اُسے مطلق ہی رکھنا واجب و ضروری ہے۔

۳۔ معانقے کے بارے میں جب یہ حکم مطلق اور قیدِ سفر کے بغیر ہے تو اسے مطلق رکھتے ہوئے سفر، غیر سفر ہر حال میں معانقہ جائز ہو گا۔

ابن ابی الدنیا[6] کتاب الاخوان اور دیلمی مسند الفردوس اور ابو جعفر عقیلی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے راوی واللفظ للعقیلی:

انہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المعانقۃ فقال تحیۃ الامم و صالح وُدّھم وان اول من عانق خلیل اللہ ابراھیم۔[7]

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقے کو پوچھا، فرمایا: تحیّت ہے امتوں کی اور اُن کی اچھی دوستی، اور بیشک پہلے معانقہ کرنے والے ابراہیم خلیل اللہ ہیں علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

خانیہ میں ہے:

ان کانت المعانقۃ من فوق قمیص او جبۃ جاز عند الکل اھ[8] ملخصاً۔

اگر معانقہ کُرتے یا جُبّے کے اوپر سے ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ اھ ملخصاً (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

اذا کان علیھما قمیص او جبۃ جاز بالاجماع اھ ملخصاً۔

اگر معانقہ کرنے والے دونوں مردوں پر کُرتا یا جُبّہ ہو تو یہ معانقہ بالاجماع جائز ہے۔ اھ ملخصاً (ت)

قالوا الخلاف فی المعانقۃ فی ازار واحد واما اذا کان علیہ قمیص او جبۃ فلا باس بھا بالاجماع وھو الصحیح۔[9]

طرفین (امام اعظم و امام محمد) اور امام ابو یوسف میں اختلاف ایک تہبند کے اندر معانقے کے بارے میں ہے لیکن جب معانقہ کرنے والا کُرتا یا جُبّہ پہنے ہو تو بالاجماع اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

دُرمختار میں ہے:

لو کان علیہ قمیص او جبۃ جاز بلاکراھۃ بالاجماع وصححہ فی الھدایۃ و علیہ

۴۔ ہاں اگر کسی حکم میں خود شریعت کی جانب سے تخصیص اور تقیید کا ثبوت ہو تو اس حکم کو مخصوص اور مقید ضرور مانا جائے گا۔ مگر معانقے کے بارے میں سوا اُن شرائط کے جو ابتداءً میں ذکر کی گئیں، آمد و سفر وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔

۵۔ لہٰذا جوازِ معانقہ کے بارے میں بے دلیلِ شرعی آمدِ سفر کی قید لگانا محض باطل اور نامقبول ہے۔ (مترجم)

6۔ یہاں سے دلیل کی تفصیل فرمائی، سب سے پہلے ایک حدیث ذکر کی جس سے معانقے کی تاریخ آغاز معلوم ہوتی ہے، پھر فقہ حنفی کے مستند مآخذ سے وہ نصوص تحریر فرمائے جن کا حاصل ابتداءً رقم فرماچکے۔ (مترجم)

7۔ کتاب الضعفاء الکبیر، ترجمہ نمبر ۱۱۴۱، عمر بن حفص بن محبّر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۳/ ۱۵۵۔

8۔ فتاویٰ خانیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ، ۴/ ۷۸۳۔

9۔ مجمع الانہر، کتاب الکراہیۃ، مطبوعہ بیروت، ۲/ ۵۴۱۔

المتون[10]۔

اگر اس کے جسم پر کُرتا یا جُبّہ ہو تو بلا کراہت بالاجماع جائز ہے، ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا، متونِ فقہ میں یہی ہے۔(ت)

شرحِ نقایہ میں ہے:

عِناقہ اذا کان معہ قمیص او جبۃ او غیرہ لم یکرہ بالاجماع وھو الصحیح[11] اھ ملخصًا۔

اس کا معانقہ جب اس طرح ہو کہ کُرتا یا جُبّہ یا اور کچھ حائل ہو تو بالاجماع مکروہ نہیں، اور یہی صحیح ہے اھ ملخصًا(ت)

اسی طرح امام نسفی نے کافی پھر علامہ اسمٰعیل نابلسی نے حاشیۂ درر مولیٰ خسرو وغیرہا میں جزم کیا اور یہی وقایہ ونقایہ وکنز واصلاح وغیرہا متون کا مفاد۔ اور شروحِ ہدایہ وحواشی درمختار وغیرہا میں مقرر۔ ان سب میں کلام مُطلق ہے کہیں تخصیصِ سفر کی بُو نہیں۔

اَشِعّۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

اما معانقہ اگر خوفِ فتنہ نباشد مشروع ست خصوصاً نزد قدوم از سفر[12]۔

معانقے میں اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو جائز ومشروع ہے خصوصاً جب سفر سے آرہا ہو۔(ت)

یہ "خصوصاً" بطلانِ تخصیص پر نصِّ صریح۔۔۔ رہیں احادیثِ نہی، ان میں زید کے لیے حجت نہیں کہ ان سے اگر ثابت ہے تو نہیِ مطلق۔ پھر اطلاق پر رکھیے تو حالتِ سفر بھی گئی، حالانکہ اس میں زید بھی ہم سے موافق۔ اور توفیق پر چلیے تو علما فرماتے ہیں وہاں معانقہ بروجہ شہوت مراد۔ اور پر ظاہر کہ ایسی صورت میں تو بہ حالتِ سفر بھی بل کہ مصافحہ بھی ممنوع، تابمعانقہ چہ رسد[13]۔

10۔ ہدایہ، کتاب الکراہیۃ، مطبوعہ یوسفی لکھنؤ، ۴/ ۴۶۶۔

11۔ درمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۲/ ۲۴۴۔

12۔ شرحِ نقایہ، کتاب الکراہیۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۲/ ۲۲۹۔

13۔ یہ اُن اَحادیث سے استدلال کا جواب ہے جن میں معانقہ سے ممانعت آئی ہے۔ توضیح جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں ممانعت مذکور ہے۔ اب اگر ان سے مطلقاً ہر حال میں ممانعت مراد لیں تو سفر، غیر سفر ہر جگہ معانقہ ناجائز ہوگا جب کہ سفر سے آنے کے وقت مانعین بھی معانقہ جائز مانتے ہیں۔ اس لیے وہ اگر احادیثِ نہی ہمارے خلاف پیش کریں تو خود اُن کے بھی خلاف ہوں گی۔ لامحالہ جوازِ معانقہ اور ممانعتِ معانقہ دونوں قسم کی حدیثوں میں تطبیق کرنا ہوگی اور دونوں کے ایسے معنی لینے ہوں گے جن سے تمام احادیث پر عمل ہوسکے۔ اور تطبیق یوں ہے کہ جہاں معانقے سے ممانعت ہے وہاں معانقہ بہ طور شہوت مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معانقہ بہ طورِ شہوت تو سفر سے آنے کے بعد بھی ناجائز ہے بل کہ اس طرح تو معانقہ کیا، مصافحہ بھی ناجائز ہے۔ احادیثِ جواز ومنع کے درمیان یہ تطبیق مختلف فقہاے کرام نے فرمائی ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا حوالہ کتاب میں پیش کر دیا ہے۔(مترجم)

امام فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق اور اکمل الدین بابرتی عنایہ اور شمس الدین قہستانی جامع الرموز اور آفندی شیخی زادہ شرح ملتقی الابحر اور شیخ محقق دہلوی شرح مشکوٰۃ اور امام حافظ الدین شرح وافی اور سیدی امین الدین آفندی حاشیۂ شرحِ تنویر اور مولیٰ عبد الغنی نابلسی شرحِ طریقۂ محمدیہ میں اور ان کے سوا اور علما ارشاد فرماتے ہیں:

وھذا لفظ الاکمل، قال وفق الشیخ ابو منصور (یعنی الماتریدی امام اھل السنۃ و سید الحنفیۃ) بین الاحادیث فقال المکروہ من المعانقۃ ماکان علی وجہ الشھوۃ و عبر عنہ المصنف (یعنی الامام برھان الدین الفرغانی) بقولہ از ارواحدٍ فانہ سبب یفضی الیھا فاما علیٰ وجہ البر والکرامۃ اذا کان علیہ قمیص او جبۃ فلا باس بہ۔[14]

(یہ اکمل الدین بابرتی کے الفاظ ہیں) انہوں نے فرمایا شیخ ابو منصور (ماتریدی، اہلِ سنت کے امام اور حنفیہ کے سردار) نے (معانقے کے جواز و منع دونوں طرح کی) حدیثوں میں تطبیق دی ہے، انہوں نے فرمایا مکروہ وہ معانقہ ہے جو بہ طورِ شہوت ہو اور مصنف (یعنی امام برہان الدین فرغانی صاحبِ ہدایہ) نے اسی کو ایک تہمد میں معانقہ کرنے سے تعبیر کیا ہے، اس لیے کہ یہ سببِ شہوت ہو سکتا ہے لیکن نیکی اور اعزاز کے طور پر کُرتا یا جُبّہ پہنے ہوئے معانقہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

اور کیوں کر روا ہو گا کہ بے حالتِ سفر معانقے کو مطلقاً ممنوع ٹھہرائیے حالاں کہ احادیثِ کثیر میں سیّدِ عالم ﷺ نے بارہا بے صورتِ مذکورہ بھی معانقہ فرمایا۔[15]

حدیثِ اول: بخاری و مسلم و نسائی و ابنِ ماجہ بہ طُرقِ عدیدہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی وھذا لفظ مؤلف منھا دخل حدیث بعضھم فی بعض (آیندہ الفاظ ان متعدد روایات کا مجموعہ ہیں، بعض کی احادیث بعض میں داخل ہیں۔ت)

قال خرج النبی ﷺ فجلس بفناء بیت فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فقال اُدعی الحسن بن علی فحبستہ شیئًا فظننت انھا تلبسہ سخابا او تغسلہ فجاء یشتد و فی عنقہ السخاب فقال النبی

14۔ العنایہ مع فتح القدیر شرح ہدیہ، کتاب الکراہیۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ، سکھر، ۸/ ۴۵۸۔

15۔ یہاں سے استدلال نے ایک دوسرا رنگ اختیار کیا، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ (۱۶) احادیث ان کے حوالوں کے ساتھ پیش فرمائی ہیں جن میں اُسی معانقے کا ذکر ہے جو نیکی، اعزاز اور اظہارِ محبت کے طور پر ہے۔ خرابیِ نیت اور موادِ شہوت سے ہر طرح دور ہے۔ مگر بے حالتِ سفر ہے۔ لہٰذا ان احادیث سے صراحتاً یہ ثبوت فراہم ہو جاتا ہے کہ صرف قدومِ سفر کے بعد ہی نہیں بل کہ دیگر حالات میں بھی معانقہ بلاشُبہ جائز و درست ہے۔ اور جب خود سرورِ دو عالم ﷺ سے ان تمام احوال میں معانقہ کا ثبوت حاصل ہو جاتا ہے تو کوئی دوسرا اسے "بدعت و ناروا" کہنے کا کیا حق رکھتا ہے! (مترجم)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللھم اِنّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ۔[16]

یعنی ایک بار سیّدِ عالم ﷺ حضرت بتولِ زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو بلایا، حضرتِ زہرا نے بھیجنے میں کچھ دیر کی، میں سمجھا انہیں ہار پہناتی ہوں گی یا نہلا رہی ہوں گی، اتنے میں دوڑتے ہوئے حاضر آئے، گلے میں ہار پڑا تھا، سیّد عالم ﷺ نے دستِ مبارک بڑھائے، حضور کو دیکھ کر امام حسن نے بھی ہاتھ پھیلائے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کو لپٹ گئے۔ حضور نے "گلے لگا کر" دعا کی: الٰہی! میں اسے دوست رکھتا ہوں تُو اسے دوست رکھ اور جو اسے دوست رکھے، اسے دوست رکھ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ حِبّہٖ وبارک وسلم۔

حدیثِ دوم: صحیح بخاری میں امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروی:

کان النبی ﷺ یاکُذ بیدی فیقعدنی علی فخِذِہٖ و یقعد الحسین علی فخِذِہ الاُخری و یضمنا ثم یقول رب انی ارحمھما فارحمھما۔[17]

نبی ﷺ میرا ہاتھ پکڑ ایک ران پر مجھے بٹھالیتے اور دوسری ران پر امام حسین کو اور ہمیں "لپٹا لیتے"۔ پھر دعا فرماتے: "الٰہی میں ان پر رحم رکھتا ہوں، تُو ان پر رحم فرما۔

حدیثِ سوم: اسی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

ضمنی النبی ﷺ الی صدرہ فقال اللھم علمہ الحکمۃ۔[18]

سیّد عالم ﷺ نے مجھے "سینے سے لپٹایا" پھر دُعا فرمائی: الٰہی! اسے حکمت سکھادے۔

حدیثِ چہارم: امام احمد اپنی مُسنَد میں یعلیٰ رضی اللہ عنہ سے راوی:

ان حَسنًا و حُسینًا رضی اللہ تعالیٰ عنھما یستبقا الی رسول اللہ ﷺ فضمھما الیہ۔[19]

ایک بار دونوں صاحبزادے حضور اقدس ﷺ کے پاس آپس میں دوڑ کرتے ہوئے آئے، حضور نے دونوں کو "لپٹا لیا"۔

حدیثِ پنجم: جامع ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے:

سئل رسول ﷺ ای اھل بیتك احبّ الیك قال الحسن والحسین وکان یقول لفاطمۃ ادعی لی ابنی فیشمھما ویضمھما۔[20]

16۔ الصحیح للمسلم، باب فضل الحسن والحسین، مطبوعہ راولپنڈی، ۲/ ۲۸۲۔

17۔ الصحیح البخاری، باب وضع الصبی فی الحجر، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۸۸۸۔

18۔ الصحیح البخاری، مناقب ابن عباس، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۵۳۱۔

19۔ مسند احمد بن حنبل، مناقب ابن عباس، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۴/ ۱۷۲۔

20۔ جامع ترمذی، مناقب الحسن والحسین، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ص: ۴۰۔۵۳۹۔

سیّد عالم ﷺ سے پوچھا گیا، حضور کو اپنے اہل بیت میں زیادہ پیارا کون ہے؟ فرمایا: حسن اور حسین۔ اور حضور دونوں صاحبزادوں کو حضرت زہرا سے بلوا کر "سینے سے لگا لیتے" اور ان کی خوش بُو سونگھتے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث ششم: امام ابوداؤد اپنی سُنن میں حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ سے راوی:

بینما هو یحدث القوم وکان فیه مزاح بینا یضحکهم فطعنه النبی ﷺ فی خاصرته بعود فقال اصبرنی قال اصطبر قال ان علیك قمیصا ولیس علی قمیص فوضع النبی ﷺ عن قمیصه فاحتضنه وجعل یقبل کشحة قال انما اردت هذا یا رسول الله۔[21]

اس اثنا میں کہ وہ باتیں کر رہے تھے اور اُن کے مزاج میں مزاح تھا، لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ سیّد عالم ﷺ نے لکڑی ان کے پہلو میں چبھوئی، انہوں نے عرض کی مجھے بدلہ دیجیے۔ فرمایا، لے۔ عرض کی: حضور تو کرتا پہنے ہیں اور میں ننگا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے کُرتا اُٹھایا، انہوں نے حضور کو اپنی "کنار میں لیا" اور تہیگاہِ اقدس کو چومنا شروع کیا۔ پھر عرض کی: یارسول اللہ! میرا یہی مقصود تھا۔

ع دلِ عشّاق حیلہ گر باشد

(عاشقوں کے دل بہانہ تلاش کرنے والے ہوتے ہیں)

صلی الله تعالیٰ علیه وعلیٰ کل من احبه وبارك وسلم۔

حدیث ہفتم: اسی میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مالقیته ﷺ قط الا صافحنی و بعث الی ذات یوم ولم اکن فی اهلی فلما جئت اخبرت به فاتیته وهو علی سریر فالتزمنی فکانت تلك اجود واجود۔[22]

میں حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے۔ ایک دن میرے بُلانے کو آدمی بھیجا۔ میں گھر میں نہ تھا، آیا تو خبر پائی، حاضر ہوا، حضور تخت پر جلوہ فرما تھے، "گلے سے لگالیا" تو اور زیادہ جیّد اور نفیس تر تھا۔

حدیث ہشتم: ابویعلیٰ اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی:

قالت رأیت النبی ﷺ التزم علیا وقبله وهو یقول بأبی الوحید الشهید[23]۔

میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، حضور نے مولیٰ علی کو "گلے لگایا" اور پیار کیا، اور فرماتے تھے میرا باپ نثار اس وحیدِ شہید پر۔

21۔ سنن ابوداؤد، باب قُبلۃ الجسد (کتاب الادب)، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۲/ ۳۹۳۔

22۔ سنن ابوداؤد، باب فی المعانقۃ (کتاب الادب)، مطبع مجتبائی، لاہور، ۲/ ۳۵۲۔

23۔ مسند ابویعلیٰ، مسند عائشہ، مطبوعہ موسس علوم القرآن، بیروت، ۴/ ۳۱۸۔

حدیثِ نہم: طبرانی کبیر اور ابن شاہین کتاب السُّنّۃ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ غدیرا فقال لیسبح کل رجل الی صاحبہ فسبح کل رجل منھم الیٰ صاحبہ حتی بقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر فسبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ابی بکر حتی اعتنقہ فقال لوکنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکنہ صاحبی[24]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ ایک تالاب میں تشریف لے گئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا، ہر شخص اپنے یار کی طرف پیرے۔ سب نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق باقی رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق کی طرف پیر کے تشریف لے گئے اور انہیں گلے لگا کر فرمایا: میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن وہ میرا یار ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ صاحبہٖ وبارک وسلّم۔

حدیثِ دہم: خطیب بغدادی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یطلع علیکم رجل لم یخلق اللہ بعدی احدا خیرا منہ ولا افضل ولہ شفاعۃ مثل شفاعۃ النبیین فما برحنا حتی طلع ابوبکر فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقبلہ والتزمہ[25]۔

ہم خدمتِ اقدس حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھے، ارشاد فرمایا: اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد اس سے بہتر وبزرگ تر کسی کو نہ بنایا اور اس کی شفاعت شفاعتِ انبیا کی مانند ہوگی، ہم حاضر ہی تھے کہ ابو بکر صدیق نظر آئے۔ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور صدیق کو پیار کیا اور "گلے لگایا"۔

حدیثِ یازدہم: حافظ عمر بن محمد ملّا اپنی سیرت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقفًا مع علی بن ابی طالب اذا قبل ابوبکر فصافحہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعانقہ وقبّل فاہ فقال علیٌّ اتقبل فا ابی بکر فقال صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا الحسن منزلۃ ابی بکرٍ عندی کمنزلتی عند ربّی[26]۔

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ اتنے میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے مصافحہ فرمایا اور "گلے لگایا" اور ان کے دہن پر بوسہ دیا۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے عرض کی: کیا حضور ابو بکر کا مُنہ چومتے ہیں؟ فرمایا: اے ابوالحسن! ابو بکر کا مرتبہ میرے یہاں ایسا

24۔ طبرانی کبیر، حدیث ۱۱۶۷۶ و ۱۱۹۳۸، مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت، ۱۱/ ۲۶۱ ۳۳۹۔

25۔ تاریخ بغداد، ترجمہ ۱۱۴۱، محمد بن عباس ابو بکر القاص، مطبوعہ دارالکتب العربیہ، بیروت، ۳/ ۲۴۔۱۲۳۔

26۔ سیرتِ حافظ عمر بن محمد ملّا۔

ہے جیسا میرا مرتبہ میرے رب کے حضور۔

حدیث دوازدہم: ابن عبدِ ربّہٖ کتاب بھجۃ المجالس میں مختصراً اور ریاض نضرہ میں اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مطوّلاً، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ابتدائے اسلام میں اظہارِ اسلام اور کفار سے حرب و قتال فرمانا، اور ان کے چہرۂ مبارک پر ضربِ شدید آنا، اس سخت صدمے میں بھی حضورِ اقدس سیّد المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رہنا، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم دارالارقم میں تشریف فرما تھے، اپنی ماں سے خدمتِ اقدس میں لے چلنے کی درخواست کرنا مفصلاً مروی، یہ حدیث ہماری کتاب مَطْلَعُ الْقَمَرَیْنِ فِیْ اِبَانَةِ سَبْقَةِ الْعُمَرَیْنِ (۱۲۹۷ھ) میں مذکور، اس کے آخر میں ہے:

حتی اذا ھدأت الرجل و سکن الناس خرجتا بہ یتّکی علیھما حتی ادخلتاہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانکب علیہ فقبّلہ و انکب علیہ المسلمون ورقّ لہ صلی اللہ علیہ وسلم رِقَّةً شدیدۃ۔[27] الحدیث

یعنی جب چہل پہل موقوف ہوئی اور لوگ سو رہے، اُن کی والدہ اُمّ الخیر اور حضرت فاروق اعظم کی بہن اُمّ جمال رضی اللہ عنہما انہیں لے کر چلیں، بہ وجہِ ضعف دونوں پر تکیہ لگائے تھے، یہاں تک کہ خدمتِ اقدس میں حاضر کیا، دیکھتے ہی پروانہ وار شمعِ رسالت پر گر پڑے۔ پھر حضور کو بوسہ دیا اور صحابہ غایتِ محبت سے ان پر گرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لیے نہایت رقّت فرمائی۔

حدیث سیزدہم: حافظ ابو سعید "شرف المصطفیٰ" صلی اللہ علیہ وسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے راوی:

قال صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر ثم قال این عثمان بن عفان؟ فوثب و قال انا ذَا یارسولَ اللہِ فقال اُدْنُ مِنِّیْ فَدَنَا مِنْهُ فَضَمَّهٗ اِلٰی صَدْرِهٖ و قَبَّلَ بَیْنَ عَیْنَیْهِ[28] الخ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے، پھر فرمایا: عثمان کہاں ہیں؟ عثمان رضی اللہ عنہ بے تابانہ اُٹھے اور عرض کی: حضور میں حاضر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس آؤ۔ پاس حاضر ہوئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "سینہ سے لگایا" اور آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔

حدیث چہاردہم: حاکم صحیح مستدرک میں بافادۂ تصحیح اور ابو یعلی اپنی مسند اور ابو نعیم فضائلِ صحابہ میں اور برہان خجندی کتاب اربعین مسمّی بالماء المعین اور عمر بن محمد ملّا سیرت میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے راوی:

قال بینا نحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفر من المھاجرین منھم ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحۃ والزبیر و عبد الرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لینھض کل رجل

27۔ الریاض النضرۃ، ذکر ام الخیر، مطبوعہ چشتی کتب خانہ، فیصل آباد، ۱/ ۷۶۔

28۔ شرف المصطفیٰ۔

الی کفوہ و نھض النبی ﷺ الی عثمان فاعتنقہ وقال انت ولی فی الدنیا والاخرۃ[29]۔

ہم چند مہاجرین کے ساتھ خدمتِ اقدس حضور سیّد المرسلین ﷺ میں حاضر تھے۔ حاضرین میں خلفاے اربعہ و طلحہ و زبیر و عبد الرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں ہر شخص اپنے جوڑ کی طرف اُٹھ کر جائے اور خود حضورِ والا ﷺ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اُٹھ کر تشریف لائے، اُن سے "معانقہ کیا" اور فرمایا: تُو میرا دوست ہے دنیا و آخرت میں۔

حدیث پانزدہم: ابن عساکر تاریخ میں حضرت امام حسن مجتبیٰ وہ اپنے والدِ ماجد مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجوہہما سے راوی:

ان رسول اللہ ﷺ عانق عثمان بن عفان و قال قَدْ عَانَقْتُ اَخِیْ عثمان فَمَنْ کَانَ لَہٗ اَخٌ فَلْیُعَانِقْہُ[30]۔

حضور سیّدِ عالم ﷺ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے معانقہ کیا اور فرمایا: میں نے اپنے بھائی عثمان سے معانقہ کیا جس کا کوئی بھائی ہو اسے چاہیے اپنے بھائی سے "معانقہ کرے"۔

حدیث شانزدہم: کہ حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت بتولِ زہرا سے فرمایا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی کہ نامحرم شخص اُسے نہ دیکھے۔ حضور نے "گلے لگالیا" اور فرمایا:

ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ[31] (یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے۔ت)

اوکما ورد عن النبی ﷺ (یا جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے وارد ہے۔ت)

بالجملہ احادیث اس بارے میں بکثرت وارد۔ اور تخصیص سفر محض بے اصل و فاسد۔ بل کہ سفر و بے سفر ہر صورت میں معانقہ سنّت، اور سنّت جب ادا کی جائے گی، سنّت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریحاً نہی ثابت نہ ہو، یہاں تک کہ خود امامِ طائفۂ مانعین اسمٰعیل دہلوی رسالۂ نذور میں کہ مجموعہ زبدۃ النصائح میں مطبوع ہُوا، صاف مُقِر کہ معانقہ روزِ عید گو بدعت ہو، بدعتِ حسنہ ہے۔ حیث قال (یوں کہا۔ت)[32]:

29۔ المستدرک باب فضائل عثمان رضی اللہ عنہ، مطبوعہ بیروت، ۳/ ۹۷۔

30۔ کنز العمال بحوالہ ابن عساکر، حدیث ۳۶۲۴۰، مطبوعہ دار الکتب الاسلامی حلب، ۱۳/ ۵۷۔

31۔ القرآن ۳/ ۳۴۔

32۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی، پیشوایانِ علماے دیوبند کی اس عبارت میں چند باتیں قابلِ غور ہیں:

(۱) ایصالِ ثواب کے لیے کنواں کھدوانا، دعا، استغفار، قربانی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں بدعت نہیں بل کہ سنّت سے ثابت ہیں۔

(۲) قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا اور اس طرح کے دوسرے طریقے بدعت ہیں مگر بدعتِ حسنہ ہیں۔

ہمہ اوضاع از قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و خورانیدن طعام سوائے کندن چاہ و امثالہ دعا و استغفار و اُضحیہ بدعت ست بدعتِ حسنہ بالخصوص است مثل معانقۂ روز عید و مصافحہ بعد نماز صبح یا عصر۔[33]

کُنواں کھودنے اور اسی طرح حدیث میں سے ثابت دوسری چیزوں اور دعا، استغفار، قربانی کے سوا تمام طریقے، قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا، سب بدعت ہیں مگر خاص بدعت حسنہ ہیں۔ جیسے عید کے دن معانقہ، اور نمازِ فجر یا عصر کے بعد مصافحہ کرنا (بدعتِ حسنہ ہے)۔ (ت)

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدنِ المصطفی النبی الامّی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۳) اس سے بدعت کی دو قسمیں معلوم ہوئیں: بدعتِ حسنہ، بدعتِ سیئہ۔ لہٰذا ہر بدعت بُری نہیں۔ اور ہر نیا کام صرف بدعت ہونے کے باعث ناجائز و حرام نہیں ہو سکتا بلکہ بعض کام بدعت ہوتے ہوئے بھی حُسن اور اچھے ہوتے ہیں۔

(۴) روزِ عید کا معانقہ اور ہر روز فجر و عصر کے بعد مصافحہ بدعتِ حسنہ، جائز اور اچھا ہے۔ ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

منکرین اعلیٰ حضرت کا پورا رسالہ نہ مانیں، تمام احادیث و فقہی نصوص سے آنکھیں بند کرلیں مگر انہیں اپنے "پیشوائے اعظم" کے اقرارِ صریح اور کلامِ واضح سے ہرگز مفر نہ ہونا چاہیے۔ (مترجم)

33۔ مجموعہ زبدۃ النصائح۔

اس کے معارضے میں جو فتویٰ مولوی عبد الحی صاحب کا پیش کیا گیا، اس کی عبارت یہ ہے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ بعد خطبۂ عیدین کے جو مصافحہ و معانقہ لوگوں میں مروّج ہے، وہ مسنون ہے یا بدعت؟ بَيِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

هُوَ الْمُصَوِّبُ (وہی درستی تک پہنچانے والا ہے۔ت) بعد عید مصافحہ و معانقہ مسنون نہیں، اور علما اس باب میں مختلف ہیں، بعض بدعتِ مباحہ کہتے ہیں اور بعض بدعتِ مکروہہ۔ علیٰ کل تقدیر ترک[34] اس کا اولیٰ[35] ہے۔ الخ

ابو الحسنات محمد عبد الحی

عبارات کہ حاشیے پر لکھ کر پیش کی گئیں، بحُرُوفہٖ یہ ہیں:

34۔ اس کے بعد فتویِ مذکور میں چار عبارتیں نقل کیں:

(۱) عبارتِ اذکار کہ اس مصافحے میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) عبارتِ درِ مختار کہ یہ بدعتِ مباحہ بل کہ حسنہ ہے۔ کما ھو موجود فی الدر وان اقتصر المجیب فی النقل (یہ درِ مختار میں موجود ہے اگرچہ مجیب نے صرف نام پر کفایت کی ہے۔ت)

(۳) عبارتِ ردالمحتار کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہمیشہ بعدِ نماز کیے جاؤ تو جاہل سنّت سمجھ لیں گے۔ اور ابنِ حجر شافعی نے اسے مکروہ کہا ہے۔

(۴) عبارتِ مدخل ابن حاج مالکی المذہب کہ غیبت کے بعد ابن عُیینہ نے جائز رکھا، اور عید میں ان لوگوں سے جو اپنے ساتھ حاضر ہیں، نہیں ☆۔ اور مصافحہ بعدِ عید مجھے معروف نہیں مگر عبد اللہ بن نعمان فرماتے ہیں، میں نے مدینۂ خاص میں جب کہ وہاں علمائے صالحین بہ کثرت موجود تھے، دیکھا کہ وہ نمازِ عید سے فارغ ہو کر آپس میں مصافحہ کرتے، تو اگر سلف سے نقل مساعد ہو تو کیا کہنا ورنہ ترکِ اولیٰ ہے۔ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م)

☆یعنی عید میں ان لوگوں سے معانقہ جائز نہیں، جو اپنے ساتھ حاضر ہیں۔ (مترجم)

35۔ مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی کے اس فتوے کا حاصل یہ ہے کہ بعد عید مصافحہ و معانقہ حدیث سے ثابت نہیں۔ رہے علما و فقہا تو ان میں اختلاف ہے۔ کچھ بدعتِ مباحہ کہتے ہیں، کچھ بدعتِ مکروہہ۔ بہر تقدیر اسے نہ کرنا بہتر ہے ("نہ کرنا بہتر ہے" سے اتنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ کر لیا تو جائز ہے)۔ مولانا فرنگی محلی کا یہی فتویٰ (جو اُن کے مجموعۂ فتاویٰ، طبع اول کی ج:۱، ص:۵۲۸ پر ہے) بریلی کے اُن عالم نے بھیجا جن سے اعلیٰ حضرت اپنے جواب میں خطاب کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے اس مجموعۂ فتاویٰ کے حاشیے پر معانقۂ عید کی ممانعت کے ثبوت میں وہ عبارتیں بھی لکھ دیں جنہیں کتاب "وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید" میں اعلیٰ حضرت نے بعینہٖ نقل فرمایا اور التماس چہارم سے اُن پر بحث کی۔ (مترجم)

اذا تردّد الحکم بین سنّة و بدعة کان ترك السنة راجحًا علی فعل البدعة ۱۲ ردالمحتار[36]

جب حکم سنت وبدعت کے درمیان مُتَرَدِّد ہو تو ارتکابِ بدعت پر ترکِ سنّت کو ترجیح دی جائے گی۔[37]

نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انّه تکره المصافحة بعد اداء الصلٰوة بکل حال لان الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم ماصافحوا بعد اداء الصلٰوة و لانها من سنن الروافض اهـ ثم نُقِل عن ابن حجر من الشافعیة انها بدعة مکروهة لاصل لها فی الشرع وانه ینبه فاعلها اولًا و یعزر ثانیا ثم قال و قال ابن الحاج من المالکیة فی المدخل انها من البدع و موضع المصافحة فی الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاخیه لا فی ادبار الصلوات فحیث وضعها الشرع یضعها فینهٰی عن ذلك و یزجر فاعله لما اتی به من خلاف السنة اهـ ردالمحتار **قوله**[38] لایخرج الخ ولا یخفی انّ فی کلام الامام نوع تناقض لانّ اتیان السنة فی بعض الاوقات لایسمّی بدعة مع انّ عمل الناس فی الوقتین المذکورین لیس علی وجه الاستعجاب المشروع، لان محل المصافحة المذکورة اوّل الملاقاة وقد یکون جماعة یتلاقون من غیر مصافحة و یتصاحبون بالکلام و بمذاکرة العلم

36۔ یعنی جب معاملہ ایسا ہو کہ کرے تو کسی بدعت کا مرتکب ہوتا ہے، نہ کرے تو کوئی سنّت چھوٹتی ہے، ایسی صورت میں یہی حکم ہے کہ نہ کرے کہ اُس سے سنّت اگرچہ چھوٹ جائے گی مگر بدعت کا مرتکب تو نہ ہو گا۔ معانقۂ عید کا بھی یہی حال ہے۔ لہٰذا اس سے بھی ممانعت کا حکم دیا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت نے التماسِ فہم میں اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ یہاں بدعت سے مراد بُری بدعت ہے اور معانقۂ عید ایسا ہرگز نہیں، بل کہ اپنی اصلیت کے لحاظ سے سنّت اور خصوصیتِ بعد عید کے لحاظ سے مباح، اور قصدِ حَسن کے ساتھ ہو تو مستحسن ہے، لہٰذا آپ کی عبارتِ مذکورہ معانقۂ عید پر منطبق (فِٹ) ہو ہی نہیں سکتی۔ (مترجم)

37۔ ردالمحتار، مطلب اذا تردد الحکم، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/ ۶۸۲۔

38۔ کتبه المعترض حاشیة علی مانُقِل فی الفتاوی اللکنویة فی عبارة الاذکار للامام النووی رحمه الله تعالٰی من قوله لاباس به فان اصل المصافحة سنة وکونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال وفرطوا فی کثیر من الاحوال او اکثرها لا یخرج ذلك البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها، اهـ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م)

فتاویٰ مولوی عبد الحی لکھنوی میں امام نووی کی کتاب اذکار سے منقولہ عبارت پر بریلی کے معترض مولوی صاحب نے یہ حاشیہ لکھا ہے۔ امام نووی کی عبارت یہ ہے: "اس مصافحے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ اصل مصافحہ سنّت ہے، اور اکثر حالات میں لوگ مصافحے کے اندر کوتاہی کرنے کے ساتھ صرف بعض حالات میں اگر مصافحے کی پابندی کرتے ہیں تو اُس سے یہ بعض حالات والا مصافحہ (مثلاً مصافحۂ بعدِ نماز) اس مصافحۂ جائزہ کے دائرے سے خارج نہ ہو گا جس کی اصلیت شرع سے ثابت ہے۔" (ت)

وغیرہ مدّۃ مدیدۃ ثم اذا صلوا یتصافحون فاین ھذا من السنّۃ المشروعۃ و بھذا صرح بعض العلماء بانھا مکروھۃ وح[39] انھا من البدع المذمومۃ ۱۲ کذا فی المرقاۃ

رد المحتار میں ہے کہ تبیین المحارم میں ملتقط سے منقول ہے کہ ادائے نماز کے بعد مصافحہ بہ ہر حال مکروہ ہے۔(۱) اس لیے کہ صحابہ نے بعدِ نماز مصافحہ نہیں کیا، (۲) اس لیے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے اھ۔ پھر علامہ ابن حجر شافعی سے منقول ہے کہ یہ مصافحہ بدعتِ مکروہہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اس کے مرتکب کو اوّلاً متنبہ کیا جائے گا، نہ مانے تو سرزنش کی جائے گی۔ پھر فرمایا کہ ابن الحاج مالکی مدخل میں لکھتے ہیں کہ یہ مصافحہ بدعت ہے۔(۳) اور شریعت میں مصافحے کا محل مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کا وقت ہے، نمازوں کے بعد کے اوقات مصافحے کا شرعی محل نہیں، شریعت نے جو محل مقرر کیا ہے، اسے وہیں رکھے تو نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے والے کو روکا اور زجر کیا جائے گا اس لیے کہ وہ خلافِ سنت فعل کا مرتکب ہے اھ رد المحتار (حاشیۂ ذیل میں مندرج امام نووی کی عبارتِ اذکار پر اعتراض کرتے ہوئے مولوی صاحبِ مذکور نے حاشیہ لکھا ہے) ظاہر ہے کہ امام نووی کے کلام میں ایک طرح کا تعارض ہے۔ اس لیے کہ اگر لوگ بعض اوقات "سنت کے مطابق" مصافحہ کرتے ہیں تو اسے بدعت نہیں کہا جائے گا۔ لیکن فجر و عصر کے بعد مصافحے کا عمل استحباب مشروع کے طور پر نہیں ہے، اس لیے کہ جائز و مشروع مصافحہ کا محل بس اوّلِ ملاقات ہے اور یہاں تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ملاقات بلا مصافحہ کرتے ہیں اور دیر تک گفتگو و علمی بحث وغیرہ میں ایک ساتھ رہتے ہیں پھر جب نماز پڑھ لیتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، یہ سنّتِ مشروعہ کہاں! اِسی لیے تو بعض علما نے صراحۃً فرمایا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور اس کا شمار مذموم بدعتوں میں ہے۔ یہی عبارت مرقاۃ میں ہے۔(ت)

عیدِ ثانی میں

تحریرِ جواب و تقریرِ صواب و ازالۂ اوہام و کشفِ حجاب۔ یعنی اُس تحریر کی نقل جو بہ رسمِ جواب مولوی معترض کے پاس سے مرسل ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

جنابِ مولانا! دام مجدکم، بعد ماھو المسنون ملتمس، فتوئ فقیر دربارۂ معانقہ کے جواب میں مجموعہ فتاوٰے

39۔ ھکذا بخطہ ولیست بھذہ الحاء فی عبارۃ المرقاۃ ولا لھا محل فی العبارۃ کما لایخفی ۱۲ منہ رضی اللہ عنہ (م)
مولوی صاحب موصوف کی تحریر میں اسی طرح یہ "ح" بنی ہوئی ہے مگر یہ عبارت مرقاۃ میں نہیں ہے، عبارت میں اس کا موقع بھی نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔(ت)

مولوی عبد الحی لکھنوی جناب نے ارسال فرمایا اور اس کی جلد اول صفحہ ۵۲۸ طبع اول میں جو فتوائے معانقہ مندرج ہے، پیش کیا اور اس کے حاشیے پر تائید اً کچھ عبارتِ ردّالمحتار و مرقاۃ بھی تحریر فرمادی، سائل مظہر کہ جب جناب سے یہ گزارش ہوئی کہ آیا یہ مجموعہ آپ کے نزدیک مُستَنَد ہے تو فرمایا: "ہمارے نزدیک مستند نہ ہوتا تو ہم پیش کیوں کرتے۔" اور واقعی یہ فرمانا ظاہر و بجا ہے۔ فقیر کو اگرچہ ایسے مُعارَضے کا جواب دینا ضرور نہ تھا مگر حسبِ اِصرارِ سائل، محض بغرضِ اِحقاقِ حق و اِزہاقِ باطل چند التماس ہیں۔ معاذ اللہ! کسی دوسری وجہ پر حمل نہ فرمایئے، فقیر ہر مُسِن مسلمان کو مستحقِ ادب جانتا ہے خصوصاً جناب تو اہلِ علم و سادات سے ہیں، مقصود صرف اتنا ہے کہ جناب بھی بہ مقتضائے بزرگی حسب و نسب و عمر و علم ان گزارشوں کو بہ نظرِ غور و تحقیقِ حق استماع فرمائیں، اگر حق واضح ہو تو قبول، مرجوع و ماموں کہ علما کے لیے رجوع الی الحق عار نہیں بل کہ معاذ اللہ اِصرار علی الباطل۔ قال تعالیٰ:

فَبَشِّرْ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه [40]۔ [41]

تو خوشی سناؤ اُن بندوں کو جو کان لگا کر بات سُنیں اور پھر اس کے بہتر پر چلیں۔ (ت)

التماسِ اوّل: اس مجموعۂ فتاوٰی سے استناد الزاماً ہے یا تحقیقاً؟ علی الاوّل فقیر نے کب کہا تھا کہ کسی مُعاصِر کی تحریر مجھ پر حجت ہے، علی الثانی پہلے دلیل سے ثابت کرنا تھا کہ یہ کتاب خادمانِ علم پر احتجاجاً پیش کرنے کے قابل ہے۔ [42]

40۔ القرآن ۳۹/ ۱۸۔

41۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نے معانقۂ عید کا جواز احادیثِ کریمہ سے ثابت کیا، مستند فقہی عبارتیں پیش کیں، ان احادیث اور نصوص سے مدلل فتوے کے جواب میں آپ مولوی عبد الحی صاحب کا فتوٰی مستند بنا کر پیش کر رہے ہیں، ایسی مخالف دلیل کا جواب تو کوئی ضروری نہ تھا مگر سائل کے اصرار پر حق کو حق دِکھانے اور باطل و ناحق کو مِٹانے کی خاطر آپ کی خدمت میں چند التماس ہیں، ان التماسوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ بہ نگاہِ غور دیکھیں، اگر حق واضح ہو تو آپ سے اُسے قبول کرلینے کی اُمید ہے اس لیے کہ حق کی طرف رجوع اور اسے قبول کرلینا علما کے لیے عار نہیں بل کہ معاذ اللہ باطل و ناحق بات پر اَڑے رہنا شانِ علما کے خلاف ہے۔ (ت)

42۔ **توضیح:** آپ نے میرے فتوے کے جواب میں مولوی عبد الحی صاحب کا مجموعۂ فتاوٰی مستند بنا کر پیش کیا ہے۔ اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) یا تو مجھے الزام دینا مقصود ہے کہ دیکھیے، آپ کی مستند اور مانی ہوئی کتاب میں آپ کے خلاف ہے، مگر میں نے کب کہا کہ اس زمانے کے کسی عالِم کی تحریر مجھ پر حجت ہے۔

(۲) یا یہ کہ آپ نے خود تحقیقی طور پر اُسے سب کے لیے معتمد اور مستند جان کر پیش کیا ہے، تو آپ کو پہلے دلیل سے ثابت کرنا تھا کہ یہ کتاب قابلِ استدلال اور علما پر حجت و سند بنا کر پیش کرنے کے لائق ہے، اور جب یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں تو اس مجموعۂ فتاوٰی کو یہاں پیش کرنا ہی بے محل ہے۔ (مترجم)

دوم: شاید جناب نے اس مجموعے کو اِستیعَابًا ملاحظہ نہ فرمایا۔ اس میں بہت جگہ وہ مسائل و کلمات ہیں جو آج کل کے فرقۂ مانعین کے بالکل مخالف و قالعِ اصل مذہب ہیں۔ تمثیلاً ان میں سے چند کا نشان دوں:

جلد اول، صفحہ ۵۳۱ پر لکھتے ہیں:

"کتبِ فقہیہ میں نظائر اس کے بہت موجود ہیں کہ از منۂ سابقہ میں اُن کا وجود نہ تھا مگر بہ سببِ اَغراضِ صالحہ کے حکم اُس کے جواز کا دیا گیا۔"[43]

صفحہ ۲۹۴ پر ہے:

"الوداع یاالفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلمات حسرت و رُخصت کے ادا کرنا فی نفسہٖ امر مباح ہے بل کہ اگر یہ کلمات باعثِ ندامت و توبۂ سامعان ہوئے تو اُمیدِ ثواب ہے۔ مگر اس طریقے کا ثبوت قرونِ ثلٰثہ میں نہیں[44] الخ۔"

جلد دوم، صفحہ ۱۷۰ میں ہے:

"کسے کہ می گوید کہ وجودیہ و شہودیہ از اہلِ بدعت اند قولش قابلِ اعتبار نیست و منشاءِ قولش جہل و ناواقفیت است از احوالِ اولیاء واز معنی توحیدِ وجودی و شہودی و شاعرے کہ ذمّ ہر دو فرقہ ساختہ قابلِ ملامت ست۔"[45]

جو کہتا ہے کہ وجودیہ اور شہودیہ اہلِ بدعت سے ہیں، اس کا قول قابلِ اعتبار نہیں اور اس کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اولیا کے احوال اور توحیدِ وجودی و شہودی کے معنی سے جاہل و بے خبر ہے اور جس شاعر نے دونوں فرقوں (وجودیہ و شہودیہ) کی مذمّت کی ہے، وہ قابلِ ملامت ہے۔ (ت)

صفحہ ۴۲۱ پر ہے:

"شغل برزخ اس طور پر کہ حضراتِ صوفیہ صافیہ نے لکھا ہے نہ شرک ہے نہ ضلالت، ہاں افراط و تفریط اس میں منجر ضلالت کی طرف ہے، تصریح اس کی مکتوباتِ مجددِ الف ثانی میں جابجا موجود ہے[46]۔"[47]

جلد سوم، صفحہ ۸۵ میں ہے:

43۔ مجموعۂ فتاویٰ عبد الحی۔

44۔ مجموعۂ فتاویٰ عبد الحی، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ، ۲/ ۲۴۔۲۵۔

45۔ مجموعۂ فتاویٰ عبد الحی، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ، ۲/ ۵۸۔

46۔ ارواح سے توجہ طلبی، تصورِ شیخ، شغل برزخ وغیرہ سے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ایک مدلل رسالہ ہے: **الیاقوتة الواسطة فی قلب عقد الرابطة** (۱۳۰۹ھ) جس میں نصوصِ علما اور مستندینِ مانعین کی عبارتوں سے اس کا جواز ثابت فرمایا ہے، قابلِ مطالعہ ہے۔ (مترجم)

47۔ مجموعۂ فتاویٰ عبد الحی۔

سوال: وقتِ ختمِ قرآن در تراویح سہ بار سورۂ اخلاص می خوانند مستحسن است یانہ؟
جواب: مستحسن ست۔[48]
سوال: تراویح میں ختمِ قرآن کے وقت تین بار سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں، یہ مستحسن ہے یا نہیں؟(ت)
جواب: مستحسن ہے۔(ت)
صفحہ ۱۲۷ پر ہے:
سوال: بسم اللہ نوشتن بر پیشانیٔ میت از انگشت درست ست یانہ؟
جواب: درست ست۔[49]
سوال: انگلی سے میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟
جواب: درست ہے۔(ت)
صفحہ ۱۵۲ پر ہے:

در مجالسِ مولد شریف کہ از سورۂ والضحیٰ تا آخر می خوانند البتہ بعد ختمِ ہر سورۃ تکبیر می گویند راقم شریک مجالس متبرکہ بودہ ایں امر را مشاہدہ کردم ہم در مکۂ معظمہ و ہم در مدینۂ منورہ و ہم در جدّہ۔[50]

میلاد شریف کی محفلوں میں سورہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک پڑھتے ہیں، ہر سورۃ ختم کرنے کے بعد تکبیر کہتے ہیں۔ راقم نے ان متبرک محفلوں میں شریک ہو کر اس امر کا مشاہدہ کیا ہے، مکّہ معظمہ میں بھی، مدینۂ منورہ میں بھی اور جدّہ میں بھی۔(ت)

طرفہ تر یہ کہ صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:
سوال: پارچہ جھنڈا سالار مسعود غازی در مصرف خود آرد یا تصدق نماید؟
جواب: ظاہر اُدر استعمال پارچہ مذکورہ بصرف خود وجہے کہ موجب بزہ کاری باشد نیست و اولیٰ آنست کہ بمساکین و فقرا دہد۔[51]
سوال: سیّد سالار مسعود غازی کے جھنڈے کا کپڑا اپنے مصرف میں لائے یا صدقہ کردے؟
جواب: مذکورہ کپڑا اپنے مصرف میں لانے میں بہ ظاہر گناہ کی کوئی وجہ نہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ مساکین و فقرا کو دے

48۔ مجموعۂ فتاوٰی عبد الحی، باب التراویح، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ، ۳/ ۵۷۔
49۔ مجموعۂ فتاویٰ عبد الحی، باب مایتعلق بالموتی، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ، ۱/ ۱۲۳۔
50۔ مجموعۂ فتاویٰ عبد الحی، باب القرآۃ فی الصلوٰۃ، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ، ۳/ ۵۲۔
51۔ مجموعہ فتاویٰ، باب مایحل استعمالہ ومالایحل، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ، ۳/ ۱۱۶۔

دے۔(ت)

جناب سے سوال ہے کہ مولوی صاحب کے یہ اقوال کیسے؟ اور ان کے قائل ومعتقد کا حکم کیا ہے؟ خصوصاً شغلِ برزخ کو جائز جاننے والا معاذ اللہ مشرک یا گمراہ ہے یا نہیں؟ اور جس کتاب میں ایسے اقوال مندرج ہوں مستند ومعتمد ٹھہرے گی، یا پایۂ احتجاج سے ساقط ہوگی؟ بینوا توجروا۔

سوم: مولوی صاحب نے اس فتوے میں معانقۂ عید کی نسبت صرف اتنا حکم دیا کہ "ترک اس کا اولیٰ ہے"، اس سے ممانعت در کنار، اصلاً کراہت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ "اَوْلَوِیَّتِ ترک نہ مشروعیت و اباحت کے منافی نہ کراہت کو مستلزم۔"[52] ردّالمحتار میں ہے:

الاقتصار علی الفاتحة مسنون لاواجبٌ فکان الضم خلاف الاولیٰ وذلك لاینا فی المشروعیة والاباحة بمعنی عدم الاثم فی الفعل والترك۔[53]

نمازِ فرض کی تیسری چوتھی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرنا صرف مسنون ہے، واجب نہیں۔ تو ان رکعتوں میں سورۃ ملانا خلافِ اولیٰ ہوگا اور یہ اس کے جائز ومباح ہونے کے منافی نہیں۔ اباحت بایں معنیٰ کہ کرنے نہ کرنے دونوں میں کوئی گناہ نہیں۔(ت)

اسی میں ہے:

صَرَّحَ فی البحر فی صلٰوۃِ العید عند مسئلة الاکل بانه لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھة "اذلا بُدَّلھا من دلیل خاص" اھ واشار الیٰ ذلك فی التحریر الاصولی بان "خلاف الاولی مالیس فیه صیغة نھی کترك صلٰوۃ الضحٰی بخلاف المکروہ تنزیھا۔[54]

بحرالرائق میں جہاں یہ مسئلہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے کچھ کھالینا مستحب ہے وہیں ہے کہ اس مستحب کو اگر کسی نے ترک کر دیا تو وہ فعلِ مکروہ کا مرتکب نہ ہوگا کیوں کہ ترکِ مستحب سے کراہت کا ثبوت لازم نہیں، اس لیے کہ مکروہ ہونے کے

52۔ فقہا اگر یہ حکم کریں کہ فلاں امر کا ترک بہتر ہے تو اس سے ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ چیز ناجائز ہے بل کہ مکروہ ہونا بھی لازم نہیں آتا، یہ ایک عظیم قاعدہ ہے جو حفظ کر لینے کے قابل اور بہت سے مقامات میں مفید ہے۔ اس قاعدے کے پیشِ نظر مولانا عبدالحی صاحب نے معانقۂ عید کے متعلق جب صرف اتنا لکھا کہ اُس کا نہ کرنا بہتر ہے تو اُس سے معانقۂ مذکورہ کا ناجائز یا مکروہ ہونا بالکل ثابت نہیں ہوتا بل کہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر ممانعتِ معانقہ کے بارے میں فتوائے مذکور سے استدلال ہی بالکل بیکار اور اپنے خلاف استدلال ہے۔(ت)

53۔ ردّالمحتار، مطلب کل صلوٰۃ مکروہۃ تجب اعادتہا، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/ ۴۵۹۔

54۔ ردالمحتار، مطلب لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراہۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۲/ ۱۷۷۔

لیے کوئی خاص دلیل ضروری ہے اور اس کی طرف تحریرِ اصولی میں بھی اشارہ کیا ہے کہ "خلافِ اولیٰ وہ ہے جس میں ممانعت اور نہی کا صیغہ نہ ہو۔" جیسے نمازِ چاشت کا ترک بہ خلاف مکروہِ تنزیہی کے کہ اس میں نہی و ممانعت کا صیغہ ہوتا ہے۔(ت)

پھر اگر جناب کے نزدیک بھی حکم وہی ہے جو مولوی صاحب نے اپنے فتوے میں لکھا تو تصریح فرمادیجیے کہ عید کا معانقہ شرعاً ممنوع نہیں، نہ اس میں اصلاً کوئی حرج ہے، ہاں نہ کرنا بہتر ہے، کرلے تو مضائقہ نہیں۔

چہارم: آپ نے جو عبارات رد المحتار و مرقات نقل فرمائیں، ان میں معانقۂ عید کی ممانعت کا کہیں ذکر نہیں، اُن میں تو مصافحۂ بعدِ نمازِ فجر و عصر یا نمازِ پنجگانہ کا بیان ہے اور جناب کو منصبِ اجتہاد حاصل نہیں کہ ایک مسئلے کو دوسرے پر قیاس فرماسکیں۔ اگر فرمایئے کہ "جو دلائل اس میں لکھے ہیں یہاں بھی جاری۔"

اقول: یہ محض ہوس ہے، اُن عبارتوں میں تین دلیلیں مذکور ہوئیں:

(۱) محلِ مصافحہ ابتدائے ملاقات ہے نہ بعدِ صلوات۔

(۲) یہ مصافحۂ مخصوصہ سنّتِ روافض ہے۔

(۳) صحابۂ اِکرام نے یہ خاص مصافحہ نہ کیا۔

یہ تینوں تعلیلیں اگرچہ فی اَنْفُسِہا خود ہی علیل اور ناقابلِ قبول ہیں کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالیٰ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے اپنے فتاویٰ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) و لہٰذا قولِ اصح یہی ٹھہرا کہ وہ مصافحۂ مخصوصہ بھی جائز و مباح ہے کما سنذکر ان شاء اللہ تعالیٰ (جیسا کہ ہم ان شاءاللہ تعالیٰ آگے ذکر کریں گے۔ت) مگر ہمارے مسئلۂ دائرہ یعنی معانقۂ عید سے دو دلیل پیشیں کو تو اصلاً علاقہ نہیں۔

محلِ "مصافحہ" خاص ابتدائے لقا ہو تو بھی "معانقہ" کی اُس وقت سے تخصیص ہرگز مسلّم نہیں و من ادعیٰ فعلیہ البیان (جو مدعی ہو بیان اس کے ذمے۔ت)

مولوی صاحب لکھنوی کا بے دلیل و سند لکھنا مسموع نہیں ہو سکتا، بل کہ معانقہ مثلِ تقبیل اظہارِ سرور و بشاشت و وداد و محبت ہے، جیسے تقبیل خاص ابتدائے لقا سے مخصوص نہیں، یوں ہی معانقہ۔

جناب نے فتوائے فقیر میں حدیثِ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرویِ کتاب السنۃ ابن شاہین و معجم کبیر امام طبرانی ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ حضور پُر نور سیّدِ عالم ﷺ نے تالاب پیرنے میں امیر المؤمنین صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا۔ و نیز حدیثِ اُسید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ مرویِ سُنن ابی داؤد کہ انہوں نے باتیں کرتے کرتے حضورِ والا ﷺ سے کُرتا اُٹھانے کی درخواست کی، حضور نے قبول فرمائی، وہ حضور کے بدنِ اقدس سے لپٹ گئے اور تہی گاہ مبارک پر بوسہ دیا۔ و نیز حدیثِ صحیح مستدرک کہ اثنائے مجلس میں حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت ذی النورین سے معانقہ فرمایا۔ و نیز حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حضور پُر نور ﷺ نے اُن سے پوچھا: عورت کے لیے سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی: یہ کہ کوئی نامَحرم اُسے نہ دیکھے۔ حضور نے گلے سے لگالیا۔ ان سب صورتوں میں ابتدائے لقا کا وقت کہاں تھا کہ معانقہ فرمایا گیا۔ یوں ہی پیار

سے اپنے بچوں، بھائیوں، زوجہ کو گلے لگانا شاید اوّلِ ملاقات ہی پر جائز ہو گا، پھر ممانعت کی جائے گی؟

یوں ہی مصافحہ بعد نمازِ فجر و عصر اگر کسی وقت روافض نے ایجاد کیا اور خاص ان کا شعار رہا ہو، اور بدیں وجہ اس وقت کے علمانے اہلِ سنّت کے لیے اسے ناپسند رکھا ہو تو معانقۂ عید کا زبردستی اس پر قیاس کیوں کر ہو جائے گا، پہلے ثبوت دیجیے کہ "یہ رافضیوں کا نکالا اور انہی کا شعارِ خاص ہے" ورنہ کوئی امر جائز کسی بدمذہب کے کرنے سے ناجائز یا مکروہ نہیں ہو سکتا۔ لاکھوں باتیں ہیں جن کے کرنے میں اہلِ سنّت و روافض بل کہ مسلمین و کفار سب شریک ہیں۔ کیا وہ اس وجہ سے ممنوع ہو جائیں گی؟

بحر الرائق و در مختار و ردّ المحتار وغیرہا ملاحظہ ہوں کہ "بدمذہبوں سے مشابہت اُسی امر میں ممنوع ہے جو (۱) فی نفسہٖ شرعاً مذموم یا (۲) اس قوم کا شعارِ خاص یا (۳) خود فاعل کو اُن سے مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو ورنہ زِنہار وجہِ ممانعت نہیں۔"

رہا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نہ کرنا، یہ تنہا دلیلِ منع نہیں ہو سکتا۔ آپ کی تینوں کتبِ مُسْتَنَدۂ اَعْنِی مجموعۂ فتاوٰی و رد المحتار و مرقاۃ شریف اور ان کے سوا صدہا کتبِ مُعْتَمَدہ اس کے بطلان پر گواہ ہیں۔ فقہائے کرام سیکڑوں چیزوں کو یہ تصریح فرما کر کہ نَوپیدا ہیں، جائز بل کہ مستحب و مستحسن بل کہ واجب بتاتے اور مُحدَثات کو اقسامِ خمسہ کی طرف تقسیم فرماتے ہیں، مجموعۂ فتاوٰی کی عبارتیں گزریں، ردّ المحتار میں ہے:

قوله ای صاحب بدعة ای محرّمة والا فقد تکون واجبة کنصب الادلّة للرد علی اهل الفرق الضالة و تعلم النحو المفهم الکتاب والسنة ومندوبة کاحداث نحو رباط مدرسة وکل احسانٍ لم یکن فی الصدر الاول و مکروهة کزخرفة المساجد و مباحة کالتوسع بلذیذ المآکل والمشارب و الثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تهذیب النووی و مثله فی الطریق المحمدیة للبرکوی۔[55]

شارح کا قول "صاحبِ بدعت" یہاں بدعت سے مراد حرام بدعت ہے ورنہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے۔ جیسے گمراہ فرقوں کا رَد کرنے کے لیے دلائل قائم کرنا، علمِ نحو سیکھنا جس سے کتاب و سنت کو سمجھ سکیں۔ مستحب بھی جیسے سرائے اور مدرسہ جیسی چیزیں تعمیر کرنا، اور ہر وہ نیک کام جو زمانۂ اوّل میں نہ رہا ہو۔ مکروہ بھی جیسے مسجدوں کو آراستہ و منقّش کرنا۔ مباح بھی جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور کپڑوں میں وسعت و فراخی کی راہ اختیار کرنا۔ جیسا کہ علامہ مناوی کی شرح جامع صغیر میں علامہ نووی کی کتاب تہذیب سے منقول ہے، اور اسی طرح علامہ برکوی کی کتاب "الطریق المحمدیہ" میں مذکور ہے۔ (ت)

مرقات شریف میں ہے:

55۔ رد المحتار، باب الامامت، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/ ۵۶۰۔

احداث ما لا ینازع الکتاب والسنۃ کما سنقررہ بعد لیس بمذموم۔[56]

ایسا فعل ایجاد کرنا جو کتاب وسنّت کے مخالف نہ ہو بُرا نہیں۔ جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے۔ (ت)

پھر ایک صفحے کے بعد بدعت کا واجب وحرام ومندوب ومکروہ ومباح ہونا مفصّلاً ذکر فرمایا۔

عالمگیری میں ہے:

لا بس بکتابۃ اَسَامی السور وعدد الآی وھو ان کان احداثا فھو بدعۃ حسنۃ وکم من شئ کان احداثا وھو بدعۃ حسنۃ۔[57]

مصحف شریف میں سُورتوں کے نام، اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں کوئی حرج نہیں اور وہ اگرچہ نئی ایجاد اور بدعت ہے مگر بدعتِ حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو نوایجاد تو ہیں مگر بدعتِ حسنہ ہیں۔ (ت)

امام ابن الہمام فتح القدیر میں رکعتینِ قبل مغرب کا حضور اقدس ﷺ وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہ ہونا ثابت کرکے بتاتے ہیں:

ثم الثابت بعد ھذا ھو نفی المندوبیۃ اما ثبوت الکراھۃ فلا الا ان یَّدُلَّ دلیل اٰخر۔[58]

پھر اس ساری بحث کے بعد صرف یہ ثابت ہوا کہ نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں مندوب ومستحب نہیں لیکن مکروہ ہونا ثابت نہیں، ہاں اگر ثبوتِ کراہت پر کوئی اور دلیل ہو تو البتہ۔ (ت)

مع ہٰذا حضراتِ مانعین زمانہ تین قرن تک اختیارِ تشریع مانتے اور مُحدَثاتِ تابعین کو بھی غیر مذموم جانتے ہیں، تو صرف عدمِ فعلِ صحابہ سے استدلال اُن کے طور پر بھی ناقص وناتمام ہے[59]۔ کلام ان مباحث میں طویل ہے کہ ہم نے اپنے رسائلِ عدیدہ میں ذکر کیا یہاں بھی دو حرفِ مجمل کافی ہیں وباللہ التوفیق۔

پنجم: رد المحتار ومرقات کی یہ عبارتیں اگر جناب نے دیکھیں تو درر وغرر وکنز الدقائق ووقایہ ونقایہ ومجمع وملتقی و

56۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مطبوعہ امدادیہ، ملتان، ۱/ ۲۱۵۔

57۔ عالمگیری (فتاویٰ ہندیہ)، باب آداب المسجد، مطبوعہ پشاور، ۵/ ۳۲۳۔

58۔ فتح القدیر باب النوافل، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/ ۳۸۹۔

59۔ مانعین کسی چیز کی ایجاد اور جائز ومشروع قرار دینے کا اختیار صرف تین زمانوں تک محدود مانتے ہیں:

(۱) زمانۂ رسالت (۲) زمانۂ صحابہ (۳) زمانۂ تابعین

ان کے اس نظریے سے اتنا ثابت ہے کہ زمانۂ تابعین کی ایجادات بھی بُری نہیں۔ تو مصافحۂ مذکورہ کی ممانعت کے ثبوت میں صرف صحابۂ کرام کے نہ کرنے سے استدلال ناقص وناتمام ہے، اپنے ہی نظریے کے مطابق یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ زمانۂ تابعین میں بھی اس کا وجود وثبوت نہیں۔ (ت)

اصلاح وایضاح وتنویر وغیرہا عامۂ متونِ مذہب کے اطلاقات ملاحظہ فرمائے ہوتے جنھوں نے مطلقًا بلا تقیید و تخصیص مصافحے کی اجازت دی۔ در مختار و حاشیہ علامہ طحطاوی و شرح علامہ شہاب شلبی و فتح اللہ المعین حاشیۂ کنز و غنیۂ ذوی الاحکام حاشیۂ درر و حاشیۂ مراقی الفلاح و نسیم الریاض شرح شفاے امام قاضی عیاض و مجمع بحار الانوار و مطالب المومنین و مسوّٰی شرح موطا و تکملۂ شرح اربعینِ علامہ برکوی للعلامہ محمد آفندی و حدیقۂ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ للعلامۃ النابلسی و فتوٰیٔ امام شمس الدین بن امام سراج الدین خانوتی وغیرہم علماے حنفیہ کی تصریحاتِ جلیلہ بھی دیکھی ہوتیں کہ صاف صاف مصافحۂ مذکورہ اور اسی طرح مصافحۂ عید کو بھی جائز بل کہ مستحسن بل کہ سنّت بتاتے ہیں۔ درِ مختار میں ہے:

اطلاق المصنف تبعا للدرر والكنز والوقاية والمجمع والملتقى وغيرها يفيد جوازها مطلقا ولو بعد العصر وقولهم انه بدعة اى مباحة حسنة كما افاده النووى فى اذكاره وغيرُه فى غيرِه۔[60]

درر، کنز، وقایہ، مجمع، ملتقی، وغیرہا کے اتباع میں مصنّف نے بھی یہاں مصافحے کا ذکر مطلق رکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصافحہ مطلقًا جائز ہے خواہ بعدِ عصر ہی کیوں نہ ہو۔ اور لوگوں کا یہ کہنا کہ وہ بدعت ہے تو اس سے مراد بدعتِ مباحہ حسنہ ہے، جیسا کہ امام نووی نے اذکار میں اور دوسرے علمانے دوسری کتابوں میں افادہ فرمایا ہے۔ (ت)

اصلاح وایضاح میں ہے:

كُرِهَ تقبيل الرجل وعناقه فى ازارٍ واحد وجاز مع قميص كمصافحة۔[61]

آدمی کا بوسہ دینا اور معانقہ کرنا ایک ازار میں مکروہ ہے اور کرتا پہن کر ہو تو جائز ہے، جیسے مصافحہ جائز ہے۔ (ت)

حدیقۂ ندیہ میں ہے:

بعض المتاخرين من الحنفية صرّح بالكراهة فى ذلك ادعاءً بانّه بدعة مع انه داخل فى عموم سنة المصافحة مطلقا۔[62]

بعض متاخّرینِ حنفیہ نے اس مصافحے کے بدعت ہونے کا دعویٰ کرتے ہوے اسے صراحتًہ مکروہ بتایا ہے باوجودیکہ وہ مطلق مصافحہ کے عموم میں داخل ہو کر مسنون ہے۔ (ت)

مجمع البحار میں ہے: هِيَ مِنَ الْبِدَعِ الْمُبَاحَةِ۔[63] (یہ مصافحہ ان بدعتوں سے ہے جو مباح ہیں۔ ت)

آپ کی اسی ردالمحتار میں بعدِ نقلِ عبارتِ امام نووی ہے:

60۔ در المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۶/ ۳۸۱۔

61۔ اصلاح وایضاح۔

62۔ الحدیقۃ الندیۃ، الخلق الثامن والاربعون الخ، مطبوعہ مکتبۂ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ۲/ ۱۵۰۔

63۔ مجمع البحار الانوار، تحت لفظ صفح، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، ۲/ ۲۵۰۔

قال الشیخ ابو الحسن البکری و تقییدہ بما بعد الصبح والعصر علی عادۃ کانت فی زمنہ والا فعقب الصلوات کلھا کذلک۔ کذا فی رسالۃ الشُّرُنْبُلَالِی فی المصافحۃ و نُقِلَ مثلہ عن الشمس الحانوتی وانہ اَفتٰی بہ مستند لا بعموم النصوص الواردۃ فی مشروعیتھا وھو الموافق لما ذکرہ الشارح من اطلاق المتون۔[64]

شیخ ابوالحسن بکری فرماتے ہیں امام نووی نے بعد فجر و عصر کی قید کے ساتھ مصافحے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ ان کے زمانے میں یہی رائج تھا، ورنہ بعدِ فجر و عصر کی طرح تمام نمازوں کے بعد مصافحہ جائز ہے۔ یہی علامہ شرنبلالی کے اس رسالے میں ہے جو انہوں نے مصافحے کے بارے میں لکھا ہے، اور اسی کے مثل علامہ شمس الدین حانوتی سے منقول ہے۔ انہوں نے جوازِ مصافحہ کے بارے میں وارد شدہ احادیث اور نصوص سے استدلال فرماتے ہوئے اِس مصافحے کے بھی جائز ہونے کا فتوٰی دیا ہے۔ اور یہی اس کے موافق ہے جو شارح (صاحبِ درمختار علاء الدین حصکفی) نے متونِ فقہ کا اطلاق ذکر کیا ہے۔ (ت)

شاہ ولی اللہ دہلوی مسوّٰی میں کلامِ امام نووی نقل کر کے کہتے ہیں:

اقول وھکذا ینبغی ان یقال فی المصافحۃ یوم العید۔[65]

میں کہتا ہوں جس طرح امام نووی نے مصافحۂ بعدِ فجر و عصر کے جواز میں استدلال کیا ہے، یہی استدلال مصافحۂ روزِ عید میں بھی جاری ہونا چاہیے۔ (ت)

اور بعض نسخ مسوّٰی میں "والمعانقۃ یومَ العید ایضا" (اور روزِ عید کے "معانقہ" میں بھی۔ ت) بھی ہے۔

"مناصحۃ فی تحقیق مسائل المصافحۃ" میں تکملۂ شرحِ اربعین سے ہے:

لاوجہ لجواب ابن حجر الشافعی و قد سُئل عن المصافحۃ بعد الصلوۃ فقال ھی بدعۃ، انتھی، لان حالۃ السلام حالۃ اللقاء لان المصلی لما احرم صار غائبا عن الناس مقبلا علی اللہ تعالٰی، فلما ادی حقہ قیل لہ ارجع الی مصالحک وسلّم علی اخوانک لقدومک عن غیبتک، ولذلک ینوی القوم بسلامہ کما ینوی الحفظۃ واذا سلم یندب المصافحۃ اوتسنّ کالسلام۔ کما اجاب شیخ الاسلاب شیخ مشائخنا شمس الدین محمد بن سراج الدین الحانوتی وقد رفع لہ ھذا السؤال فقال نص العلماء علی ان المصافحۃ للمسلم لاللکافر مسنونۃ من غیر ان یقیدوھا بوقت دون وقت لقولہ علی الصلٰوۃ والسلام من صافح اخاہ المسلم وحرّك یدہ تناثرت ذنوبہ ونزلت علیھا مأۃ رحمۃ تسعۃ و تسعون منھا لاسبقھما واحدۃ لصاحبہ وقال ایضا ما من مسلمین یلیقیان

64۔ ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۶/ ۳۸۱۔

65۔ مسوّٰی، باب استحباب المصافحۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۲/ ۲۲۱۔

فيتصافحان الاغفر لهما قبل ان يتفرقا فالحديث الاول يقتضى مشروعية المصافحة مطلقا اعم من ان تكون عقب الصلوات الخمس والجمعة والعيدين او غير ذلك۔لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لم يقيدها بوقت دون وقت والدليل العام عند الحنفية اذا لم يقع فيه تخصيص من الادلة الموجبة للحكم قطعا، كالدليل الخاص لقوته- والدليل ههنا عامٌ لان صيغة "من" من صِيَغِ العموم وكذا نقل عن شيخ مشائخنا العلامة المقدسى حديث "من صافح مسلما وقال عند المصافحة اللهم صل على محمد وعلى آل محمد لم يبق من ذنوبه شیء" فصيغته ايضا من صيغ العموم ذكره الشُّرُنْبُلَالی فی رسالته المسماة "بسعادة اهل الاسلام"۔[66]

علامہ ابنِ حجر شافعی نے مصافحۂ بعدِ نماز سے متعلق جواب دیتے ہوئے اُسے بدعت کہا ہے، اُن کے اس جواب کی کوئی قابلِ قبول وجہ نہیں، اس لیے کہ مصافحۂ بعدِ نماز بھی مصافحۂ اوّلِ ملاقات ہے کیوں کہ سلام نماز کی حالت، حالتِ ملاقات ہے۔ اس لیے کہ جب مصلّی نے تحریمہ باندھ لیا تو وہ انسانوں سے غیر حاضر اور خدا کی طرف متوجہ ہو گیا، پھر جب حَقُّ اللہ کی ادائیگی سے فارغ ہُوا تو اس سے کہا گیا کہ اب اپنے کاموں اور مصالح کی طرف واپس ہو اور اپنے مسلمان بھائیوں کو سلام کر، کیوں کہ تُو اپنی غیر حاضری اور غَیبت سے آرہا ہے، اسی لیے تُو اپنے سلام میں لوگوں کی بھی نیت کرے گا، جیسے محافظ فرشتوں کی نیت کرے گا۔ اور جب سلام کیا تو مصافحہ اس کے لیے مندوب یا مسنون ہے۔ جیسے سلام، اسی طرح شیخ الاسلام، ہمارے مشائخ کے شیخ شمس الدین محمد بن سراج الدین حانوتی نے جواب دیا ہے، اُن کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا، علمانے کافر سے تو نہیں مگر مسلمان سے مصافحہ کو کسی خاص وقت کی کوئی قید لگائے بغیر مسنون ہونے پر نص فرمایا ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اپنے ہاتھ کو حرکت دی تو اُس کے گناہ جھڑتے ہیں، اور دونوں پر کُل سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ننانوے اس کے لیے جس نے مصافحے میں سبقت و پیش قدمی کی اور ایک اُس کے دوسرے ساتھی کے لیے۔" اور حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ "جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملتے پھر مصافحہ کرتے ہیں تو جُدا ہونے سے پہلے اُن کی مغفرت ہو جاتی ہے۔" پہلی حدیث کا مقتضٰی ہے کہ مصافحہ مطلقًا جائز و مشروع ہو، خواہ نمازِ پنجگانہ، جمعہ اور عیدین کے بعد ہو یا کسی اور وقت۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے مصافحے کو کسی خاص وقت سے مقیّد نہ فرمایا۔ اور حنفیہ کے نزدیک دلیلِ عام کا بھی وہی رتبہ ہے جو دلیلِ خاص کا ہے، جب کہ دلیلِ عام حکم کو قطعی طور پر لازم کرنے والی دلیلوں سے کوئی تخصیص نہ ہوئی ہو، بل کہ وہ تو اس کے قائل ہیں کہ دلیلِ عام اتنی قوی ہوتی ہے کہ دلیلِ خاص کے معارض اور اس پر ترجیح یافتہ ہوا کرتی ہے، اور یہاں دلیلِ مصافحہ بھی عام ہے، اس لیے کہ حدیث میں کلمہ "مَن" ہے جو صِیَغِ عموم سے ہے، یوں ہی ہمارے شیخ المشائخ علامہ مقدسی سے یہ حدیث منقول ہے: "جس نے کسی مسلمان سے

66۔ مناصحہ فی تحقیق مسائلہ المصافحہ۔

مصافحہ کیا اور بہ وقتِ مصافحہ (درود شریف) "اللهم صلِّ علٰی محمدٍ وّعلٰی آلِ محمد" پڑھا تو اس کے گناہوں سے کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔" اسے علامہ شرنبالی نے اپنے رسالے "سعادۃ الاسلام" میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

علامہ سیّد ابو السعود ازہری حاشیۂ کنز میں فرماتے ہیں:

فی شرح الشهاب الشِّلْبی وما اعتاده الناس بعد صلٰوة الصبح والعصر فلا اصل له لكن لاباس به۔[67] الخ

شہاب الدین شِلبی کی شرح میں ہے: نمازِ فجر و عصر کے بعد جو مصافحہ رائج ہے اس کی کوئی اصل نہیں، مگر اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ (ت)

غنیہ حاشیۂ غرر و درر باب صلٰوۃ العیدین میں ہے:

المستحب الخروج ماشیا والرجوع من طريق اٰخر والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم لا ننكركما فی البحر، وكذا المصافحة بل هی سنة عقب الصلوات كلها عند كل لقی ولنا فيها رسالة سميتها سعادة اهل الاسلام بالمصافحة عقب الصلٰوة والسلام"۔[68]

عید کے دن عید گاہ کو پیادہ جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا یہی مستحب ہے، اور بالفاظ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ (اللہ ہمارے تمہارے عمل قبول فرمائے) مبارک باد پیش کرنا کوئی منکر اور برا نہیں، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ وہ تو تمام نمازوں کے بعد ہر ملاقات کے وقت سنت ہے اور اس بارے میں "سعادة اهل الاسلام بالمصافحة عقب الصلٰوة والسلام" نامی ہمارا ایک رسالہ ہے۔ (ت)

فتح اللہ المعین علیٰ شرح العلامۃ الملا مسکین میں ہے:

من المستحب اظهار الفرح والبشاشة (الى قوله) والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم وكذا المصافحة بل هی سنة عقب الصلوات كلها وعند كل لقی، شرنبلالية۔[69]

عید کے دن مسرت و خندہ روئی ظاہر کانا اور تقبل الله منا ومنكم (اللہ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے) کے ذریعے مبارک باد دینا مستحب ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے، شرنبلالیہ (ت)

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ نور الایضاح میں فرماتے ہیں:

67۔ فتح المعین حاشیہ علی شرح ملا مسکین، کتاب الکراہیۃ، فصل فی الاستبراء، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۳/ ۴۰۲۔

68 ۔ غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ غرر باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ احمد مصر ا / ۱۴۲۔

69 ۔ فتح المعین علی شرح العلامہ الملا مسکین باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ا / ۳۲۵۔

کذا تطلب المصافحة فھی سنة عقب الصلوات کلھا۔[70]

اسی طرح مصافحہ بھی مطلوب ہے بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد سنت ہے۔(ت)

حاشیہ در مختار میں فرمایا:

تستحب المصافحة بل ھی سنة عقب الصلوات کلھا وعند کل لقی، ابو السعود عن الشُرُنْبُلَالیة۔[71]

مستحب ہے مصافحہ، بلکہ یہ تو نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے، ابو السعود عن الشرنبلالیہ۔(ت)

افسوس کہ دو عبارتیں جناب نے دیکھیں، اور اتنی عباراتِ کثیرہ جو جناب کے خلاف تھیں نظر سے رہ گئیں۔ خیر، مانا کہ اس میں اکثر کتب مطالعۂ سامی میں نہ آئی ہوں، آخر در مختار اور رد المحتار تو پیش نظر تھیں۔ در مختار کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ مصافحۂ مذکورہ بدعت حسنہ ہے۔ رد المحتار میں رسالۂ علامہ شرنبلالی کا کلام اور علامہ شمس الدین حانوتی کا فتویٰ دیکھا ہی ہوگا۔ سب جانے دیجیے، یہ فتاویٰ لکھنؤ جو استاذاً پیش فرمایا اسی میں یہیں یہ الفاظ موجود کہ "علما اس باب میں مختلف ہیں بعض بدعتِ مباحہ کہتے ہیں اور بعض بدعتِ مکروہہ۔ مسئلۂ مصافحہ کا اختلافی ہونا پایا نہیں؟ بہت واضح راہ تھی کہ ترجیح تلاش فرمائی جاتی، جو قول مرجح نکلتا اُسی پر عمل کرنا تھا، اگر جناب کی نظر ترجیح تک نہ پہنچی تو فقیر سے سنیے، علامہ شہاب الدین خُفاجی حنفی نسیم الریاض شرح شفاے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ھی بعد الصلوة بدعة عندنا، والاصح انھا مباحة لما فیھا من الاشارة الی انه کان قدم من غیبة لانه کان عند ربه یناجیه فافھم۔[72]

یہ مصافحہ، نماز کے بعد ہمارے نزدیک بدعت ہے، اور صحیح تر یہ مباح ہے کیونکہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ غیبت اور غیر حاضری سے آیا ہے اس لیے کہ وہ اپنے رب کے حضور مصروفِ مناجات تھا۔ اسے سمجھو۔(ت)

ملاحظہ فرمایئے کیسی صاف تصریح ہے کہ مصافحۂ مذکورہ کی اباحت ہی قولِ اصح ہے۔ پھر اگر بالفرض دوسری طرف بھی تصحیح پائی جاتی، تاہم یہی قول مرجح رہتا کہ خود باقرارِ ردالمحتار "مذہب اباحت ہی موافق اطلاقِ مُتون ہے"۔ اور خود انھیں کی تصریح یہ ہے کہ "اختلافِ فتویٰ کے وقت اُسی قول پر عمل اولیٰ جو اِطلاقِ مُتون کے موافق ہو"۔

---

70 ۔ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح باب العیدین، مطبوعہ نور محمد، کراچی، ص ۲۸۸۔

71 ۔ حاشیہ طحطاوی درالمختار باب العیدین، مطبوعہ دارالمعرفہ، بیروت، ۱/ ۳۵۳۔

72 ۔ نسیم الریاض شرح شفا۔

حیث قال قد اختلف التصحیح والفتوی کما رأیت والعمل بما وافق اطلاق المُتُونِ اَوْلٰی۔ بحر۔[73]
اُنھوں نے یوں فرمایا کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو تو تصحیح اور فتوے میں اختلاف ہو گیا، اور عمل اُسی پر اولیٰ ہے جو اطلاق متون کے موافق ہو، بحر (ت)

در مختار میں ہے:

علی المعتمد لانہ متی اختلف الترجیح رجح اطلاق المتون، بحر۔[74]
یہ حکم بربنائے مُعتمد ہے، اس لیے کہ اختلافِ ترجیح کے وقت اطلاقِ متون ہی کو ترجیح ہے، بحر (ت)
اور جب کہ ترجیح صرف اسی طرف ہے تو اب تو اس قول کا اختیار فقاہت سے بالکل بر طرف ہے،

در مختار میں ہے:

اما نحن فعلینا اتباع ما رجّحوہ وصحّحوہ۔[75]
ہم عام مقلدین پر تو بس اُسی کی پیروی کرنا ہے جسے ان بزرگوں نے راجح و صحیح قرار دے دیا۔ (ت)

اسی میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع۔[76]
مرجوح قول پر حکم اور فتویٰ دینا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔ (ت)

الحمد للہ اب حق باحسن وجوہ واضح ہو گیا، اُمید کرتا ہوں کہ جناب بھی اب تو مصافحہ مذکورہ و معانقۂ عید کے جواز واباحت پر فتویٰ دیں گے اور اپنے تلامذہ کو ان امورِ جائزہ کے طعن وانکار سے باز رہنے کی ہدایت کریں گے واللہ الھادی و ولی الایادی۔

ششم: الحمد اللہ کہ ضمنِ تقریر میں مسئلۂ مصافحہ بعدِ صلوٰۃ بھی صاف ہو گیا، اور تعطیلاتِ ثلٰثہ کا علیل ہونا بھی منکشف ہو لیا۔ ثالث پر کلام تو صراحۃً گزرا اور اول کا جواب عبارتِ تکملہ شرح اربعین و نسیم الریاض سے واضح ہوا کہ بعدِ ختم نماز ملنا بھی ابتدائے لقا ہے، ولہٰذا اس وقت سلام مشروع ہوا، تو مصافحہ کیوں نامشروع ہونے لگا۔ رہی تعلیلِ ثانی اس کے جواب کا اشارہ کلامِ فقیر میں گزرا کہ مشابہت صرف ان تین صورتوں میں مذموم ہے ورنہ نہیں۔

تکمیلِ کلام: اتنا اور سُن لیجیے کہ کسی طائفہ باطلہ کہ سنت جبھی تک لائقِ احتراز رہتی ہے کہ وہ ان کی سنت رہے، اور

73۔ رد المحتار مطلب رسم المفتی، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/ ۷۲۔
74۔ در المختار مطلب رسم المفتی، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱/ ۷۷۔
75۔ در المختار مطلب رسم المفتی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱/ ۷۴۔
76۔ در المختار مطلب رسم المفتی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱/ ۷۴۔

جب ان میں سے رواج اُٹھ گیا تو ان کی سنت ہونا ہی جاتا رہا، احتراز کیوں مطلوب ہوگا۔ مصافحہ بعدِ نماز اگر سنتِ روافض تھا تو اب ان میں رواج نہیں، نہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں نہ بعدِ نماز مصافحہ کرتے ہیں، بلکہ شاید اول لقا پر بھی مصافحہ ان کے یہاں نہ ہو کہ اِن اعدائے سنن کو سنن سے کچھ کام ہی نہ رہا۔ تو ایسی حالت میں وہ ملت سرے سے مُرتفع ہے۔

در مختار میں ہے:

یجعله لبطن کفه فی یده الیسریٰ، وقیل الیمنی الا انه من شعار الروافض فیجب التحرز عنه قهستانی وغیره۔ قلت ولعله کان وبان فتبصر۔ [77]

(مرد) انگوٹھی بائیں ہاتھ میں ہتھیلی کی طرف کرے اور کہا گیا دائیں ہاتھ میں پہنے، مگر یہ رافضیوں کا شعار ہے تو اس سے بچنا ضروری ہے (قہستانی وغیرہ) میں نے کہا یہ کسی زمانے میں رہا ہوگا پھر ختم ہوگیا، تو اس پر غور کرلو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای کان ذلك من شعارهم فی الزمن السابق ثم انفصل وانقطع فی هذه الازمان فلا ینهیٰ عنه کیفما کان۔ [78]

یعنی وہ گزشتہ زمانے میں ان کا شعار تھا پھر ان زمانوں میں نہ رہا اور ختم ہوگیا، تو اب اس سے ممانعت نہ ہوگی، جیسے بھی ہو۔ (ت)

اب تو بحمد اللہ سب شکوک کا ازالہ ہوگیا، فاحفظ واحمد وکن من الشاکرین والحمد للہ رب العلمین (تو اسے یاد رکھو اور حمد کرو اور شکر گزار بنو اور ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ت)

ہفتم: سخت افسوس کا مقام ہے کہ عبارتِ مرقات کی نقل میں بہت تقصیر واقع ہوئی، مرقاۃ شریف میں اُس عبارت کے بعد یہ الفاظ تھے:

نعم، لو دخل احد فی المسجد والناس فی الصلوٰة او علیٰ ارادة الشروع فیها فبعد الفراغ لو صافحهم لکن بشرط سبق السلام علی المصافحة فهذا من جملة المصافحه المسنونة بلا شبهة۔ [79]

ہاں اگر کوئی مسجد میں داخل ہو اور لوگ نماز میں، یا نماز شروع کرنے والے ہیں، تو فارغ ہونے کے بعد اگر ان سے مصافحے کرے بشرطیکہ مصافحے سے پہلے سلام ہولے تو بلاشبہ یہ مصافحہ مسنونہ ہی کے مجموعے میں شامل ہوگا۔ (ت)

ان میں صاف تصریح تھی کہ وہ کراہت صرف اس صورت میں ہے کہ لوگ نماز سے پہلے مل لیے، باتیں کرچکے،

---

77 ۔ در مختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۶/ ۳۶۱۔

78 ۔ ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۶/ ۳۶۱۔

79 ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، باب المصافحۃ والمعانقۃ مطبوعہ امدادیہ، ملتان، ۹/ ۷۴۔

ملاقات ہوئی، اُس وقت مصافحہ نہ ہوا نہ کچھ اور، اب بعدِ سلام آپس میں مصافحہ کرنے لگے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ یہی وقت ابتدائے لقا کا ہو کہ یہ اس وقت آیا کہ نماز شروع ہوگئی تھی یا شروع کا ارادہ تھا، اب بعد سلام مصافحہ کرے تو یہ یقیناً، مصافحۂ مسنونہ ہے کہ خاص اول لقا پر واقع ہوا ظاہر ہے کہ جماعاتِ عید میں اکثر لوگوں کی باہم یہی حالت ہوتی ہے کہ بعدِ سلام اُن کی لقا، اولِ لقا ہوتی ہے، تو مرقاۃ کے طور پر بھی انھیں معانقے سے اصلاً ممانعت نہیں ہو سکتی۔ پھر معانقۂ عید شرکاے جماعتِ واحدہ ہی سے خاص نہیں بلکہ تمام احباب جنھوں نے مختلف مساجد میں نمازیں پڑھیں اُس دن بلکہ دوسرے دن تک اولِ ملاقات بعد الصلوٰۃ پر باہم معانقہ کرتے ہیں۔ یہ معانقے تو یقیناً ابتداے لقا پر ہوتے ہیں، جو عبارتِ مرقات سے بر سبیلِ قیاسِ جناب اور عبارتِ فتاویٰ لکھنؤ سے صراحۃً ٹھیک موقع پر درست و بجا واقع ہیں، حالانکہ مانعینِ زمانہ کا منع، مصافحۂ بعد نماز اور معانقۂ عید دونوں میں سب صورتوں کو عام و مطلق اور وہ آپ ہی کی عباراتِ مستندہ کی رو سے باطل و ناحق۔ پس اگر انھیں عبارتوں پر عمل فرمائیے تو تصریح فرما دیجیے کہ نمازِ عید سے پہلے جو لوگ مل لیتے ہیں صرف وہ بعدِ نماز معانقہ نہ کریں اور جو ہنوز نہیں ملے انھیں معانقہ بلا کراہت جائز و مباح ہے، یوں ہی ایک دوسرے کے پاس جو ملنے جاتے یا راہ میں ملتے ہیں وہ بھی بلا تامل معانقہ کریں خواہ پیش از نماز یا بعدِ نماز مل لیے ہوں یا نہ ملے ہوں کہ اس وقت تو ابتداے لقا ہے۔ اِن سب صورتوں کا جواز آپ ہی کی مستندات سے ثابت۔ لَا جَرَمَ آپ کو اس کی تصریح کرنا ہوگی۔ اس کے بعد دیکھیے کہ حضراتِ مانعین آپ کو کیا کہتے ہیں، واللہ المستعان علی جہالات الزمان (اور اللہ ہی وہ ہے جس سے زمانے کی جہالتوں کے خلاف مدد طلبی ہے۔ت)

ہشتم: اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ ان لفظوں کے متصل ہی مرقات میں اور تحقیقِ جلیل و نافع، خیالاتِ مانعین پر سیفِ قاطع تھی وہ بھی نقل میں نہ آئی، فرماتے ہیں:

ومع ھذا اذا مد مسلم یدہ للمصافحۃ فلا ینبغی الاعراض عنہ بجذب الید لما یترتب علیہ من اذا یزید علی مراعاۃ الادب فحاصلہ ان الابتداء بالمصافحۃ حینئذ علی الوجہ المشروع مکروہ لا المجاذبۃ وان کان قد یقال فیہ نوع معاونۃ علی البدعۃ۔[80] واللہ تعالیٰ اعلم۔

یعنی باآنکہ اُس صورتِ خاصہ میں کہ ملاقات پیش از نماز کر چکیں اور مصافحۂ تحیت بعدِ نماز کریں، کراہت مانی جاتی ہے، پھر بھی اگر کوئی مسلمان مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو ہاتھ نہ کھینچنا چاہیے بلکہ مصافحہ کر لیا جائے، اگرچہ اسے معاونتِ بدعت کہا جائے کہ اس حالت میں مصافحے نہ کرنا صرف ایک ادب و اولیٰ تھا اور اب اس کے ترک میں مسلمان کی ایذا ہے کہ وہ تو ہاتھ بڑھائے اور ہم ہاتھ کھینچ لیں، مسلمان کی خاطر داری اُس ادب کی مراعات پر مقدم ہے،[81] لہٰذا اس صورت میں

80۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، باب المصافحۃ والمعانقۃ، ۹/ ۴۷۔

81۔ یعنی ادب و اولیٰ چھوڑنے سے مسلمانوں کی خاطر داری ہوتی ہے تو ادب اولیٰ کی رعایت نہ کرے، دلِ مسلم کی رعایت کرے، دلِ

کراہت نہیں بلکہ مصافحہ کرنا ہی چاہیے (ت)

للہ انصاف! اس منصفانہ کلام کا مانعینِ زمانہ کے خیالات سے کتنا بُعد ہے، یہ حضرات تو خواہی نخواہی اپنی مَشْیَخَت بنانے اور شہرت پیدا کرنے کے لیے جماعتِ مسلمین کی مخالفت کو ذریعۂ فخر اور غایتِ تشرّع سمجھے ہوئے ہیں، مگر علمائے محققین مسلمان کا دل رکھنے کا رعایتِ آداب اور ترکِ مکروہات پر بھی مقدم جانتے اور ان کے رسوم وعادات میں مخالفت کو مکروہ و باعثِ شہرت مانتے ہیں، ولہٰذا تصریح فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی نہیِ صریح، غیر قابلِ تاویل نہ آئی ہو، عاداتِ اُناس میں موافقت ہی کر کے اُن کا دل خوش کیا چاہیے اگرچہ وہ فعل بدعت ہو۔ عین العلم میں ارشاد ہوا:

اَلْاِسْرَارُ بِالْمُسَاعَدَةِ فِيْمَا لَمْ يَنْهُ وَصَارَ مُعْتَادًا فِيْ عَصْرِهِمْ حَسَنٌ وَّاِنْ كَانَ بِدْعَةً۔[82]

اُن امور میں لوگوں کی موافقت کر کے انھیں خوش کرنا اچھا ہے جن (امور) سے شریعت میں ممانعت نہیں ہے، اور لوگوں کے عہد میں وہ رائج ہو چکے ہیں خواہ بدعت اور نو ایجاد ہی ہوں۔ (ت)

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قُدِّسَ سِرُّہٗ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

الموافقة فی هذه الامور من حسن الصحبة والعشرة اذا لمخالفة موحشة ولكل قوم رسم لابد من مخالقة الناس باخلاقهم كما ورد فی الخبر لاسيما اذا كانت اخلا قا فيها حسن العشرة والمجاملة وتطييب القلب بالمساعدة وقول القائل انّ ذٰلك بدعةٌ لم يكن فی الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم وانما المحذور بدعة تراغم سنة ما مورًا بها ولم ينقل النهی عن شیء من هذا (الیٰ قوله) وكذلك سائر نواع المساعدات اذا قُصِدَ بها تطييب القلب واصطلح عليها جماعةٌ فلا بأس بمساعدتهم عليها بل الاحسن المساعدة الا فيما ورد فيه نهی لا يقبل التاويل۔[83]

یعنی اِن امور میں لوگوں کی موافقت کرنا حُسنِ صحت اور معاشرت سے ہے اس لیے کہ مخالفت وحشت دلاتی ہے اور ہر قوم میں کچھ رسمیں ہوتی ہیں کہ ان میں ان کا ساتھ دینا ضروری ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں اس کا حکم آیا خصوصاً وہ عادتیں جن میں حُسنِ معاشرت اور باہم اچھا برتاؤ اور موافقت کر کے دل خوش کرنا ہو اور کہنے والے کا کہنا کہ یہ بدعت ہے، صحابہ کے زمانے میں نہ تھا، تو کیا جو کچھ مباح کہا جائے سب صحابہ سے ہی منقول ہوتا ہے؟ بُری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنّتِ

مسلم کو تکلیف پہنچانا اور اسے شکستہ کرنا ترکِ اولیٰ و مخالفتِ ادب سے زیادہ بُرا ہے، البتہ جہاں رعایتِ ادب و اولیٰ اور مومن کا پاسِ خاطر دونوں جمع ہو سکتے ہیں وہاں بلاشبہ ترکِ ادب کا حکم نہیں، ہاں اگر کسی امر سے صراحۃً ممانعت آئی ہے تو محض مسلمان کی خاطر داری کے لیے اُس امرِ ممنوع کا ارتکاب نہ کرے۔ (مترجم)

82۔ عین العلم، الباب التاسع فی الصمت الخ، مطبوعہ امرت پریس، لاہور، ص: ۴۱۲۔

83۔ احیاء العلوم، آداب السماع والوجد، مطبوعہ قاہرہ مصر، ۲/ ۳۰۵۔

مامور بہا کارَد کرے، اور اس فعل سے شرع میں کہیں ممانعت نہ آئی۔ اس طرح تمام مساعدت کی باتیں جبکہ ان سے دل خوش کرنا مقصود ہو، اور ایک گروہ کی رسم ہو گئی تو ان کی موافقت کرنا کچھ حرج نہیں بلکہ موافقت ہی بہتر ہے مگر اُس صورت میں کہ صاف نہی وارد ہو جو قابلِ تاویل نہ ہو۔ (ت)

دیکھیے اطبائے قلوب رضی اللہ عنہم کے ارشاد یہ ہیں، اللہ عزوجل جسے نیک توفیق دے وہی ان نفیس الٰہی ہدایتوں پر عمل کرے۔

حضراتِ مانعین ان سے منزلوں دور ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلیّ العظیم۔

بالجملہ اگر آپ کا مرقات پر عمل ہے تو صاف تصریح فرما دیجیے کہ بعدِ عید جو شخص معانقے کو ہاتھ بڑھائے اُس سے انکار ہرگز نہ کیا جائے بلکہ فوراً معانقہ کرلیں۔ افسوس کہ مرقاۃ سے سند لانا تو بالکل الٹا پڑا۔ مجھے جناب کی بزرگی سے امید ہے کہ شاید مرقاۃ شریف خود ملاحظہ نہ فرمائی ہو بلکہ مانعینِ زمانہ عبارات میں قطع و برید و سرقہ کے عادی ہیں، کسی سارق نے آدھی عبارت کہیں نقل کردی ہے آپ نے اُسی کے اعتماد پر استناد کرلیا، اب کہ پوری عبارت پر مطلع ہوئے ضرور حق کی طرف رجوع فرمایئے گا۔ واللہ المُوفّق۔

نہم: بحمد اللہ تعالیٰ ہماری تحقیقاتِ رائقہ سے آفتابِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ معانقۂ عید کو بدعتِ مذمومہ سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ وہ سنّت و مباح کے اندر دائر ہے، یعنی مِنْ حَیْثِ الْاَصْل سنت اور مِنْ حَیْثِ الْخُصُوْص مباح، اور بقصدِ حَسَن محمود و مستحسن، تو ظاہر ہوا کہ عبارتِ ردالمحتار:

اِذَا تَرَدَّدَ الْحُکْمُ بَیْنَ سُنَّۃٍ وَّبِدْعَۃٍ[84] الخ

جب حکم کسی سنت و بدعت کے درمیان دائر ہو تو ترکِ سنت کو ارتکابِ بدعت پر ترجیح حاصل ہے (ت)

کو اس مسئلہ سے اصلاً تعلق نہیں کہ وہاں بدعت سے مراد بدعتِ مذمومہ ہے۔ جب تو اس سے بچنے کے لیے سنت کا چھوڑنا تک گوارا کیا ورنہ بدعتِ مباحہ سے بچنا خود ہی مطلوب نہیں، نہ کہ اس کے لیے سنت چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے، وھذا ظاھر علیٰ کل من لہ حظ من عقل صفی (یہ ہر اس شخص پر عیاں ہے جسے پسندیدہ اور خالص عقل سے کچھ حصہ ملا ہے۔ ت)

دہم: فتوائے فقیر میں میاں اسمٰعیل دہلوی کی بھی عبارت تھی جس میں معانقۂ عید کے مستحسن ہونے کی صاف تصریح ہے، اُس سے جناب نے کچھ تعرض نہ فرمایا بلکہ مجموعۂ فتاویٰ و عباراتِ ردالمحتار و مرقاۃ پیش فرمائیں۔ اس میں دو احتمال ہیں:

ایک وہ، طائفۂ مانعین جس کے خُوگر ہیں یعنی ہفواتِ باطلہ و خرافاتِ عاطلہ میں دہلوی مذکور کو امام اکبر مانتے ہیں اور جو باتیں وہ بعلتِ مناقضت جس کا اس کے یہاں حد سے زاید جوش و خروش ہے اصول و فروعِ طائفہ کے خلاف لکھتا ہے دیوار سے مارتے ہیں۔

84۔ ردالمحتار، مطلب اذا تردّد الحکم، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/ ۶۸۲۔

دوم یہ کہ جناب کو اس سے کچھ کام نہیں جو کلام اس کا تصریحاتِ امثالِ مرقات وردالمحتار حتیٰ کہ مولوی صاحب لکھنوی کے خلاف ہو قابلِ قبول نہیں۔ اگر شق اخیر مختار ہے اور جناب کی انصاف پسندی سے یہی مامول، تو صراحۃً اس کی تصریح فرمادیجیے کہ جو مسائل تقویۃ الایمان و صراطِ مستقیم وایضاح الحق وغیرہا تصانیفِ شخصِ مذکور، مولانا علی قاری وعلامہ شامی یہاں تک کہ مولوی صاحب لکھنوی اور ان کے امثال کی تصریحات سے رَد ہوتے ہیں ان کا بطلان تسلیم فرماتے جایئے، اُمید کرتا ہوں کہ بہت مسائلِ نزاعیہ جن میں جہلائے مانعین کو بے حد شوروشغب ہے یوں بَاَحْسَنِ وُجوہ انفصال پائیں گے، اور ہم آپ بتوفیقہٖ تعالیٰ شخصِ مذکور کی ضلالتِ عقائد وبطالتِ مکائد پر متفق ہو کر حقِ ناصح کے اعلان میں باہم مدد ومعاون یک دیگر ہو جائیں گے۔

وباللّٰہ التوفیق والوصول الیٰ سواء الطریق، واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین!

اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق اور سیدھی راہ تک رسائی ہے اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ ساری تعریف اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور درود وسلام ہو رسولوں کے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب سب پر۔ خداوند قبول فرما۔ (ت)

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عُفِیَ عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ذی قعدہ

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو — کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو
رکنِ شامی سے مٹی وحشتِ شام غربت — اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں — آؤ جودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے — ابرِ رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو
دھوم دیکھی ہے درِ کعبہ پہ بیتابوں کی — اُن کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو
مثلِ پروانہ پھرا کرتے تھے جس شمع کے گرد — اپنی اُس شمع کو پَروانہ یہاں کا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ — قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا — یاں سِیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو
اَولیں خانۂ حق کی تو ضیائیں دیکھیں — آخریں بَیتِ نبی کا بھی تجلّا دیکھو
زینتِ کعبہ میں تھا لاکھ عروسوں کا بناؤ — جلوہ فرما یہاں کونین کا دولھا دیکھو
ایمنِ طور کا تھا رکنِ یمانی میں فروغ — شعلۂ طور یہاں انجمن آرا دیکھو
مہرِ مادر کا مزہ دیتی ہے آغوشِ حطیم — جن پہ ماں باپ فدا یاں کرم ان کا دیکھو
عرضِ حاجت میں رہا کعبہ کفیلِ انجاح — آؤ اب داد رسیِ شہ طیبہ دیکھو
دھوچکا ظلمتِ دل بوسۂ سنگِ اسود — خاک بوسیِ مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
کرچکی رفعتِ کعبہ پہ نظر پَروازیں — ٹوپی اب تھام کے خاکِ در والا دیکھو
بے نیازی سے وہاں کانپتی پائی طاعت — جوشِ رحمت پہ یہاں ناز گنہ کا دیکھو
جمعۂ مکہ تھا عید، اہلِ عبادت کے لیے — مجرمو! آؤ یہاں عیدِ دو شنبہ دیکھو
ملتزم سے تو گلے لگ کے نکالے ارماں — ادب و شوق کا یاں باہم الجھنا دیکھو
خوب مسعیٰ میں بامیدِ صفا دوڑ لیے — رہ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو
رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں — دلِ خوننا بہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

غور سے سن تو رضاؔ کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

اَنْوَارُ الْبَشَارَۃِ

فِیْ مَسَائِلِ الْحَجِّ وَالزِّیَارَۃِ

۱۳ ھ ۲۹

(حج وزیارت کے مسائل میں خوشی کی بہاریں)

ترجمہ عربی عبارات: حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری ☆☆ تخریج وتصحیح: مولانا نذیر احمد سعیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امّابعد، یہ چند حروف ہدایتِ حجاج کے لیے ہیں، ان میں اکثر کتاب مستطاب جواہر البیان شریف تصنیفِ لطیف اقدس حضرت خاتم المحققین سیّدنا و مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی قدس سرہ الشریف سے التقاط کیے ہیں۔ ۳؍ شوال ۱۳۲۹ھ کو والاجناب حضرت سیّد محمد احسن صاحب بریلوی نے فقیر احمد رضا قادری غفرلہٗ سے فرمایا کہ ۱۰؍ شوال کو میرا ارادۂ حج ہے، بہت لوگ جاتے ہیں، حج کا طریقہ اور آداب لکھ کر چھاپ دے۔ حضرت سیّد صاحب کے حکم سے بہ کمالِ استعجال یہ چند سطور تحریر ہوئیں، اُمید کہ بہ برکتِ سادات کرام، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمان بھائیوں کو نفع پہنچائے، آمین۔

فصلِ اوّل: آدابِ سفر و مقدماتِ حج میں

۱۔ جس کا قرض آتا ہو یا امانت پاس ہو، ادا کر دے۔ جن کے مال ناحق لیے ہوں، واپس دے یا معاف کرائے، پتا نہ چلے تو اتنا مال فقیروں کو دے دے۔

۲۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، جتنی عبادات ذمّہ پر ہوں، ادا کرے اور تائب ہو۔

۳۔ جس کی بے اجازت سفر مکروہ ہے جیسے ماں، باپ، شوہر، اسے رضامند کرے۔ جس کا اُس پر قرض آتا ہے، اُس وقت نہ دے سکے تو اس سے بھی اجازت لے۔ پھر بھی حج کسی کی اجازت نہ دینے سے رُک نہیں سکتا۔ اجازت میں کوشش کرے۔ نہ ملے، جب بھی چلا جائے۔

۴۔ اس سفر سے مقصود صرف اللہ و رسول ہوں۔

۵۔ عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم بالغ قابلِ اطمینان نہ ہو جس سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے، سفر حرام ہے۔ اگر کرے گی، حج ہو جائے گا مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔

۶۔ توشہ مالِ حلال سے ہو ورنہ قبولِ حج کی اُمید نہیں اگرچہ فرض اُتر جائے گا۔

۷۔ حاجت سے زیادہ توشہ لے کر رفیقوں کی مدد اور فقیروں پر تصدق کرتا چلے، یہ حج مبرور کی نشانی ہے۔

۸۔ عام کتبِ فقہ بہ قدرِ کفایت ساتھ لے ورنہ کسی عالم کے ساتھ جائے۔ یہ بھی نہ ملے تو کم از کم یہ رسالہ ہمراہ ہو۔

۹۔ آئینہ، سرمہ، کنگھا، مسواک ساتھ رکھے کہ سنّت ہے۔

۱۰۔ اکیلا سفر نہ کرے کہ منع ہے۔ رفیق دین دار ہو کہ بد دین کی ہم راہی سے اکیلا بہتر ہے۔

۱۱۔ حدیث میں ہے: جب تین آدمی سفر کو جائیں، اپنے میں ایک کو سردار بنالیں [1]۔ اس میں کاموں کا انتظام رہتا ہے۔ سردار اسے بنائیں جو خوش خلق، عاقل، دین دار ہو۔ سردار کو چاہیے، رفیقوں کے آرام کو اپنی آسائش پر مقدم رکھے۔

۱۲۔ چلتے وقت اپنے دوستوں عزیزوں سے ملے اور اپنے قصور معاف کرائے، اور ان پر لازم ہے کہ دل سے معاف کر دیں۔ حدیث میں ہے کہ جس کے پاس اس کا مسلمان بھائی معذرت لائے، واجب ہے کہ قبول کر لے ورنہ حوضِ کوثر پر آنا نہ ملے گا۔ [2]

۱۳۔ وقتِ رخصت سب سے دُعا لے کر برکت پائے گا۔

۱۴۔ ان سب کے دین، جان، اولاد، مال، تندرستی، عافیت خدا کو سونپے۔

۱۵۔ لباسِ سفر پہن کر گھر میں چار رکعت نفل، الحمد و قل سے پڑھ کر باہر نکلے، وہ رکعتیں واپس آنے تک اس کے اہل و مال کی نگہبانی کریں گی۔

۱۶۔ جدھر سفر کو جائے جمعرات یا ہفتے یا پیر کا دن ہو، اور صبح کا وقت مبارک ہے، اور اہلِ جمعہ کو روزِ جمعہ قبلِ جمعہ سفر اچھا نہیں۔

۱۷۔ دروازے سے باہر نکلتے ہی کہے:

بِسْمِ [3] اللّٰہِ وَاٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَتَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِنَّا

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجہاد، باب آداب السفر، مطبع مجتبائی، دہلی، ص: ۳۳۹۔

2۔ الترغیب والترہیب، الترہیب ان یعتذر الی المرء اخوہ الخ، مصطفےٰ البابی، مصر، ۳/ ۴۹۱۔

3۔ ترجمہ: اللہ کے نام سے اور اللہ مدد سے اور میں نے اللہ پر بھروسا کیا اور نہ گناہوں سے پھرنا نہ طاعت کی طاقت مگر اللہ کی توفیق سے۔ الٰہی! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس سے کہ خود لغزش کریں یا دوسرا ہمیں لغزش دے یا خود بہکیں یا دوسرا بہکائے یا ظلم کریں یا ہم پر ظلم ہو یا جہل کریں یا ہم پر کوئی جہل کرے۔

نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْ نَضِلَّ وَنُضَلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلُ عَلَيْنَا اَحَدٌ۔[4]

اور درود شریف کی کثرت کرے۔

۱۸۔ سب سے رخصت کے بعد اپنی مسجد سے رخصت ہو، وقتِ کراہت نہ ہو تو اس میں دو رکعت نفل پڑھے۔

۱۹۔ چلتے وقت کہے:

[5]اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَّعْثَآءِ السَّفَرِ وَكَابَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِى الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْوَلَدِ۔[6]

واپسی تک مال اور اہل و عیال محفوظ رہیں گے۔

۲۰۔ اُسی وقت تَبَّتْ کے سوا قُلْ یَا سے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک پانچ سورتیں سب مع بسم اللہ پڑھے، پھر آخر میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھ لے، راستے بھر آرام رہے گا۔

۲۱۔ نیز اس وقت [7]اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ[8] ایک بار پھر پڑھ لے، بالخیر واپس آئے گا۔

۲۲۔ ریل وغیرہ جس پر سوار ہو بِسْمِ اللّٰهِ کہے پھر اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ تین تین بار، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ایک بار، پھر کہے:

[9]سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ o وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔[10] اس کے شر سے بچے۔

4۔کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری، فصل فی الوداع، دارالکتاب، العربی، بیروت، ص:۲۔

5۔ ترجمہ: الٰہی! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں سفر کی مشقت اور واپسی کی بدحالی اور مال یا اولاد میں کوئی بُری حالت نظر آنے سے۔

6۔کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری، فصل فی الوداع، دارالکتاب، العربی، بیروت، ص:۳۔

7۔ ترجمہ: بے شک وُہ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا، ضرور تجھے پھرنے کی جگہ واپس لائے گا۔ (م)

8۔ القرآن ۲۸/ ۸۵۔

9۔ ترجمہ: پاکی ہے اُسے جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا اور ہم میں اس کی طاقت نہ تھی بے شک ہم ضرور اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ (م)

10۔ القرآن ۴۳/ ۱۳۔

۲۳۔ ہر بلندی پر چڑھتے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور ڈھال میں اُترتے سُبْحَانَ اللّٰہِ۔[11]

۲۴۔ جس منزل پر اترے، [12]اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ کُلِّھَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ[13] کہے، ہر نقصان سے بچے گا۔

۲۵۔ جب وہ بستی نظر پڑے جس میں ٹھہرنا یا جانا چاہتا ہے، کہے:

[14]اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَةِ وَ خَیْرَ اَھْلِھَا وَ خَیْرَ مَا فِیْھَا وَ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الْقَرْیَةِ وَ شَرِّ اَھْلِھَا وَ شَرِّ مَا فِیْھَا۔[15] ہر بلا سے محفوظ رہے گا۔

۲۶۔ جس شہر میں جائے وہاں کے سُنّی عالموں اور باشرع فقیروں کے پاس ادب سے حاضر ہو، مزارات کی زیارات کرے، فضول سیر تماشے میں وقت نہ کھودے۔

۲۷۔ جس عالم کی خدمت میں جائے وہ مکان میں ہو تو آواز نہ دے، باہر آنے کا انتظار کرے، اس کے حضور بے ضرورت کلام نہ کرے، بے اجازت لیے مسئلہ نہ پوچھے، اُس کی کوئی بات اپنی نظر میں خلافِ شرع ہو تو اعتراض نہ کرے اور دل میں نیک گمان رکھے، مگر یہ سُنّی عالم کے لیے، بدمذہب کے سامنے سے بھاگے۔

۲۸۔ ذکرِ خدا سے دل بہلائے کہ فرشتہ ساتھ رہے گا، نہ کہ شعر ولغویات سے کہ شیطان ساتھ ہو گا، رات کو زیادہ چلے کہ سفر جلد طے ہوتا ہے۔

۲۹۔ منزل میں راستے سے بچ کر اُترے کہ وہاں سانپ وغیرہ مُوذیوں کا گزر ہوتا ہے۔

۳۰۔ راستے پر پیشاب وغیرہ باعثِ لعنت ہے۔

۳۱۔ منزل میں متفرق ہو کر نہ اُتریں، ایک جگہ اُتریں۔

۳۲۔ ہر سفر خصوصاً سفرِ حج میں اپنے اور اپنے عزیزوں دوستوں کے لیے دُعا سے غافل نہ رہے کہ مسافر کی دعا قبول ہے۔

۳۳۔ جب دریا میں سوار ہو، کہے:

11۔ کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری، فصل فی الرکوب، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۳۔

12۔ میں اللہ کی کامل باتوں کی پناہ مانگتا ہوں اس سب مخلوق کی شر سے۔(م)

13۔ کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری، فصل فی الرکوب، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۳۔

14۔ الٰہی! ہم تجھ سے مانگتے ہیں اس بستی کی بھلائی اور اس بستی والوں کی بھلائی اور اس بستی میں جو کچھ ہے اس کی بھلائی اور تیری پناہ مانگتے ہیں اس بستی کی بُرائی سے اور اس میں جو کچھ ہے اس کی بُرائی سے۔(م)

15۔ الاذکار امام نووی، باب مایقول اذا رأی قریۃ الخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۲۰۱۔

[16]بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَ مُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَo[17]
ڈوبنے سے محفوظ رہے گا۔

جب کسی مشکل میں مدد کی حاجت ہو، تین بار کہے:

يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِيْ[18] اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ غیب سے مدد ہوگی، یہ حکم حدیث ہے۔

۳۴۔ [19]يَا صَمَدُ ۱۳۴ بار روزانہ پڑھے، بھوک پیاس سے بچے گا۔

۳۵۔ اگر دشمن یا رہزن کا ڈر ہو لِاِيْلٰفِ پڑھے، ہر بلا سے امان رہے۔

۳۶۔ سوتے وقت آیۃ الکرسی ایک بار ہمیشہ پڑھے کہ چور اور شیطان سے امان رہے۔

۳۷۔ اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو کہے: [20]يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَo اِجْمَعْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ ضَالَّتِيْ۔[21] ان شاء اللہ تعالیٰ مل جائے گی۔

۳۸۔ کرایہ کے اُونٹ وغیرہ پر جو کچھ بار کرنا ہو، اس کے مالک کو دکھائے اور اس سے زیادہ بغیر اس کی اجازت کے نہ رکھے۔

۳۹۔ جانور کے ساتھ نرمی کرے، طاقت سے زیادہ کام نہ لے، بے سبب نہ مارے، نہ کبھی پونچھ پر مارے، حتی المقدور اس پر نہ سوئے کہ سونے کا بوجھ زیادہ ہوتا ہے، کسی سے بات وغیرہ کرنے کو کچھ دیر ٹھہرنا ہو تو اُتر لے اگر ممکن ہو۔

۴۰۔ صبح و شام اُتر کر کچھ دیر پیادہ چل لینے میں دینی دُنیوی بہت فائدے ہیں۔

16۔ ترجمہ: اللہ کے نام سے ہے اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا، بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے، کافروں نے خدا ہی کی قدر جیسے چاہیے تھی نہ پہچانی، حال آں کہ ساری زمین قیامت کے دن بہت حقیر سی کی طرح اس کے قبضے میں ہے اور سب آسمان اس کی قدرت سے لپیٹے جائیں گے، وہ پاک و بلند ہے ان کی شرکت سے ۱۲ منہ (م)۔

17۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب مایقول اذا رکب فی السفینۃ، مجلس دائرۃ المعارف، حیدر آباد، دکن، ص: ۱۳۴۔

18۔ مجمع الزوائد، باب مایقول اذا انفلتت دابۃ الخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۰/ ۱۳۲۔
کنز العمال، بہ حوالہ طب عن عتبہ بن غزوان، حدیث ۱۷۴۹۸، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۶/ ۷۰۹۔

19۔ ترجمہ: اے بے نیاز۔ (م)

20۔ ترجمہ: اے یقینی دن کے لیے سب لوگوں کے جمع فرمانے والے، بے شک اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا مجھے میری گمی چیز ملادے ۱۲ منہ۔ (م)

21۔ در منثور، تحت آیۃ انک جامع الناس، مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی، قم، ایران، ۲/ ۹۔

۴۱۔ بدوؤں اور سب عربوں سے بہت نرمی کے ساتھ پیش آئے، اگر وہ سختی کریں ادب سے تحمل کرے، اس پر شفاعت نصیب ہونے کا وعدہ فرمایا ہے، خصوصاً اہلِ حرمین خصوصاً اہلِ مدینہ، اہلِ عرب کے افعال پر اعتراض نہ کرے، نہ دل میں کدورت لائے، اس میں دونوں جہان کی سعادت ہے۔

۴۲۔ جمال یعنی اونٹ والوں کو یہاں کے سے کرایہ والے نہ سمجھیے بل کہ اپنا مخدوم جانے اور کھانے پینے میں اُن سے بخل نہ کرے کہ وہ ایسوں سے ناراض ہوتے ہیں اور تھوڑی بات میں بہت خوش ہو جاتے ہیں اور امید سے زیادہ کام آتے ہیں۔

۴۳۔ سفر مدینہ طیبہ میں قافلہ نہ ٹھہرنے کے باعث بہ مجبوری ظہر و عصر ملا کر پڑھنی ہوتی ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ ظہر کے فرضوں سے فارغ ہونے سے پہلے ارادہ کرلے کہ اسی وقت عصر پڑھوں گا، اور فرضِ ظہر کے بعد فوراً عصر کی نماز پڑھے یہاں تک کہ بیچ میں ظہر کی سنتیں بھی نہ ہوں، اسی طرح مغرب کے ساتھ عشا بھی انہی شرطوں سے جائز ہے اور اگر ایسا موقع ہوا کہ عصر کے وقت ظہر یا عشا کے وقت مغرب پڑھنی ہو تو صرف اتنی شرط ہے کہ ظہر و مغرب کے وقت نکلنے سے پہلے ارادہ کرلے کہ ان کو عصر و عشا کے ساتھ پڑھوں گا۔

۴۴۔ واپسی میں بھی وہی طریقہ ملحوظ رکھے جو یہاں تک بیان ہوا۔

۴۵۔ مکان پر اپنے آنے کی تاریخ و وقت کی اطلاع پہلے سے دے دے، بے اطلاع ہر گز نہ جائے خصوصاً رات میں۔

۴۶۔ سب سے پہلے اپنی مسجد سے دو رکعت نفل کے ساتھ ملے۔

۴۷۔ دو رکعت گھر میں آکر پڑھے پھر سب سے بہ کشادہ پیشانی ملے۔

۴۸۔ دوستوں کے لیے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لائے اور حاجی کا تحفہ تبرکاتِ حرمین شریفین سے زیادہ کیا ہے اور دوسرا تحفہ دعا کہ مکان میں پہنچنے سے پہلے استقبال کرنے والوں اور سب مسلمانوں کے لیے کرے کہ قبول ہے۔

فصل دوم: احرام اور اُس کے احکام اور داخلی حرم محترم و مکّہ مکرّمہ و مسجد الحرام

۱۔ ہندیوں کے لیے میقات (جہاں سے احرام باندھنے کا حکم ہے) کوہِ یلملم کی محاذات ہے۔ یہ جگہ کامران سے نکل کر سمندر میں آتی ہے، جب جدّہ دو تین میل رہ جاتا ہے جہاز والے اطلاع دے دیتے ہیں پہلے سے احرام کا سامان تیار کر رکھیں۔

۲۔ جب وہ جگہ قریب آئے خوب مل کر نہائیں اور نہ نہا سکیں تو صرف وضو کرلیں۔

۳۔ چاہیں تو مرد سر منڈالیں کہ احرام میں بالوں کی حفاظت سے نجات ملے گی ورنہ کنگھی کر کے خوش بو دار تیل ڈالیں۔

۴۔ ناخن کتریں، خط بنوائیں، موئے بغل و زیر ناف دور کریں۔

۵۔ خوش بو لگائیں کہ سُنّت ہے۔

۶۔ مرد سلے کپڑے اتاریں، ایک چادر نئی یا دُھلی اوڑھیں اور ایک ایسا ہی تہبند باندھیں، یہ کپڑے سفید بہتر ہیں۔

۷۔ جب وہ جگہ آئے دو رکعت بہ نیتِ احرام پڑھیں، پہلی میں فاتحہ کے بعد قُلْ یَاۤ اَیُّهَا الْكَافِرُوْن، دوسری میں

قُلْ هُوَ اللّٰه۔

۸۔ اب حج تین طرح کا ہوتا ہے:

ایک یہ کہ نرا حج کرے۔ اسے افراد کہتے ہیں، اس میں بعد سلام یوں کہے:

[22] اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اُرِیۡدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیۡ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیۡ نَوَیۡتُ الْحَجَّ مُخْلِصًا لِلّٰہِ تَعَالٰی۔ [23]

دوسرا یہ کہ یہاں سے نِرے عمرے کی نیّت کرے، مکّہ معظمہ میں حج کا احرام باندھے، اسے تمتع کہتے ہیں۔ اس میں بعد سلام یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اُرِیۡدُ الْعُمْرَةَ فَیَسِّرْھَا لِیۡ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیۡ نُوَیۡتُ الْعُمْرَةَ مُخْلِصًا لِلّٰہِ تَعَالٰی۔ [24]

تیسرا یہ کہ حج و عمرہ دونوں کی یہیں سے نیّت کرے اور یہ سب سے افضل ہے اسے قِران کہتے ہیں۔ اس میں بعد سلام یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اُرِیۡدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَیَسِّرْھُمَا لِیۡ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیۡ نُوَیۡتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔ [25]

اور تینوں صورتوں میں اس نیّت کے بعد لبیک بہ آوازِ بلند کہے، لبیک یہ ہے:

لَبَّیۡكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیۡكَ ط لَبَّیۡكَ لَا شَرِیۡكَ لَكَ لَبَّیۡكَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ط لَا شَرِیۡكَ لَكَ۔ [26]

۹۔ یہ احرام تھا اس کے ہوتے ہی یہ کام حرام ہو گئے:

1۔ عورت سے صحبت
2۔ بوسہ
3۔ مساس
4۔ گلے لگانا
5۔ اس کی اندامِ نہانی پر نگاہ، جب کہ یہ چاروں باتیں بہ شہوت ہوں۔
6۔ عورتوں کے سامنے اس کا نام لینا
7۔ فحش گناہ، ہمیشہ حرام تھے اب اور سخت حرام ہو گئے

22۔ ترجمہ: الٰہی! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تُو اسے میرے لیے آسان کر دے اور مجھ سے قبول فرما، میں نے خاص اللہ تعالیٰ کے لیے حج کی نیت کی۔ (م)

23۔ منسک متوسط مع ارشاد الساری، فصل یصلی رکعتین بعد اللبس، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۶۹۔

24۔ منسک متوسط مع ارشاد الساری، فصل یصلی رکعتین بعد اللبس، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۷۰۔

25۔ منسک متوسط مع ارشاد الساری، فصل یصلی رکعتین بعد اللبس، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۷۰۔

26۔ منسک متوسط مع ارشاد الساری، فصل یصلی رکعتین بعد اللبس، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۶۹۔

8۔ کسی سے دنیوی لڑائی جھگڑا	9۔ جنگل کا شکار
10۔ اس کی طرف شکار کرنے کو اشارہ کرنا یا	11۔ کسی طرح بتانا
12۔ بندوق یا بارود یا	13۔ اس کے ذبح کے لیے چھری دینا
14۔ اس کے انڈے توڑنا	15۔ پر اکھاڑنا
16۔ پاؤں یا بازو توڑنا	17۔ اس کا دودھ دوہنا
18۔ اس کا گوشت یا انڈے پکانا	19۔ بھوننا
20۔ بیچنا	21۔ خریدنا
22۔ کھانا	23۔ ناخن کترنا
24۔ سر سے پاؤں تک کہیں سے کوئی بال جدا کرنا	25۔ منہ یا سر کسی کپڑے وغیرہ سے چھپانا
26۔ بستر یا	27۔ کپڑے[27] کی بقچی یا گٹھری سر پر رکھنا
28۔ عمامہ باندھنا	29۔ برقع و دستانے پہننا
30۔ موزے یا جرابیں وغیرہ جو پنڈلی اور	31۔ اقدام کے جوڑ کو چھپائے، پہننا
32۔ سِلا کپڑا پہننا	33۔ خوش بُو بالوں یا
34۔ بدن یا کپڑوں میں لگانا	35۔ ملاگیری یا

36۔ کسم کیسر غرض خوش بو کے رنگے کپڑے پہننا جب کہ ابھی خوش بُو دے رہے ہوں

37۔ خالص خوش بُو مشک، عنبر، زعفران، جاوتری، لونگ، الائچی، دار چینی، زنجبیل وغیرہ کھانا

38۔ ایسی خوش بُو کا آنچل میں باندھنا	39۔ جس میں فی الحال مہک ہو
40۔ جیسے مشک، عنبر، زعفران	41۔ سر یا داڑھی خطمی یا کسی خوش بودار ایسی چیز سے دھونا
42۔ جس سے جوئیں مر جائیں	43۔ وسمہ یا
44۔ مہندی کا خضاب لگانا	45۔ گوند وغیرہ سے بال جمانا

27۔ لوحمل المحرم علی راسه شیئا یلبسه الناس یکون لا بسا، وان کان لایلبسه الناس کالاجانة و نحوه فلا☆ اھ ش عن النھر والخانیة ۱۲ منه(م)

اگر محرم نے کوئی ایسی شے اُٹھائی جسے لوگ پہنتے ہیں تو اب لباس پہننے والا سمجھا جائے گا، اور اگر لوگ اسے نہیں پہنتے مثلاً ٹب وغیرہ تو اب لابس نہ ہو گا اھ ش نہر اور خانیہ کے حوالے سے ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

☆ ردالمحتار، فصل فی الاحرام، مصطفٰے البابی، مصر، ۲/ ۱۷۶۔

46۔ زیتون یا تل کا تیل اگرچہ بے خوش بُو ہو 47۔ بدن یا بالوں میں لگانا
48۔ کسی کا سر مونڈنا اگرچہ اس کا احرام نہ ہو 49۔ جوں مارنا پھینکنا، کسی کو اس کے مارنے کا اشارہ کرنا
50۔ کپڑا اس کے مارنے کو دھونا یا 51۔ دھوپ میں ڈالنا
52۔ بالوں میں پارہ وغیرہ 53۔ اس کے مرنے کو لگانا۔ غرض جوں کے ہلاک پر کسی پر کسی طرح باعث ہونا۔

۱۰۔ احرام میں یہ باتیں مکروہ ہیں:

بدن کا میل چھڑانا، بال یا بدن کھلی یا صابون وغیرہ بے خوش بُو کی چیز سے دھونا، کنگھی کرنا، اس طرح کھجانا کہ بال ٹوٹے یا جُوں گرے۔ انگرکھا، کُرتا یا چُغہ پہننے کی طرح کندھوں پر ڈالنا، خوش بُو کی دُھونی دیا ہوا کپڑا کہ ابھی خوش بُو دے رہا ہو پہننا، اوڑھنا۔ قصداً خوش بُو سونگنا اگرچہ خوش بُو دار پھل یا پتّہ ہو جیسے لیموں، نارنگی، پودینہ، عطر دانہ۔ سر یا منہ پر پٹّی باندھنا، غلافِ کعبہ مکہ معظمہ کے اندر اس طرح داخل ہونا کہ غلاف شریف سر یا منہ سے لگے، ناک وغیرہ منہ کا کوئی حصّہ کپڑے سے چھپائے، یا کوئی ایسی چیز کھانا پینا جس میں خوش بُو پڑی ہو اور نہ وہ پکائی گئی ہو نہ زائل ہو گئی ہو۔ بے سِلا کپڑا رفو کیا یا پیوند لگا ہوا پہننا۔ تکیہ پر منہ رکھ کر اوندھا لیٹنا، مہکتی خوش بُو ہاتھ سے چھونا جب کہ ہاتھ میں نہ لگ جائے ورنہ حرام ہے، بازو یا گلے پر تعویذ باندھا اگرچہ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر، بلاعذر بدن پر پٹی باندھنا[28]، سنگھار کرنا، چادر اوڑھ کر اس کے آنچلوں میں گرہ دے لینا، تہبند باندھ کر کمر بند سے کسنا۔

۱۱۔ یہ باتیں احرام میں جائز ہیں:

انگرکھا، کُرتا، چُغہ لپیٹ کر اوپر سے اس طرح ڈال لینا کہ سر اور منہ نہ چھپے۔ ان چیزوں یا پاجامہ کا تہبند باندھنا۔ ہمیانی یا پٹی باندھنا۔ بے میل چھڑائے حمام کرنا۔ کسی چیز کے سائے میں بیٹھنا۔ چھتری لگانا، انگوٹھی پہننا۔ بے خوش بُو کا سرمہ لگانا۔ فصد بغیر بال مونڈے۔ پچھنے لینا۔ آنکھ میں جو بال نکلے اسے جدا کرنا۔ سر یا بدن اس طرح کھجانا کہ بال نہ ٹوٹے، جُوں نہ گرے۔ احرام سے پہلے جو خوش بُو لگائی، اس کا لگا رہنا۔ پالتو جانور اونٹ، گائے، بکری، مرغی کا ذبح کرنا، پکانا، کھانا، اس کا دودھ دوہنا۔ انڈے توڑنا، بھوننا، کھانا۔ کھانے کے لیے مچھلی کا شکار کرنا۔ کسی دریائی جانور کا مارنا دوا یا غذا کہ کے لیے نہ ہو، نری

28۔ یکرہ تعصیب راسه ولو عصبه یوما او لیلا فعلیه صدقة ولاشیئ علیه لو عصب غیره من بدنه لعلة او لغیر علة لکنه یکره بلاعلة☆ اھ فتح القدیر ۱۲ منه(م)

اگر کسی نے سر پر یا ایڑی پر پٹّی باندھی اگرچہ ایک دن یا رات ہو تو اس پر صدقہ ہو گا، اور اگر سر کے علاوہ جسم کے کسی اور حصہ پر پٹی باندھی خواہ کسی تکلیف کی وجہ سے تھی یا بلاوجہ، تو کوئی شئی لازم نہ ہو گی، ہاں بلاوجہ باندھنا مکروہ ہو گا اھ فتح القدیر ۱۲ منہ (ت)

☆فتح القدیر، باب الاحرام، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ۲/ ۳۴۹۔

تفریح منظور ہو جس طرح لوگوں میں رائج ہے تو شکار، دریا ہو یا جنگل، خود ہی حرام ہے اور احرام میں سخت تر حرام۔ منہ اور سر کے سوا کسی اور جگہ زخم پر پٹی باندھنا۔ سر یا گال کے نیچے تکیہ رکھنا۔ سر یا ناک پر اپنا یا دوسرے کا ہاتھ رکھنا۔ کان کپڑے سے چھپانا۔ ٹھوڑی سے نیچے داڑھی پر کپڑا آنا۔ سر پر سینی اور بوری اٹھانا۔ جس کھانے کے پکنے میں مشک وغیرہ پڑے ہوں، اگرچہ خوش بو دیں یا بے پکائے جس میں خوش بو ڈالی اور وہ بُو نہیں دیتی، اس کا کھانا پینا۔ گھی یا چربی یا کڑوا تیل یا ناریل یا بادام یا کدّو یا کاہُو کا تیل کہ بسایا نہ ہو بدن یا بالوں میں لگانا۔ خوش بُو کے رنگے کپڑے پہننا جب کہ ان کی خوش بُو جاتی رہی ہو مگر کسم کیسر کا رنگ مرد کو ویسے ہی حرام ہے۔ دین کے لیے لڑنا جھگڑنا بل کہ حسبِ حاجت فرض وواجب ہے۔ جُوتا پہننا جو پاؤں کے جوڑ کو نہ چھپائے۔ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر تعویذ گلے میں ڈالنا۔ آئینہ دیکھنا۔ ایسی خوش بُو کا چھونا جس میں فی الحال مہک نہیں جیسے اگر لوبان، صندل یا اس کا آنچل میں باندھنا۔ نکاح کرنا۔

۱۲۔ ان مسائل میں مرد و عورت برابر ہیں مگر عورت کو چند باتیں جائز ہیں: سر چھپانا، بل کہ نامحرم کے سامنے اور نماز میں فرض ہے تو سر پر بستر بقچہ اٹھانا بہ درجۂ اولیٰ، گوند وغیرہ سے بال جمانا، سر وغیرہ پر پٹی خواہ بازو یا گلے پر تعویذ باندھنا اگرچہ سی کر، غلافِ کعبہ کے اندر یوں داخل ہونا کہ سر پر رہے منہ پر نہ آئے، دستانے موزے سلے کپڑے پہننا، عورت اتنی آواز سے لبیک نہ کہے کہ نامحرم سنے، ہاں اتنی آواز ہر پڑھنے میں ہمیشہ سب کو ضرور ہے کہ اپنے کان تک آواز آئے۔

تنبیہ: احرام میں منہ چھپانا عورت کو بھی حرام ہے۔ نامحرم کے آگے کوئی پنکھا وغیرہ منہ سے بچا ہوا سامنے رکھے۔

۱۳۔ جو باتیں احرام میں ناجائز ہیں، وہ اگر کسی عذر سے یا بھول کر ہوں تو گناہ نہیں، مگر ان پر جو جرمانہ مقرر ہے، ہر طرح دینا آئے گا اگرچہ بے قصد ہوں، سہواً یا جبرًا یا سوتے میں۔

۱۴۔ وقتِ احرام سے رمی جمرہ تک (جس کا ذکر آگے آئے گا) اکثر اوقات لبیک کی بے شمار کثرت رکھے خصوصًا چڑھائی پر چڑھتے اُترتے، دو قافلوں کے ملتے، صبح شام، پچھلی رات، پانچوں نمازوں کے بعد مرد بآواز کہیں مگر اتنی بلند کہ اپنے آپ یا دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔

۱۵۔ جب حرم کے متصل پہنچے سر جھکائے، آنکھیں شرمِ گناہ سے نیچی کیے خشوع خضوع سے داخل ہو، اور ہو سکے تو پیادہ ننگے پاؤں اور لبیک و دعا کی کثرت رکھے، اور بہتر یہ کہ دن کو داخل ہو نہا کر۔

۱۶۔ مکّہ مکرمہ کے گرداگرد کئی کوس کا جنگل ہے، ہر طرح اس کی حدیں بنی ہوئی ہیں، ان حدوں کے اندر تر گھاس اکھاڑنا، خودرَو پیڑ کا کاٹنا،[29] وہاں کے وحشی جانوروں کو تکلیف دینا حرام ہے، یہاں تک کہ اگر سخت دھوپ ہو اور ایک ہی پیڑ ہے، اس کے سایہ میں ہرن بیٹھا ہے تو جائز نہیں کہ اپنے بیٹھنے کے لیے اسے اُٹھائے، اور اگر کوئی وحشی جانور بیرونِ حرم کا

29۔ چیل، کوّا، چوہا، چھپکلی، سانپ، بچھو، بر، کھٹمل، مچھر، پسو وغیرہ خبیث اور موذی جانوروں کا قتل حرم میں بھی جائز ہے اور احرام میں بھی۔ (م)

اس کے ہاتھ میں تھا اسے لیے ہوئے حرم میں داخل ہو گیا، اب وہ جانور حرم کا ہو گیا، فرض ہے کہ فوراً اسے آزاد کرے۔ مکّہ معظمہ میں جنگلی کبوتر بہ کثرت ہیں، ہر مکان میں رہتے ہیں، خبر دار ہر گز انہیں نہ اُڑائے نہ ڈرائے نہ کوئی ایذا پہنچائے۔ بعض اِدھر اُدھر کے لوگ جو مکّے میں بسے کبوتروں کا ادب نہیں کرتے، ان کی رِیس نہ کرے، مگر برا انہیں بھی نہ کہے۔ جب وہاں کے جانوروں کا ادب ہے تو مسلمان انسان کا کیا کہنا۔

۱۷۔ جب ربّ العلامین جل جلالہٗ کا شہر نظر پڑے ٹھہر کر دعا مانگے اور درود شریف کی کثرت کرے، اور افضل یہ ہے کہ نہا دھو کر داخل ہو اور مدفونینِ جنت المعلیٰ کے لیے فاتحہ پڑھے۔

۱۸۔ جب مدعیٰ میں پہنچے جہاں سے کعبہ معظمہ نظر آئے اللہ اکبر یہ عظیم قبول واجابت کا وقت ہے صدقِ دل سے اپنے اور تمام عزیزوں دوستوں مسلمانوں کے لیے مغفرت وعافیت مانگے، اور فقیر ایک دعائے جامع عرض کرتا ہے۔ درود شریف کی کثرت کریں اور اسے کم از کم تین بار پڑھیں:

[30] اَللّٰھُمَّ ھٰذَا بَیْتُكَ وَ اَنَا عَبْدُكَ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَۃَ فِی الدِّیْنِ وَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَلِعَبْدِكَ اَحْمَدْ رَضَا اِبْنِ نَقِیِّ عَلِیٍّ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ھُمَا وَارْحَمْھُمَا وَانْصُرْہُ نَصْرًا عَزِیْزًا۔

پھر درود شریف پڑھیں۔

۱۹۔ یُونہی ذکرِ خدا و رسول اور اپنے تمام مسلمانوں کے لیے دعائے فلاحِ دارین کرتا ہوا باب السّلام تک پہنچے اور اس آستانۂ پاک کو بوسہ دے کر داہنا پاؤں پہلے رکھ کر داخل ہو اور کہے:

[31] بِسْمِ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔

۲۰۔ یہ دُعا خوب یاد رکھے جب کبھی مسجد الحرام شریف خواہ مسجد میں داخل ہو، اسی طرح جائے اور یہ دعا پڑھے، اور جب کسی مسجد سے باہر آئے پہلے بایاں پاؤں باہر رکھے اور یہی دعا پڑھے مگر اخیر میں رَحْمَتِكَ کی جگہ فَضْلِكَ کہے اور یہ لفظ اور بڑھائے: [32] وَسَھِّلْ اَبْوَابَ رِزْقِكَ۔ اس کی برکات دین و دنیا میں بے شمار ہیں، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

30۔ ترجمہ: الٰہی! یہ تیرا گھر ہے اور میں تیرا بندہ، الٰہی! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، گناہوں کی معافی اور دین و دنیا و آخرت میں ہر بلا سے محفوظی اپنے لیے اور اپنے ماں باپ اور سب مردوں، عورتوں اور تیرے حقیر بندے احمد رضا بن نقی علی کے لیے، الٰہی اس کی زبردست امداد فرما، آمین!

31۔ ترجمہ: اللہ کے نام سے اور سب خوبیاں خدا کو اور رسول اللہ پر سلام، الٰہی درود بھیج ہمارے آقا محمد اور ان کی آل اور ان کی بیبیوں پر، الٰہی! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ (م)

32۔ ترجمہ: اپنے رزق کے دروازوں میں آسانی فرما۔

فصل سوم: طواف وسعی صفا ومروہ کا بیان

اب کہ مسجد الحرام میں داخل ہوا اگر جماعت قائم یا نماز فرض خواہ وتر یا سنّتِ مؤکدہ کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو، تو سب کاموں سے پہلے متوجہ طواف ہو، کعبہ شمع ہے اور تُو پروانہ، دیکھتا نہیں کہ پروانہ شمع کے گرد کیسے قربان ہوتا ہے یوں تو بھی اس شمع پر قربان ہونے کے لیے مستعد ہو جا۔ پہلے اس مقامِ کریم کا نقشہ دیکھے کہ جو بات کہی جائے خوب ذہن میں آجائے۔

مسجد الحرام ایک گول وسیع احاطہ ہے جس کے کنارے کنارے بہ کثرت دالان اور آنے جانے کے دروازے ہیں اور بیچ میں مطاف ایک گول دائرہ ہے جس میں سنگِ مرمر بچھا ہے۔ اس کے بیچ میں کعبہ معظمہ ہے، نبی ﷺ کے زمانے میں مسجد الحرام اسی قدر تھی، اس کی حد پر باب السلام شرقی قدیم دروازہ ہے۔ رکن مکان کا گوشہ جہاں اس کی دو دیواریں ملتی ہیں جسے زاویہ کہتے ہیں، اسی طرح ا ـــ ح ب ا ح، ح ب، دونوں دیواریں مقام ح پر ملی ہیں، یہ رکن زاویہ ہے۔ کعبہ معظمہ کے چار رکن ہیں۔ رکنِ اسود جنوب مشرق کے گوشہ میں، اسی میں زمین سے اونچا سنگِ اسود شریف نصب ہے۔ رکن عراقی مشروق وشمال کے گوشہ میں، دروازۂ کعبہ انہی دونوں رکنوں کے بیچ کی شرقی دیوار میں زمین سے بہت بلند ہے۔ ملتزم اسی شرقی دیوار کا وہ ٹکڑا جو رکنِ اسود سے دروازۂ کعبۂ معظمہ تک ہے۔ رکن شامی شمال مغرب کے گوشہ میں۔ میزابِ رحمت، سونے کا پرنالہ رکن شامی وعراقی کے بیچ کی شمالی دیوار پر چھت میں نصب ہے۔ حطیم بھی اسی شمالی دیوار کی طرف ہے۔ یہ

زمین[33] کعبہ معظمہ ہی کی تھی، زمانۂ جاہلیت میں جب قریش نے کعبہ از سرِ نو بنایا، کمی خرچ کے باعث اتنی زمین مکّہ معظمہ سے باہر چھوڑ دی، اس کے گرداگرد ایک قوسی انداز کی چھوٹی سی دیوار کھینچ دی اور دونوں طرف آمد و رفت کا دروازہ ہے، اور یہ مسلمانوں کی خوش نصیبی ہے اس میں داخل ہونا کعبہ معظمہ ہی میں داخل ہونا ہے جو بحمد اللہ تعالیٰ بے تکلف نصیب ہوتا ہے۔ رکن یمانی غروب و جنوب کے گوشے میں مستجار رکن عراقی و یمانی کے بیچ کی غربی دیوار کا وہ ٹکڑا جو ملتزم کے مقابل ہے۔ مستجاب رکن یمانی و رکن اسود کے بیچ میں جو دیوار جنوبی ہے، یہاں ستّر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہنے کے لیے مقرر ہیں، فقیر نے اس کا نام مستجاب رکھا۔ مقامِ ابراہیم دروازۂ کعبہ کے سامنے ایک قبّہ میں وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ بنایا تھا، اُن کے قدمِ پاک کا اس پر نشان ہو گیا جو اب تک موجود ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں فرمایا۔ زمزم شریف کا قبّہ اس سے جنوب کو مسجد شریف میں واقع ہے۔ باب الصفا مسجد شریف کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس سے نکل کر سامنے کوہِ صفا ہے، صفا کعبہ معظمہ سے جنوب کو ایک پہاڑی تھی کہ زمین میں چھپ گئی ہے، اب وہاں قبلہ رُخ ایک دالان بنا دیا ہے اور چڑھنے کی سیڑھیاں، مروہ دوسری پہاڑی صفا سے پورب کو تھی، یہاں بھی قبلہ رُخ ایک دالان بنا دیا ہے اور سیڑھیاں۔ صفا سے مروہ تک جو فاصلہ ہے اب یہاں بازار ہے، صفا سے چلتے ہوئے دہنے کو دکانیں اور بائیں ہاتھ کو احاطہ مسجد الحرام ہے۔ میلین اخضرین اس فاصلے کے وسط میں دیوارِ حرم شریف میں دو سبز میل نصب ہیں، جیسے میل کے شروع میں پتھر لگا ہوتا ہے۔ مسعیٰ وہ فاصلہ کہ ان دونوں میلوں کے بیچ میں ہے۔ یہ سب صورتیں رسالہ میں بار بار دیکھ کر خوب ذہن نشین کر لیجیے کہ وہاں پہنچ کر پوچھنے کی حاجت نہ ہو۔ ناواقف آدمی اندھے کی طرح کام کرتا ہے اور جو سمجھ لیا، وہ انکھیارا ہے۔ اب اپنے ربّ عزوجل کا نام پاک لے کر طواف کیجیے۔

۱۔ شروع طواف سے پہلے مرد اضطباع کرے یعنی چادر کی سیدھی جانب دہنی بغل کے نیچے سے نکالے کہ سیدھا شانہ کھلا رہے اور دونوں آنچل بائیں کندھے پر ڈال لے۔

۲۔ اب رُوبہ کعبہ حجرِ اسود کی دہنی طرف رکن یمانی کی جانب سنگِ اسود اقدس کے قریب یوں کھڑے ہو کہ تمام پتھر اپنے سیدھے ہاتھ کو رہے۔ پھر طواف کی نیّت کرو:

[34] اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔

۳۔ اس نیت کے بعد کعبہ کو منہ کیے اپنی داہنی سمت چلو، جب سنگِ اسود کے مقابل ہو (اور یہ بات ادنیٰ حرکت میں حاصل ہو جائے گی) کانوں تک ہاتھ اس طرح اُٹھاؤ کہ ہتھیلیاں حجر کی طرف رہیں اور کہو:

33۔ جنوباً شمالاً چھ ہاتھ کعبہ کی زمین ہے اور بعض کہتے ہیں سات ہاتھ اور بعض کا خیال ہے کہ سارا حطیم ہے۔ (م)

34۔ الٰہی! میں تیرے مبارک و معزز گھر کا طواف کرنے لگا ہوں اسے میرے لیے آسان فرما اور اسے میری طرف سے قبول بھی فرما۔ (ت)

[35] بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ [36]

۴۔ میسر ہو تو حجرِ اسود مطہر پر دونوں ہتھیلیاں اور ان کے بیچ میں منہ رکھ کر یوں بوسہ دو کہ آواز نہ پیدا ہو سکے۔ تین بار ایسا ہی کرو، یہ نصیب ہو تو کمال سعادت ہے، یقیناً تمہارے محبوب و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ نے اسے بوسہ دیا اور روئے اقدس اِس پر رکھا ہے، زہے خوش نصیبی کہ تمہارا منہ وہاں تک پہنچے، اور ہجوم کے سبب نہ ہو سکے تو نہ اوروں کی ایذا دو اور نہ آپ دبو کچلو، بل کہ اس کے عوض ہاتھ سے اور ہاتھ نہ پہنچے تو لکڑی سے سنگِ اسود مبارک چھو کر اسے چُوم لے، یہ بھی نہ بن پڑے تو ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کر کے اُسے بوسہ دے، محمد رسول اللہ ﷺ کے منہ رکھنے کی جگہ پر نگاہیں پڑ رہی ہیں، یہی کیا کم ہے!

۵۔ [37] اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ [38]

کہتے ہوئے درِ کعبہ تک بڑھو، جب حجرِ مبارک کے سامنے سے گزر جاؤ سیدھے ہو لو، خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ پر لے کر یوں چلو کہ کسی کو ایذا نہ دو۔

۶۔ مرد رَمل کرتا چلے یعنی جلد جلد چھوٹے قدم رکھتا شانے ہلاتا جیسے قوی و بہادر لوگ چلتے ہیں، نہ کودتا نہ دوڑتا، جہاں زیادہ ہجوم ہو جائے اور رَمل میں اپنی یا غیر کی ایذا ہو، اتنی دیر رَمل ترک کرو۔

۷۔ طواف میں جس قدر خانہ کعبہ سے نزدیک ہو بہتر ہے، مگر نہ اتنے کہ پشتہ دیوار پر جسم یا کپڑا لگے اور نزدیکی میں کثرتِ ہجوم کے سبب رَمل نہ ہو سکے تو دوری بہتر ہے۔

۸۔ جب ملتزم، پھر رکنِ عراقی، پھر میزابِ الرحمۃ، پھر رکن شامی کے سامنے آؤ تو یہ سب دُعا کے مواقع ہیں ان کے لیے خاص خاص دعائیں کہ جو جواہر البیان شریف میں مذکور ہیں سب کا یاد کرنا دشوار ہے، اس سے وہ اختیار کرو جو محمد رسول اللہ ﷺ کے سچے وعدے سے تمام دعاؤں سے بہتر و افضل ہے یعنی یہاں اور تمام مواقع میں اپنے لیے دعا کے بدلے اپنے حبیب ﷺ پر درود بھیجو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اِذًا یَکْفِیْ ھَمَّکَ وَیَغْفِرُ لَکَ ذَنْبَکَ۔ [39] ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تیرے سب کام بنا دے گا اور تیرے گناہ معاف فرمادے گا۔

35۔ اللہ کے نام سے، تمام حمد اللہ کے لیے، اللہ سب سے بڑا ہے اور صلوٰۃ و سلام ہو اللہ کے رسول پر۔ (ت)

36۔ منسک متوسط مع ارشاد الساری، فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۸۹۔

37۔ الٰہی! تجھ پر ایمان لا کر اور تیرے نبی ﷺ کی سُنّت کی پیروی کو یہ طواف کرتا ہوں۔ (ت)

38۔ منسک متوسط مع ارشاد الساری، فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۸۹۔

39۔ الترغیب والترہیب، الترغیب فی اکثار الصلوٰۃ علی النبی ﷺ، مصطفی البابی، مصر، ۲/ ۵۰۱۔

۹۔ طواف میں دُعا و درود کے لیے رُکو نہیں بل کہ چلتے میں پڑھو۔

۱۰۔ دعا و درود چلّا چلّا کر نہ پڑھو جس طرح مطوف پڑھاتے ہیں بل کہ آہستہ اس قدر کہ اپنے کان تک آواز آئے۔

۱۱۔ جب رکن یمانی کے پاس آؤ تو اُسے دونوں ہاتھ یا دہنے سے تبرکاً چھوؤ، نہ صرف بائیں ہاتھ سے، اور چاہو تو اسے بوسہ بھی دو، اور نہ ہو سکے تو یہاں لکڑی سے چھونا یا اشارہ کر کے ہاتھ چومنا نہیں۔

۱۲۔ جب اس سے بڑھو تو یہ مستجاب جہاں ستر ہزار فرشتے دُعا پر آمین کہیں گے، وہی دعائے جامع پڑھیے یا اپنے اور سب احباب و مسلمین اور اس حقیر و ذلیل کی نیت سے صرف درود شریف کافی ہے۔

۱۳۔ اب جو دوبارہ حجر تک آئے یہ ایک پھیرا ہوا، یونہی سات پھیرے کرو، مگر باقی پھیروں میں وہ نیت کرنا نہیں کہ نیت تو ابتدا میں ہو چکی، اور رَمل صرف اگلے تین پھیروں میں ہے، اور باقی چار میں آہستہ بے جنبشِ شانہ معمولی چال سے چلو۔

۱۴۔ جب ساتوں پھیرے ہو جائیں، آخر میں پھر حجر کو بوسہ دو یا وہی طریقے ہاتھ یا لکڑی کے برتو۔

۱۵۔ بعد طواف مقامِ ابراہیم میں آکر آیۂ کریمہ [40] وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى [41] پڑھ کر دو رکعت طواف کہ واجب ہیں قُلْ يَا اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ سے پڑھو، اگر وقتِ کراہت مثلاً طلوعِ صبح سے بلندیِٔ آفتاب تک یا دوپہر یا نمازِ عصر کے بعد غروب تک نہ ہو ورنہ وقت نکل جانے پر بعد کو پڑھو، یہ رکعتیں پڑھ کر دعا مانگو، یہاں حدیث میں ایک دعا ارشاد ہوئی جس کے فائدوں کی عظمت اس سے کہنا ہی چاہتی ہے۔

[42] اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ وَتَعْلَمُ مَافِيْ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُنِيْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَاَرْضِيْ مِنَ الْمَعِيْشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِيْ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ [43]

حدیث میں ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے جو یہ دُعا کرے گا اس کی خطا بخش دوں گا، غم دور کروں گا، محتاجی سے نکال لوں گا، ہر تاجر سے بڑھ کر اس کی تجارت رکھوں گا، دنیا ناچار و مجبور اس کے پاس آئے گی گو وہ اسے نہ چاہے۔

40۔ اور مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ ۱۲ منہ (م)

41۔ القرآن ۲/ ۱۲۵۔

42۔ الٰہی! تُو میرا چھپا اور ظاہر سب جانتا ہے، تُو میرا عذر قبول فرما اور میری حاجت تجھے معلوم ہے، تُو میری مراد دے اور جو میرے دل میں ہے تُو جانتا ہے، تُو میرے گناہ بخش دے، الٰہی! میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ ایمان جو میرے دل میں پیوست ہو جائے، اور سچا یقین کہ میں جانوں کہ مجھے وہی ملے گا جو تُو نے میرے لیے لکھ دیا ہے اور میں اس معاش پر راضی ہوں جو تُو نے مجھے نصیب کی ہے اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ۱۲ منہ (م)

43۔ مسلک متقسط مع ارشاد الساری، فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۹۴۔

۱۶۔ پھر ملتزم پر جاؤ اور قریب حجر اس سے لپٹو اور اپنا سینہ اور پیٹ اور کبھی دہنا رخسارہ کبھی بایاں رخسارہ اس پر رکھو اور دونوں ہاتھ سر سے اونچے کرکے دیوار پر پھیلاؤ، یا داہنا ہاتھ دروازے اور بایاں سنگِ اسود کی طرف۔ اور یہاں کی دعا یہ ہے:

[44] یَاوَاجِدُ یَامَاجِدُ لَاتَزِلْ عَنِّیْ نِعْمَۃً اَنْعَمْتَ بِھَا عَلَیَّ ۔ [45]

حدیث میں فرمایا: میں جب چاہتا ہوں جبریل کو دیکھتا ہوں کہ ملتزم سے پلٹے ہوئے یہ دعا کر رہے ہیں۔

۱۷۔ پھر زمزم پر آؤ اور ہو سکے تو خواہ ایک ڈول کھینچو ورنہ بھرنے والوں سے لے لو اور کعبہ کو منہ کرکے تین سانسوں میں پیٹ بھر کے جتنا پیا جائے پیو، ہر بار بِسْمِ اللّٰہِ سے شروع اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پر ختم، باقی بدن پر ڈال لو اور پیتے وقت دعا کرو کہ قبول ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: زمزم جس مراد سے پیا ائے، اسی کے لیے ہے۔ یہاں وہی دُعائے جامع پڑھو اور حاضریٔ مکّہ معظمہ تک پینا تو بار بار نصیب ہو گا۔ قیامت کی پیاس سے بچنے کے لیے پیو، کبھی عذابِ قبر سے محفوظی کو، کبھی محبتِ رسول اللہ ﷺ بڑھنے کو، کبھی وسعتِ رزق، کبھی شفائے امراض، کبھی حصولِ علم وغیرہا خاص مرادوں کے لیے پیو۔

۱۸۔ وہاں جب پیو خوب پیٹ بھر کر پیو۔ حدیث میں ہے: ہم میں اور منافقوں میں یہ فرق ہے کہ وہ زمزم کوکھ بھر کر نہیں پیتے۔ [46]

۱۹۔ چاہِ زمزم کے اندر بھی نظر کرو کہ بہ حکمِ حدیث دافع نفاق ہے۔ [47]

۲۰۔ اب اگر کوئی عذر تکان وغیرہ کا نہ ہو تو ابھی ورنہ آرام لے کر صفا مروہ میں سعی کے لیے پھر حجرِ اسود کے پاس آؤ اور اسی طرح تکبیر وغیرہ کہہ کر چومو، اور نہ ہو سکے تو اس کی طرف منہ کرکے فوراً بابِ صفا سے جانبِ صفا روانہ ہو۔ دروازے سے پہلے بایاں پاؤں نکالو اور دہنا پہلے جوتے میں ڈالو، اور یہ ادب ہر مسجد سے باہر آتے ہمیشہ ملحوظ رکھو۔

۲۱۔ ذکر و درود میں مشغول صفا کی سیڑھیوں پر اتنا چڑھو کہ کعبہ معظمہ نظر آئے (اور یہ بات جہاں پہلی ہی سیڑھی سے حاصل ہے پھر رُخ بہ کعبہ ہو کر دونوں ہاتھ دعا کی طرح پہلے شانوں تک اُٹھاؤ اور دیر تک تسبیح و تہلیل و درود و دُعا کرو کہ محلِ اجابت ہے۔ یہاں بھی دعائے جامع پڑھو، پھر اُتر کر ذکر و درود میں مشغول مروہ کو چلو۔

۲۲۔ جب پہلا میل آئے، مرد دوڑنا شروع کریں (مگر نہ حد سے زائد نہ کسی کو ایذا دیتے) یہاں تک کہ دوسرے میل سے نکل جائیں، اس درمیان میں سب دعا بہ کوشش تمام کرو، یہاں کی دُعا یہ ہے:

[48] رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ ۔ [49]

44۔ اے قدرت والے اے عزت والے! مجھ سے زائل نہ کر جو نعمت تُو نے مجھے بخشی ہے ۱۲ منہ (م)

45۔ مسلک متقسط مع ارشاد الساری، فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۹۴۔

46۔ مسلک متقسط مع ارشاد الساری، فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۹۵۔

47۔ مسلک متقسط مع ارشاد الساری، فصل یستحب الاکثار من شرب ماء زمزم، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۳۲۹۔

۲۳۔ دوسرے میل سے نکل کر پھر آہستہ ہو لو یہاں تک کہ مروہ پر پہنچو، یہاں پہلی سیڑھی چڑھنے بل کہ اس کے قریب کھڑے ہونے سے مروہ پر صعود مل جاتا ہے، یہاں اگرچہ عمارتیں بن جانے سے کعبہ نظر نہیں آتا مگر رُو بہ کعبہ ہو کر جیسا صفا پر کیا تھا کرو، یہ ایک پھیرا ہوا۔

۲۴۔ پھر صفا کو جاؤ پھر آؤ، یہاں تک کہ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو، ہر پھیرے میں اسی طرح کریں، اس کا نام سعی ہے، واضح ہو کہ عمرہ صرف انہی افعالِ طواف و سعی کا نام ہے۔ قِران و تمتع والے کے لیے بھی یہی عمرہ ہو گیا اور افراد والے کے لیے یہ طواف قدوم ہوا یعنی حاضریِ دربار کا مجرا۔

۲۵۔ قارن یعنی جس نے قِران کیا ہے اس کے بعد طوافِ قدوم کی نیت سے ایک طواف و سعی اور بجالائے۔

۲۶۔ قارن اور مفرد جس نے افراد کیا تھا لبیک کہتے ہوئے احرام کے ساتھ مکّہ میں ٹھہریں، ان کی لبیک دسویں تاریخ رمیِ جمرہ کے وقت ختم ہو گی جبھی احرام سے نکلیں گے جس کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آتا ہے، مگر متمتع جس نے تمتع کیا تھا وہ اور معتمر یعنی نرا عمرہ کرنے والا شروع طواف کعبہ معظمہ سے سنگِ اسود شریف کا پہلا بوسہ لیتے ہی لبیک چھوڑ دیں اور طواف و سعی مذکور کے بعد حلق کریں یعنی مرد سارا سر منڈا دیں یا تقصیر یعنی مرد و عورت بال کتروائیں اور احرام[50] سے باہر آئیں، پھر متمتع چاہے تو آٹھویں ذی الحجہ تک بے احرام رہے، مگر افضل یہ ہے کہ جلد حج کا احرام باندھ لے۔ اگر یہ خیال نہ ہو کہ دن زیادہ ہیں یہ قیدیں نہ نبھیں گی۔

تنبیہ: طواف قدوم میں اضطباع و رمل اور اس کے بعد صفا و مروہ میں سعی ضرور نہیں، مگر اب نہ کرے گا تو طواف الزیارت میں کہ حج کا طواف فرض ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ آتا ہے، یہ سب کام کرنے ہوں گے، اور اس وقت ہجوم بہت ہوتا ہے عجب نہیں کہ طواف میں رمل اور مسعی میں دوڑنا نہ ہو سکے اور اس وقت ہو چکا تو طواف میں ان کی حاجت نہ ہو گی۔ لہٰذا ہم نے ان کو مطلقاً داخلِ ترکیب کر دیا۔

۲۷۔ مفرد و قارن تو حج کے رمل و سعی سے طواف قدوم میں فارغ ہو لیے مگر متمتع نے جو طواف و سعی کیے وہ عمرہ کے تھے، حج کے رمل و سعی اس سے ادا نہ ہوئے اور اس پر طواف قدوم ہے نہیں کہ قارن کی طرح اس میں یہ امور کر کے فراغت پالے، لہٰذا اگر وہ بھی پہلے سے فارغ ہو لینا چاہے تو جب حج کا احرام باندھے گا اس کے بعد ایک نفل طواف میں رمل و

48۔ اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما تُو ہی سب سے زیادہ عزت والا سب سے بڑھ کر کرم والا۔ ۱۲(م)

49۔ مسلک متقسط مع ارشاد الساری، باب السعی بین الصفا والمروۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۱۱۷۔

50۔ کبھی احرام کے ساتھ ہی منیٰ میں قربانی کے لیے جانور ہمراہ لیتے ہیں اسے سوقِ ہدی کہتے ہیں، اگر کسی متمتع نے ایسا احرام باندھا تو اب اُسے عمرہ کے بعد احرام کھولنا جائز نہ ہو گا بل کہ قارن کی طرح احرام میں رہے اور لبیک کہا کرے یہاں تک کہ دسویں کو رمی کے ساتھ لبیک چھوڑے، پھر قربانی کے بعد حلق یا تقصیر کر کے احرام سے باہر آئے۔ ۱۲ منہ (م)

سعی کرے گا، اب اسے طواف الزیارت میں ان کی حاجت نہ ہوگی۔

۲۸۔ اب یہ سب حجاج (قارن، متمتع، مفرد کوئی ہو) کہ منیٰ جانے کے لیے مکّہ معظمہ میں آٹھویں تاریخ کا انتظار کررہے ہیں۔ ایّامِ اقامت میں جس قدر ہوسکے نرا طواف بے اضطباع ورمل وسعی کرتے رہیں، باہر والوں کے لیے یہ سب سے بہتر عبادت ہے اور ہر سات پھیروں پر مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں دو رکعت پڑھیں۔

۲۹۔ اب خواہ منیٰ سے واپسی پر جب کبھی رات میں جتنی بار کعبہ معظمہ پر نظر پڑے تین بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں اور نبی ﷺ پر درود بھیجیں، دعا کریں کہ یہ وقتِ قبول ہے۔

۳۰۔ طواف اگرچہ نفل ہو اس میں یہ باتیں حرام ہیں:

(۱) بے وضو طواف کرنا

(۲) کوئی عضو جو ستر میں داخل ہے اس کا چہارم کھلا ہونا مثلاً ران یا آزاد عورت کا کان۔

(۳) بے مجبوری سواری پر یا کسی گود میں یا کندھوں پر طواف کرنا۔

(۴) بلاعذر بیٹھ کر سرکنا یا گھٹنوں چلنا۔

(۵) کعبہ کو داہنے ہاتھ پر لے کر اُلٹا طواف کرنا۔

(۶) طواف میں حطیم کے اندر ہو کر گزرنا۔

(۷) سات پھیروں سے کم کرنا۔

۳۱۔ یہ باتیں طواف میں مکروہ ہیں:

(۱) فضول بات کرنا۔ (۲) بیچنا۔ (۳) خریدنا۔

(۴) حمد و نعت و منقبت کے سوا کوئی شعر پڑھنا (۵) ذکر یا دعا یا تلاوت یا کوئی کلام بلند آواز سے کرنا۔

(۶) ناپاک کپڑے میں طواف کرنا۔ (۷) رمل یا اضطباع یا بوسۂ سنگِ اسود جہاں جہاں ان کا حکم ہے، ترک کرنا۔

(۸) طواف کے پھیروں میں زیادہ فاصلہ دینا یعنی کچھ پھیرے کر لیے پھر دیر تک ٹھہر گئے۔ یا

(۹) اور کسی کام میں لگ گے، باقی پھیرے بعد کو کیے مگر وضو جاتا رہا تو کر آئے۔ یا

(۱۰) جماعت قائم ہوئی اور اس نے نماز ابھی نہ پڑھی ہو تو شریک ہو جائے بل کہ جنازہ کی جماعت میں بھی طواف چھوڑ کر مل سکتا ہے، باقی جہاں سے چھوڑا تھا آکر پورا کرے۔

(۱۱) یوں ہی پیشاب پاخانہ کی ضرورت ہو تو چلا جائے، وضو کر کے باقی پورا کرے۔

(۱۲) ایک طواف کے بعد جب تک اس کی رکعتیں نہ پڑھ لیں دوسرا طواف شروع کر دینا، مگر کراہتِ نماز کا وقت جیسے صبح صادق سے طلوعِ آفتاب یا نمازِ عصر پڑھنے کے بعد سے غروبِ آفتاب تک کہ اس میں متعدد طواف، بے فصل نماز، جائز ہیں، وقتِ کراہت نکل جائے تو ہر طواف کے لیے دو رکعت ادا کرے۔

(۱۳) خطبۂ امام کے وقت طواف کرنا، ہاں اگر خود پہلی جماعت میں پڑھ چکا تو باقی جماعتوں کے وقت طواف کرنے میں حرج نہیں اور نمازیوں کے سامنے سے گزر سکتا ہے کہ طواف بھی مثل نماز ہی ہے۔

(۱۴) طواف میں کچھ کھانا۔

(۱۵) پیشاب یا پاخانہ یا ریح کے تقاضے میں طواف کرنا۔

۳۲۔ یہ باتیں طواف و سعی دونوں میں مباح ہیں:

(۱) سلام کرنا (۲) جواب دینا (۳) پانی پینا

(۴) حمد و نعت و منقبت کے اشعار آہستہ پڑھنا (۵) اور سعی میں کھانا کھا سکتا ہے

(۶) حاجت کے لیے کلام کرنا (۷) فتویٰ پوچھنا (۸) فتویٰ دینا

۳۳۔ طواف کی طرح سعی بھی بلا ضرورت سوار ہو کر یا بیٹھ کر ناجائز و گناہ ہے۔

۳۴۔ سعی میں یہ باتیں مکروہ ہیں:

(۱) بے حاجت اس کے پھیروں میں زیادہ فصل دینا مگر جماعت قائم ہو تو چلا جائے، یُوں ہی شرکتِ جنازہ یا قضائے حاجت یا تجدیدِ وضو کو اگرچہ سعی میں ضرور نہیں۔

(۲) خرید و (۳) فروخت (۴) فضول کلام

(۵) صفا یا مروہ پر نہ چڑھنا (۶) مرد کا مسعی میں بلا عذر نہ دوڑنا

(۷) طواف کے بعد بہت تاخیر کر کے سعی کرنا (۸) ستر عورت نہ ہونا

(۹) پریشان نظری یعنی اِدھر اُدھر فضول دیکھنا سعی میں بھی مکروہ ہے اور طواف میں اور زیادہ مکروہ۔

مسئلہ: بے وضو بھی سعی میں کوئی حرج نہیں، ہاں باوضو مستحب ہے۔

۳۵۔ طواف و سعی کے سب مسائل مذکورہ میں عورتیں بھی شریک ہیں مگر اضطباع، رمل، سعی میں دوڑنا ان کے لیے نہیں۔ مزاحمت کے ساتھ بوسۂ سنگِ اسود یا مس رکن یمانی یا قربِ کعبہ یا زمزم کے اندر نظر یا خود پانی بھرنے کی کوشش نہ کر سکیں۔ یہ باتیں یوں مل سکیں کہ نامحرم سے بدن نہ چھوئے تو خیر، ورنہ الگ تھلگ رہنا اس کے لیے سب سے بہتر ہے۔

فصل چہارم: منیٰ کی روانگی اور عرفہ کا وقوف

۱۔ ساتویں تاریخ مسجدِ حرام میں بعد نمازِ ظہر امام خطبہ پڑھے گا اسے سنو۔

۲۔ یوم الترویہ کہ آٹھ تاریخ کا نام ہے جس نے احرام نہ باندھا ہو باندھ لے اور ایک نفل طواف میں رمل و سعی جیسا کہ اُوپر گزرا۔

۳۔ جب آفتاب نکل آئے منیٰ کو چلو اور ہو سکے تو پیادہ کہ جب تک مکّہ معظمہ پلٹ کر آؤ گے ہر قدم پر سات سو نیکیاں

لکھی جائیں گی، سو ہزار کا لاکھ، سو لاکھ کا کروڑ، سو کروڑ کا ارب، سو ارب کا کھرب۔ یہ نیکیاں تخمیناً ۸۷ کھرب ۴۰ ارب ہوتی ہیں۔ اور اللہ کا فضل اس نبی کے صدقے میں اس امت پر بے شمار ہے جل وعلا ﷺ، والحمد للہ ربّ العالمین۔

۴۔ راستے بھر لبّیک و دعا اور درود و ثنا کی کثرت کرو۔

۵۔ جب منیٰ نظر آئے کہو:

[51] اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ مِنًی فَامْنُنْ عَلَیَّ بِمَا مَنَنْتَ بِہٖ عَلٰی اَوْلِیَآئِکَ۔ [52]

۶۔ یہاں رات کو ٹھہرو، آج ظہر سے نویں کی صبح تک پانچ نمازیں مسجد خیف میں پڑھو۔ آج کل بعض مطوفوں نے یہ نکالی ہے کہ آٹھویں کو منیٰ نہیں ٹھہرتے سیدھے عرفات پہنچتے ہیں، ان کی نہ مانے اور اس سنّتِ عظیمہ کو ہرگز نہ چھوڑے، قافلہ کے اصرار سے اُن کو بھی مجبور ہونا پڑے گا۔

۷۔ شبِ عرفہ منیٰ میں ذکر و عبادت سے جاگ کر صبح کرو، سونے کے بہت دن پڑے ہیں اور نہ ہو تو کم از کم عشا و صبح تو جماعتِ اولیٰ سے پڑھو کہ شب بیداری کا ثواب ملے گا، اور باوضو سوؤ کہ روح عرش تک بلند ہو گی۔

۸۔ صبح تک مستحب وقت نماز پڑھ کر لبیک و ذکر و درود میں مشغول رہو یہاں تک کہ آفتاب کوہِ ثبیر پر کہ مسجد خیف شریف کے سامنے ہے چمکے، اب عرفات کو چلو، دل کو خیالِ غیر سے پاک کرنے میں کوشش کرو کہ آج وہ دن ہے کہ کچھ کا حج قبول کریں گے اور کچھ ان کے صدقے میں بخش دیں گے۔ محروم وہ جو آج محروم رہا، وسوسے آئیں تو اُن سے لڑائی نہ باندھو کہ یوں بھی دشمن کا مطلب حاصل ہے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اور خیال میں لگ جاؤ، لڑائی باندھی جائے جب بھی تو اور خیال پڑے، بل کہ ان کی طرف دھیان ہی نہ کرو، یہ سمجھ لو کہ کوئی اور وجود ہے جو ایسے خیالات لا رہا ہے، مجھے اپنے ربّ سے کام ہے یوں ان شاء اللہ وہ مردود و ناکام واپس جائے گا۔

۹۔ راستے بھر ذکر و درود میں بسر کرو، بے ضرورت کچھ بات نہ کرو، لبیک کی بار بار کثرت چلو۔

۱۰۔ جب نگاہ جبلِ رحمت پر پڑے ان امور میں اور زیادہ کوشش کرو کہ ان شاء اللہ تعالیٰ وقتِ قبول ہے۔

۱۱۔ عرفات میں اس کوہِ مبارک کے پاس یا جہاں جگہ ملے شارع عام سے بچ کر اُترو۔

۱۲۔ آج کے ہجوم میں کہ لاکھوں آدمی، ہزاروں ڈیرے خیمے ہوتے ہیں، اپنے ڈیرے سے جا کر واپسی میں اس کا ملنا دشوار ہوتا ہے اس لیے پہچان کا نشان قائم کر لو کہ دور سے نظر آئے۔

۱۳۔ مستورات ساتھ ہوں تو ان کے برتے پر بھی کوئی خاص کپڑا علامت چمکتے رنگ کا لگا دو کہ دور سے دیکھ کر تمیز کر سکو اور دل میں تشویش نہ رہے۔

51۔ الٰہی! یہ منیٰ ہے تُو مجھ پر وہ احسان کر جو تُو نے اپنے دوستوں پر کیے۔ ۱۲ (م)

52۔ کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری، فصل فاذا کان الیوم الثانی الخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۱۷۔

۱۴۔ دوپہر تک زیادہ وقت اللہ کے حضور زاری اور باخلاص نیت حسبِ استطاعت تصدق و خیرات و ذکر و لبیک و درود و دعا و استغفار و کلمۂ توحید میں مشغول رہو۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں: سب سے بہتر وہ چیز جو آج کے دن میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی یہ ہے:

[53]لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ [54]

۱۵۔ دوپہر سے پہلے کھانے پینے وغیرہ ضروریات سے فارغ ہو لو کہ دل کسی طرف لگا نہ رہے۔ آج کے دن جیسے حاجی کو روزہ مناسب نہیں کہ دعا میں ضعف ہو گا۔ یوں ہی پیٹ بھر کر کھانا سخت ضرر اور غفلت و کسل کا باعث ہے۔ تین روٹی کی بھوک والا ایک ہی کھائے۔ نبی ﷺ نے تو ہمیشہ کے لیے یہی حکم دیا ہے، اور خود دنیا سے تشریف لے گئے اور جَو کی روٹی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھائی حال آں کہ اللہ کے حکم سے تمام جہان اختیار میں تھا اور ہے، اور اگر انوار و برکات لینا چاہو تو نہ صرف آج بلکہ حرمین شریفین میں جب تک حاضر ہو، تہائی پیٹ سے زیادہ ہرگز نہ کھاؤ۔ مانو گے تو اس کا فائدہ، نہ مانو گے تو اس کا نقصان آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ ہفتہ بھر اس پر عمل کر کے تو دیکھو، اگلی حالت سے فرق نہ پاؤ جبھی کہنا، جی بچے تو کھانے پینے کے بہت دن ہیں، یہاں تو نور و ذوق کے لیے جگہ خالی رکھو ؏

بھرا تن دوبارہ کیا بھرے گا

۱۶۔ جب دوپہر قریب آئے نہاؤ کہ سنّتِ مؤکدہ ہے اور نہ ہو سکے تو صرف وضو۔

۱۷۔ دوپہر ڈھلتے ہی بلکہ اس سے پہلے کہ امام کے قریب جگہ ملے مسجدِ نمرہ جاؤ، سنتیں پڑھ کر خطبہ سن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھو، بیچ میں سلام و قیام تو کیا معنی، سنتیں بھی نہ پڑھو، اور بعد عصر بھی نفل نہیں۔ یہ ظہر و عصر ملا کر پڑھنا جبھی جائز ہے کہ نماز یا تو سلطان خود پڑھائے یا وہ جو حج میں اس کا نائب ہو کر آتا ہے۔ جس نے ظہر اکیلے یا اپنی خاص جماعت سے پڑھی، اسے وقت سے پہلے عصر پڑھنا حلال نہ ہو گا۔ اور جس حکمت کے لیے شرع نے یہاں ظہر کے ساتھ عصر ملانے کا حکم فرمایا ہے یعنی غروبِ آفتاب تک دعا کے لیے وقت خالی ملنا، وہ جاتی رہے گی۔

۱۸۔ خیال کرو جب شرع کو یہ وقت دعا کے لیے فارغ کرنے کا اس قدر اہتمام ہے تو اس وقت اور کام میں مشغولی کس قدر بے ہودہ ہے۔ بعض احمقوں کو دیکھا ہے کہ امام تو نماز میں ہے یا نماز پڑھ کر موقف[55] کو گیا اور وہ کھانے پینے حقّے چائے

53۔ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ اکیلا، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے سب خوبیاں، وہی جِلائے وہی مارے، اور وہ زندہ ہے کہ کبھی نہ مرے گا، سب بھلائیاں اس کے قبضے میں ہیں اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے ۱۲(م)

54۔ کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری، فصل فی التوجہ الی العرفات، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۱۷۔

55۔ وہ جگہ کہ نماز کے بعد سے غروبِ آفتاب تک وہاں کھڑے ہو کر ذکر و دعا کا حکم ہے۔ (م)

اُڑانے میں مصروف ہیں، خبر دار ایسا نہ کرو، امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہی فوراً موقف کو روانہ ہو جاؤ، اور ممکن ہو تو اونٹ پر کہ سنّت بھی ہے اور ہجوم میں دبنے کچلنے سے محافظت بھی۔

۱۹۔ بعض مطوّف اس مجمع میں جانے سے منع کرتے ہیں اور طرح طرح سے ڈراتے ہیں، ان کی نہ سنو کہ وہ خاص نزولِ رحمتِ عام کی جگہ ہے۔ ہاں عورات اور کمزور مرد یہیں کھڑے ہوئے دعا میں شامل ہوں کہ بطنِ عرنہ[56] کے سوا یہ سارا میدان موقف ہے اور یہ لوگ بھی تصور یہی کریں کہ ہم اس مجمع میں حاضر ہیں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ نہ سمجھیں، اس مجمع میں یقیناً بہ کثرتِ اولیا بلکہ الیاس و خضر علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی اللہ موجود ہیں، یہ تصور کریں کہ انوار و برکات جو اس مجمع میں اُن پر اُتر رہے ہیں ان کا صدقہ ہم بھکاریوں کو بھی پہنچتا ہے، یوں الگ ہو کر بھی شامل رہیں گے، اور جس سے ہو سکے تو وہاں کی حاضری چھوڑنے کی چیز نہیں۔

۲۰۔ افضل یہ ہے کہ امام سے نزدیک جبلِ رحمت کے قریب جہاں سیاہ پتھر کا فرش ہے رُو بہ قبلہ پس پشتِ امام کھڑا ہو جب کہ ان فضائل کے حصول میں دقّت یا کسی کی اذیت نہ ہو ورنہ جہاں اور جس طرح ہو سکے وقوف[57] کرو، امام کی دہنی جانب اور بائیں روبرو سے افضل ہے۔ یہ وقوف ہی حج کی جان اور اس کا بڑا رکن ہے۔

۲۱۔ بعض جاہل یہ حرکت کرتے ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں کھڑے رومال ہلاتے رہتے ہیں اس سے بچو اور ان کی طرف بھی برا خیال نہ کرو، یہ وقت اوروں کے عیب دیکھنے کا نہیں اپنے عیبوں پر شرم ساری اور گریہ وزاری کا ہے۔

۲۲۔ اب وہ کہ یہاں ہیں اور کہ ڈیروں میں ہیں سب ہمہ تن صدقِ دل سے اپنے کریم مہربان ربّ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور میدانِ قیامت میں حسابِ اعمال کے لیے اس کے حضور حاضری کا تصوّر کرو، نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ لرزتے، کانپتے، ڈرتے، امید کرتے، آنکھیں بند کیے، گردن جھکائے، دستِ دعا آسمان کی طرف سر سے اونچے پھیلاؤ۔ تکبیر، تہلیل، تسبیح، لبیک، حمد، ذکر، دعا، توبہ، استغفار میں ڈوب جاؤ۔ کوشش کرو کہ ایک قطرہ آنسوؤں کا ٹپکے کہ دلیلِ اجابت و سعادت ہے ورنہ رونے کا سامنہ بناؤ کہ اچھوں کی صورت بھی اچھی۔ اثنائے دعا و ذکر میں لبیک کی بار بار تکرار کرو۔ آج کے دن کی دعائیں بہت منقول ہیں، اور دعائے جامع کہ اوپر گزری کافی ہے، چند بار اسے کہہ لو، اور سب سے بہتر یہ کہ سارا وقت درود، ذکر، تلاوتِ قرآن میں گزارو کہ بہ وعدۂ حدیث دعا والوں سے زیادہ پاؤ گے۔ نبی ﷺ کا دامن پکڑو، غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے توسل کرو، اپنے گناہ اور اس کی قہاری یاد کرو، بید کی طرح لرزو اور یقین جانو کہ اس کی مار سے اُسی کی پاس پناہ ہے، اس سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے۔ اس کے در کے سوا کہیں ٹھکانا نہیں۔ لہٰذا ان شفیعوں کا دامن لیے اس کے عذاب

56۔ بطنِ عرنہ عرفات میں حرم کے نالوں میں سے ایک نالہ ہے مسجد نمرہ کے مغرب یعنی مکّہ معظمہ کی طرف، وہاں موقف محض ناجائز ہے۔

57۔ وہاں ذکر و دُعا کے لیے کھڑا ہونا۔ (م)

سے اسی کی پناہ مانگو اور اسی حالت میں رہو کہ کبھی اس کی رحمتِ عام کی اُمید سے مرجھایا دل نہال ہوا جاتا ہے اور یونہی تضرع وزاری میں رہو یہاں تک کہ آفتاب ڈوب جائے اور رات کا ایک لطیف جُز آجائے اس سے پہلے کوچ منع ہے۔ بعض جلد باز دن ہی سے چل دیتے ہیں ان کا ساتھ نہ دو، غروب تک ٹھہرنے کی ضرورت نہ ہوتی تو عصر ظہر سے ملا کر پڑھنے کا حکم کیوں ہوتا، اور کیا معلوم کہ رحمتِ الٰہی کس وقت توجہ فرمائے، اگر تمہارے چل دینے کے بعد اُتری تو معاذ اللہ کیسا خسارہ ہے، اور اگر غروب سے پہلے حدودِ عرفات سے نکل گئے جب تو پورا جرم ہے اور جرمانے میں قربانی دینی آئے گی۔ بعض مطوّف یوں ڈراتے ہیں کہ رات میں خطرہ ہے یہ دو ایک کے لیے ٹھیک ہے، اور جب قافلے کا قافلہ ٹھہرے گا تو ان شاء اللہ کچھ اندیشہ نہیں۔

۲۳۔ ایک ادب واجب الحفظ اس روز کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں پر بھروسا کرکے یقین کرے کہ آج میں گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا، اب کوشش کروں کہ آئندہ گناہ نہ ہوں اور جو داغ اللہ تعالیٰ نے بہ محض رحمت میری پیشانی سے دھویا ہے پھر نہ لگے۔

۲۴۔ یہاں یہ باتیں مکروہ ہیں:

(۱) غروبِ آفتاب سے پہلے وقوف چھوڑ کر روانگی جب کہ غروب تک حدودِ عرفات سے باہر نہ ہو جائے ورنہ حرام ہے۔ (۲) نمازِ ظہر و عصر ملانے کے بعد موقف کو جانے میں دیر (۳) اس وقت سے غروب تک کھانے پینے یا (۴) توجہ بہ خدا کے سوا کسی کام میں مشغول ہونا، (۵) کوئی دنیوی بات کرنا، (۶) غروب پر یقین ہو جانے کے بعد روانگی میں تاخیر کرنا، (۷) مغرب یا عشا عرفات میں پڑھنا۔

تنبیہ: موقف میں چھتری لگانے یا کسی طرح سایہ چاہنے سے حتی المقدور بچو، ہاں جو مجبور ہے معذور ہے۔

تنبیہ ضروری ضروری، اشد ضروری

بد نگاہی ہمیشہ حرام ہے نہ کہ احرام میں نہ کہ موقف میں، یا مسجد الحرام میں نہ کہ کعبہ کے سامنے نہ کہ طوافِ بیت الحرام میں، یہ تمہارے بہت امتحان کا موقع ہے، عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ یہاں منہ نہ چھپاؤ اور تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اُن کی طرف نگاہ نہ کرو۔ یقین جانو کہ یہ بڑے عزت والے بادشاہ کی باندیاں ہیں اور اس وقت تم اور وہ سب خاص دربار میں حاضر ہو کر بلا تشبیہ شیر کا بچّہ اس کی بغل میں ہو اُس وقت کون اُس کی طرف نگاہ اُٹھا سکتا ہے، تو اللہ واحد قہار کی کنیزیں کہ اس کے خاص دربار میں حاضر ہیں ان پر بد نگاہی کس قدر سخت ہو گی وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالیٰ ہی کی شان سب سے بلند ہے) ہاں ہاں ہوشیار، ایمان بچائے ہوئے، قلب و نگاہ سنبھالے ہوئے، حرم وہ جگہ ہے جہاں گناہ کے ارادے پر پکڑا جاتا ہے اور ایک گناہ لاکھ گناہ کے برابر ٹھہرتا ہے۔ الٰہی! خیر کی توفیق دے۔ آمین!

فصل پنجم: منیٰ و مزدلفہ و باقی افعالِ حج

۱۔ جب غروبِ آفتاب کا یقین ہو جائے فوراً مزدلفہ کو چلو، اور امام کا ساتھ افضل ہے مگر وہ دیر کرے تو اس کا انتظار نہ کرو۔

۲۔ راستے بھر ذکر، درود و دعا و لبیک و زاری و بکا میں مصروف رہو۔

۳۔ راستے میں جہاں گنجائش پاؤ اور اپنی یا دوسرے کی ایذا کا احتمال نہ ہو تو اتنی دیر اتنی دور تیز چلو، پیادہ ہو خواہ سوار۔

۴۔ جب مزدلفہ نظر آئے بہ شرطِ قدرت پیادہ ہو لینا بہتر ہے اور نہا کر داخل ہونا افضل ہے۔

۵۔ وہاں پہنچ کر حتی الامکان جبلِ قزح کے پاس راستے سے بچ کر اترو، ورنہ جہاں جگہ ملے۔

۶۔ غالباً وہاں پہنچتے پہنچتے شفق ڈوب جائے گی مغرب کا وقت نکل جائے گا، اُونٹ کھولنے، اسباب اتارنے سے پہلے امام کے ساتھ مغرب و عشا پڑھو، اور اگر وقت باقی رہے جب بھی ابھی مغرب ہرگز نہ پڑھو نہ راہ میں کہ اس دن یہاں نمازِ مغرب وقتِ مغرب میں پڑھنا گناہ ہے، اگر پڑھ لو گے عشا کے وقت پھر پڑھنی ہوگی، غرض یہاں پہنچ کر مغرب وقتِ عشا میں بہ نیتِ ادا نہ کہ بہ نیتِ قضا، حتی الامکان امام کے ساتھ پڑھو، اس کا سلام ہوتے ہی معاً عشا کی جماعت ہوگی، عشا کے فرض پڑھو، اس کے بعد مغرب و عشا کی سنتیں اور وتر پڑھو، اگر امام کے ساتھ نماز نہ مل سکے تو اپنی جماعت کر لو اور نہ ہو سکے تو تنہا پڑھو۔

۷۔ باقی رات ذکرِ لبیک و درود و دُعا میں گزارو کہ یہ بہت افضل جگہ ہے اور بہت افضل رات ہے۔ زندگی ہو تو اور سونے کو بہت سی راتیں ملیں گی اور یہاں یہ رات خدا جانے دوبارہ کسے ملے اور نہ ہو سکے تو خیر باطہارت سو رہو کہ فضول باتوں سے سونا بہتر، اور اتنے پہلے اُٹھ بیٹھو کہ صبح چمکنے سے پہلے ضروریات و طہارت سے فارغ ہو لو۔ آج نمازِ صبح بہت اندھیرے سے پڑھی جائے گی، کوشش کرو کہ جماعتِ امام بلکہ پہلی تکبیر فوت نہ ہو کہ عشاء و صبح جماعت سے پڑھنے والا پوری شب بیداری کا ثواب پاتا ہے۔

۸۔ اب دربارِ اعظم کی دوسری حاضری کا وقت آیا، ہاں ہاں کرم کے دروازے کھولے گئے ہیں، کل عرفات میں حقوق اللہ معاف، یہاں حقوق العباد معاف فرمانے کا وعدہ ہے، مشعر الحرام میں یعنی خاص پہاڑی پر اور جگہ نہ ملے تو اس کے دامن میں، اور نہ ہو سکے تو وادیِ محسر کے سوا جہاں گنجائش پاؤ وقوف کرو اور تمام باتیں کہ وقوفِ عرفات میں مذکور ہوئیں ملحوظ رکھو۔

۹۔ جب طلوعِ آفتاب میں دو رکعت پڑھنے کا وقت رہ جائے امام کے ساتھ منیٰ کو چلو اور یہاں سے سات چھوٹی چھوٹی کنکریاں دانۂ خرما کے برابر پاک جگہ سے اُٹھا کر تین بار دھو لو۔ کسی پتھر کو توڑ کر کنکریاں نہ بناؤ۔

۱۰۔ راستے بھر بہ دستور ذکر و دُعا و درود و بہ کثرت لبیک میں مشغول رہو۔

۱۱۔ جب وادیِ محسر[58] پہنچو پانچ سو پینتالیس ہاتھ بہت جلدی تیزی کے ساتھ چل کر نکل جاؤ مگر نہ وہ تیزی جس سے کسی

58۔ یہ منیٰ مزدلفہ کے بیچ میں ایک نالہ ہے دونوں کی حدود سے خارج مزدلفہ سے منیٰ کو جاتے بائیں ہاتھ کو جو پہاڑ پڑتا ہے،

کو ایذا ہو اور اس عرصے میں یہ دُعا کرتے جاؤ: [59]اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔[60]

۱۲۔ جب مِنٰی نظر آئے، وہی دعا[61] پڑھو جو مکہ سے آتے مِنٰی کو دیکھ کر پڑھی تھی۔

۱۳۔ جب مِنٰی پہنچو، سب کاموں سے پہلے جمرۃ العقبہ[62] کو جاؤ جو ادھر سے پچھلا جمرہ ہے اور مکہ معظمہ سے پہلے نالے کے وسط میں، سواری پر جمرے سے پانچ ہاتھ ہٹے ہوئے یوں کھڑے ہو کہ مِنٰی داہنے ہاتھ پر اور کعبہ بائیں کو اور جمرہ کی طرف منہ ہو، سات کنکریاں جدا جدا سیدھا ہاتھ خوب اُٹھا کر سپیدیٔ بغل ظاہر ہو، ہر ایک پر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر مارو، بہتر یہ ہے کہ کنکریاں جمرہ تک پہنچیں ورنہ تین ہاتھ کے فاصلے پر گریں۔ اس سے زیادہ فاصلے پر گری تو وہ کنکری شمار میں نہ آئے گی۔ پہلی کنکری سے لبیک موقوف کرو۔

۱۴۔ جب سات پوری ہو جائیں وہاں نہ ٹھہرو، فوراً ذکر کرو، دُعا کرتے پلٹ آؤ۔

۱۵۔ اب قربانی میں مشغول ہو، یہ وہ قربانی نہیں جو عید میں ہوتی ہے کہ وہ تو مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مال دار پر واجب ہے اگرچہ حج میں ہو بلکہ یہ حج کا شکرانہ ہے، قارن و متمتع پر واجب اگرچہ فقیر[63] ہو، اور مفرد کے لیے مستحب اگرچہ غنی ہو، جانور کی عمر و اعضا میں وہی شرطیں ہیں جو عید کی قربانی میں۔

۱۶۔ ذبح کرنا آتا ہو تو آپ ذبح کرو کہ سنّت ہے ورنہ وقتِ ذبح حاضر رہو۔

۱۷۔ رُو بہ قبلہ لِٹا کر خود بھی رُو بہ قبلہ رہو اور تکبیر کہتے ہوئے نہایت تیز چھری سے بہت جلد اتنی پھیرو کہ چاروں

اس کی چوٹی سے شروع ہو کر ۵۴۵ ہاتھ تک ہے۔ یہاں اصحاب الفیل آکر ٹھہرے تھے اور اُن پر عذابِ ابابیل اُترا تھا، اس سے جلد گزرنا اور عذابِ الٰہی سے پناہ مانگنا چاہیے۔ ۱۲ منہ (م)

59۔ الٰہی! اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت دے۔ ۱۲ منہ (م)

60۔ مسلک متقسط مع ارشاد الساری، فصل فی آداب التوجہ الٰی منی، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۱۴۸۔

61۔ کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری، فصل فاذا کان یوم الثانی ا لخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۱۷۔

62۔ مِنٰی اور مکّہ کے بیچ میں تین ستون بنے ہوئے ہیں، اُن کو جمرہ کہتے ہیں۔ پہلا جو مِنٰی سے قریب ہے جمرۃ اولیٰ کہلاتا ہے اور بیچ کا جمرۂ وسطیٰ اور اخیر کا مکّہ معظمہ سے قریب ہے جمرۃ العقبہ۔ ۱۲ منہ (م)

63۔ **مسئلہ:** محتاج محض جس کی ملک میں نہ قربانی کے لائق کوئی جانور ہو نہ اتنا نقد یا اسباب کہ اسے بیچ کر لے سکے وہ اگر قِران یا تمتع کی نیّت کرے گا تو اس پر قربانی کے بدلے دس روزے واجب ہوں گے۔ تین تو حج کے مہینوں میں یعنی یکم شوال سے نویں ذی الحج تک احرام باندھنے کے بعد اس بیچ میں جب چاہے رکھ لے ایک ساتھ خواہ جدا جدا، اور بہتر ہے ۷، ۸ اور ۹ کو ہوں اور باقی سات تیرہویں کے بعد جب چاہے رکھے، اور بہتر یہ ہے کہ گھر پہنچ کر ہوں۔ (م)

رگیں کٹ جائیں، زیادہ ہاتھ نہ بڑھاؤ کہ بے سبب کی تکلیف ہے۔

۱۸۔ بہتر یہ ہے کہ وقتِ ذبح قربانی والے جانور کے دونوں ہاتھ اور ایک پاؤں باندھ لو، ذبح کرکے کھول دو۔

۱۹۔ اُونٹ ہو تو اسے کھڑا کرکے سینہ میں گلے کے انتہا پر تکبیر کہہ کر نیزہ مارو کہ سنّت یوں ہی ہے اور اس کا ذبح کرنا مکروہ، مگر حلال ذبح سے بھی ہو جائے گا اور گلے پر ایک ہی جگہ اسے ذبح کرے۔ جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ اُونٹ تین جگہ سے ذبح ہوتا ہے غلط و خلافِ سنت اور مفت کی اذیت و مکروہ ہے۔

۲۰۔ کسی ذبیحے کو جب تک سرد نہ ہو کھال نہ کھینچو، اعضا نہ کاٹو کہ ایذا ہے۔

۲۱۔ یہ قربانی کرکے اپنے اور تمام مسلمانوں کے حج و قربانی قبول ہونے کی دعا کرو۔

۲۲۔ بعد قربانی رُو بہ قبلہ بیٹھ کر مرد حلق کریں یعنی سارا سر منڈائیں کہ افضل ہے یا بال کتروائیں کہ رخصت ہے، اور عورتوں کو حلق حرام ہے، ایک پور برابر بال کتروا دیں۔

۲۳۔ حلق ہو یا تقصیر دہنی طرف سے ابتدا کرو اور اس وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ بعد فراغت بھی کہو، سب مسلمانوں کی بخشش مانگو۔ [64]

۲۴۔ بال دفن کردو اور ہمیشہ بدن سے جو چیز بال، ناخن، کھال جُدا ہو دفن کرو۔

۲۵۔ یہاں حلق یا تقصیر سے پہلے ناخن نہ کتراؤ، خطنہ بنواؤ۔

۲۶۔ اب عورت سے صحبت کرنے، شہوت سے ہاتھ لگانے، گلے لگانے، بوسہ لینے، دیکھنے کے سوا جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا، سب حلال ہو گیا۔

۲۷۔ افضل یہ ہے کہ آج دسویں ہی تاریخ فرض طواف کے لیے جسے طواف الزیارۃ کہتے ہیں مکّہ معظمہ جاؤ بہ دستور مذکورہ پیادہ باطہارت و ستر عورت طواف کرو مگر اس طواف میں اضطباع نہیں۔

۲۸۔ قارن و مفرد طوافِ قدوم میں اور متمتع بعد احرام حج کسی طواف نفل میں حج کے رمل و سعی دونوں خواہ صرف سعی کر چکے ہوں تو اس طواف میں رمل و سعی کچھ نہ کریں اور اگر اس میں میں رمل و سعی کچھ نہ کیا ہو یا صرف رمل کیا ہو یا جس طواف میں کیے تھے وہ عمرہ کا تھا جیسے قارِن و متمتع کا پہلا طواف یا وہ طواف بے طہارت کیا تھا تو ان چاروں صورتوں میں رمل و سعی دونوں اس طوافِ فرض میں کریں۔

۲۹۔ کم زور اور عورتیں اگر بھیڑ کے سبب دسویں کو نہ جائیں تو اس کے بعد گیارہویں کو افضل ہے اور اس دن یہ بڑا نفع ہے کہ مطاف خالی ملتا ہے، گنتی کے بیس بیس آدمی ہوتے ہیں، عورتوں کو بھی بہ اطمینانِ تمام ہر پھیرے میں سنگِ اسود کا بوسہ ملتا ہے۔

64۔ مسلک متقسط مع ارشاد الساری، فصل فی الحلق والتقصیر، دارالکتاب العربی، بیروت، ص:۱۵۲۔

۳۰۔ جو گیارہویں کو نہ جائے بارہویں کو کرلے، اس کے بعد بلاعذر تاخیر گناہ ہے۔ جرمانہ میں ایک قربانی ہوگی، ہاں مثلاً عورت کو حیض یا نفاس آگیا تو وہ ان کے ختم کے بعد کرے۔

۳۱۔ بہ ہر حال بعد طواف دو رکعت ضرور پڑھیں، اس طواف سے عورتیں بھی حلال ہو جائیں گی، حج پورا ہو گیا کہ اس کا دوسرا رکن یہ طواف تھا۔

۳۲۔ دسویں، گیارہویں، بارہویں راتیں منیٰ ہی میں بسر کرنا سنّت ہے، نہ مزدلفہ میں نہ مکّہ میں نہ راہ میں، تو جو دس یا گیارہ کو طواف کے لیے گیا واپس آکر رات منیٰ ہی میں گزارے۔

۳۳۔ گیارہویں تاریخ بعد نمازِ ظہر امام کا خطبہ سُن کر پھر رمی کو چلو، ان ایّام میں رمی جمرۃ اولیٰ سے شروع کرو جو مسجد خیف سے قریب مزدلفہ کی طرف ہے اس کی رمی کو راہِ مکّہ کی طرف سے آکر چڑھائی پر چڑھو کہ یہ جگہ بہ نسبت جمرۃ العقبہ کے بلند ہے، یہاں رُوبہ کعبہ سات کنکریاں بہ طور مذکور مار کر جمرہ سے کچھ آگے بڑھ جاؤ اور دعا میں ہاتھ یوں اُٹھاؤ کہ ہتھیلیاں قبلہ کو رہیں، حضورِ قلب سے حمد و درود و دُعا و استغفار میں کم سے کم بیس آیتیں پڑھنے قدر مشغول ہو ورنہ پون پارہ یا سورۂ بقر پڑھنے کی مقدار تک۔

۳۴۔ پھر جمرۂ وسطیٰ پر جا کر ایسا ہی کرو۔

۳۵۔ پھر جمرۂ عقبیٰ پر، مگر یہاں رمی کر کے نہ ٹھہرو، معاً پلٹ آؤ، پلٹنے میں دعا کرو۔

۳۶۔ بعینہٖ اسی طرح بارہویں تاریخ تینوں جمرے بعد زوال رمی کرو۔ بعض لوگ آج دوپہر سے پہلے رمی کر کے مکّہ معظمہ کو چل دیتے ہیں۔ یہ ہمارے اصل مذہب کے خلاف اور ایک ضعیف روایت ہے۔

۳۷۔ بارہویں کی رمی کر کے غروبِ آفتاب سے پہلے اختیار ہے کہ مکّہ معظمہ روانہ ہو جاؤ، مگر بعد غروب چلا جانا معیوب ہے۔ اب ایک دن اور ٹھہرنا اور تیرہویں کو بہ دستور دوپہر ڈھلے رمی کر کے مکہ جانا ہو گا اور یہی افضل ہے، مگر عام لوگ بارہویں کو چلے جاتے ہیں تو ایک رات دن یہاں قیام میں قلیل جماعت کو وقت ہے۔

۳۸۔ حلق رمی سے پہلے جائز نہیں۔

۳۹۔ گیارہویں بارہویں کی رمی دوپہر سے پہلے اصلاً صحیح نہیں۔

۴۰۔ رمی میں یہ امور مکروہ ہیں:

(۱) دسویں کی رمی دوپہر بعد کرنا۔ (۲) تیرہویں کی رمی دوپہر سے پہلے کرنا۔ (۳) رمی میں بڑا پتھر مارنا۔ (۴) توڑ کر بڑے پتھر کی کنکریاں مارنا۔ (۵) جمرہ کے نیچے جو کنکریاں پڑی ہیں اٹھا کر مارنا کہ یہ مردود کنکریاں ہیں۔ جو قبول ہوتی ہیں، قیامت کے دن نیکیوں کے پلّے میں رکھنے کو اُٹھائی جاتی ہیں ورنہ جمروں کے گرد پہاڑ جمع ہو جاتے۔ (۶) ناپاک کنکریاں مارنا۔ (۷) سات سے زیادہ مارنا۔ (۸) رمی کے لیے جو جہت مذکور ہوئی اس کا خلاف کرنا۔ (۹) جمرہ سے پانچ ہاتھ سے کم فاصلے پر کھڑا ہونا، زیادہ کا مضائقہ نہیں۔ (۱۰) جمروں میں خلافِ ترتیب کرنا۔ (۱۱) مارنے کے بدلے کنکری جمرے کے پاس ڈال دینا۔

۴۱۔ اخیر دن یعنی بارہویں خواہ تیرہویں کو جب منیٰ سے رخصت ہو کر مکّہ معظمہ چلو تو وادی محصب[65] میں کہ جنۃ المعلیٰ کے قریب ہے سواری سے اُتر لو یا بے اُترے کچھ دیر ٹھہر کر مشغولِ دعا ہو، اور افضل تو یہ ہے کہ عشا تک نمازیں یہیں پڑھو، ایک نیند لے کر داخلِ مکّہ معظمہ ہو۔

۴۲۔ اب تیرہویں کے بعد جب تک مکّہ میں ٹھہرو اپنے پیر، استاد، ماں باپ خصوصًا حضور پُر نور سیّدِ عالم ﷺ اور ان کے اصحاب و عترت اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہم کی طرف سے جتنے ہو سکیں عمرے کرتے رہو، تنعیم کو جو مکّہ معظمہ سے شمال یعنی مدینہ طیبہ کی طرف تین میل کے فاصلے پر ہے جاؤ وہاں سے عمرہ کا احرام جس طرح اوپر بیان ہوا باندھ کر آؤ اور طواف و سعی حسبِ دستور کر کے حلق یا تقصیر کر لو عمرہ ہو گیا۔ جو حلق کر چکا اور مثلاً اسی دن دوسرا عمرہ کیا وہ سر پر اُسترا پھروا لے کافی ہے، یوں ہی وہ جس کے سر پر قدرتی بال نہ ہوں۔

۴۳۔ مکّہ معظمہ میں کم از کم ایک بار ختمِ قرآن مجید سے محروم نہ رہے۔

۴۴۔ جنۃ المعلیٰ حاضر ہو کر اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ و دیگر مدفونین کی زیارت کرے۔

۴۵۔ مکانِ ولادتِ اقدس حضورِ انور ﷺ کی بھی زیارت سے مشرف ہو۔

۴۶۔ حضرت عبد المطلب کی زیارت کریں اور ابو طالب کی قبر پر نہ جاؤ، یوں ہی جدّہ میں جو لوگوں نے حضرت حوّا رضی اللہ عنہا کا مزار کئی سو ہاتھ کا بنا رکھا ہے وہاں بھی نہ جاؤ کہ بے اصل ہے۔

۴۷۔ علما کی خدمت سے شرف لو، خصوصًا اکابر جیسے آج کل حضرت مولانا عبد الحق صاحب مہاجر الٰہ آبادی کہ حمیدیہ محل کے قریب تشریف فرما اور مسلمانانِ ہند کے لیے رحمتِ مجسم ہیں اور حضرت شیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل اور حضرت شیخ الائمہ مولانا احمد ابو الخیر مرداو قریب صفا اور حضرت عماد السنۃ مولانا شیخ صالح کمال قریب باب السلام اور حضرت مولانا سیّد اسماعیل آفندی حافظ کتب الحرم حرم شریف کے کتب خانے میں وغیرہم حفظہم اللہ تعالیٰ[66]۔

۴۸۔ کعبہ معظمہ کی داخلی کمال سعادت ہے اگر جائز طور پر نصیب ہو، حرم عام میں داخلی ہوتی ہے مگر سخت کش مکش کم زور مرد کا کام ہی نہیں، نہ عورتوں کو ایسے ہجوم میں جرأت کی اجازت، زبردست مرد اگر آپ ایذا سے بچ بھی گیا تو اوروں کو دھکّے دے کر ایذا دے گا، اور یہ جائز نہیں۔ نہ یوں حاضری میں کچھ ذوق ملے اور خاص داخلی بے لین دین میسر نہیں اور اس پر لینا بھی حرام اور دینا بھی۔ حرام کے ذریعے ایک مستحب ملا بھی تو وہ بھی حرام ہو گیا۔ ان مفاسد سے نجات نہ ملے تو حطیم شریف کی حاضری غنیمت جانے، اُوپر گزرا کہ وہ بھی کعبہ ہی کی زمین ہے اور اگر شاید بن پڑے یوں کہ خدام کعبہ سے

65۔ جنۃ المعلیٰ کہ مکّہ کا قبرستان ہے، اس کے پاس ایک پہاڑ ہے اور وہ دوسرے پہاڑ کے سامنے مکّہ کو جاتے ہوئے داہنے ہاتھ پر نالے کے پیٹ سے جُدا ہے، ان دونوں پہاڑوں کے بیچ کا نالہ وادیٔ محصب ہے، جنت المعلّٰی میں داخل نہیں۔ (م)

66۔ یہ سب حضرات رخصت ہو چکے ہیں۔ (م)

ٹھہر جائے کہ داخلی کے عوض میں کچھ نہ دیں گے، اس کے بعد یا قبل چاہے ہزاروں روپے دے دو تو کمال آدابِ ظاہر و باطن کی رعایت سے آنکھیں نیچے کیے، گردن جھکائے، گناہوں پر شرماتے، جلالِ ربّ البیت سے لرزتے کانپتے بسم اللہ کہہ کر پہلے سیدھا پاؤں بڑھا کر داخل ہو اور سامنے کی دیوار تک اتنا بڑھو کہ تین ہاتھ کا فاصلہ رہے، وہاں دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ ہیں پڑھو کہ نبی ﷺ کا مصلّٰی ہے، پھر دیوار پر رخسار اور منہ رکھ کر حمد و درود اور دُعا میں کوشش کرو۔ یوں ہی نگاہیں نیچے کیے چار گوشوں پر جاؤ اور دُعا کرو اور ستونوں سے چمٹو اور پھر اس دولت کا ملنا اور حج و زیارت کا قبول مانگو اور یوں ہی آنکھیں نیچے کیے واپس آؤ، اوپر یا اِدھر اُدھر ہرگز نہ دیکھو، اور بڑے فضل کی اُمید کرو کہ وہ فرماتا ہے جو اس گھر میں داخل ہوا وہ امان میں، والحمدللہ۔

۴۹۔ بچی ہوئی بتّی وغیرہ جو یہاں یا مدینہ طیبہ میں خدام دیتے ہرگز نہ لو بلکہ اپنے پاس سے بتی وہاں روشن کر کے باقی اُٹھالو۔

۵۰۔ جب عزمِ رخصت ہو طوافِ وداع بے رمل و سعی و اضطباع بجالاؤ کہ باہر والوں پر واجب ہے، ہاں وقتِ رخصت عورت حیض و نفاس میں ہو اس پر نہیں، پھر دو رکعت مقامِ ابراہیم میں پڑھو۔

۵۱۔ پھر زمزم پر آکر اسی طرح پانی پیو، بدن پر ڈالو۔

۵۲۔ پھر دروازۂ کعبہ پر کھڑے ہو کر آستانہ پاک کو بوسہ دو اور قبول و بار بار حاضری کی دعا مانگو اور وہی دعائے جامع پڑھو۔

۵۳۔ پھر ملتزم پر آکر غلافِ کعبہ تھام کر اُسی طرح چمٹو، ذکر و درود اور دعا کی کثرت کرو۔

۵۴۔ پھر حجرِ اسود کو بوسہ دو اور جو آنسو رکھتے ہو گراؤ۔

۵۵۔ پھر اُلٹے پاؤں رُخ بہ کعبہ یا سیدھے چلنے میں بار بار پھر کر کعبہ کو حسرت سے دیکھتے، اس کی جدائی پر روتے یا رونے کا منہ بناتے مسجدِ کریم کے دروازے سے بایاں پاؤں پہلے بڑھا کر نکلو اور دعائے مذکور پڑھو اور اس کے لیے بہتر باب الحزورہ ہے۔

۵۶۔ حیض و نفاس والی دروازے پر کھڑے ہو کر کعبہ کو بہ نگاہِ حسر دیکھے اور دعا کرتی پلٹے۔

۵۷۔ پھر بہ قدرِ قدرت فقرائے مکّہ معظمہ پر تصدق کر کے متوجہ سرکارِ اعظم مدینہ طیبہ ہو، وباللہ التوفیق۔

فصل ششم: جُرم اور اُن کے کفّارے

ان کی تفصیل موجبِ تطویل، اور رسالہ مختصر اور وقت قلیل، اور جو طریقے بتادیے ہیں ان پر عمل کرنا ان شاء اللہ تعالیٰ جرمانے سے بچنے کا کفیل۔ لہٰذا یہاں صرف اجمالاً معدود مسائل کا بیان ہوتا ہے۔

تنبیہ: اس فصل میں جہاں دَم کہیں گے اس سے مراد ایک بھیڑ یا بکری ہوگی، اور بدنہ اونٹ یا گائے۔ یہ سب جانور

انہیں شرائط کے ہوں جو قربانی میں ہوں۔ اور صدقہ سے مراد انگریزی روپے سے ایک سو پچھتر (۱۷۵) روپے آٹھ آنے بھر کہ سو روپے کے سیر سے پونے دو سیر ہوئے اٹھنی بھر اوپر گندم یا اس سکے ڈونے جَو یا کھجور یا ان کی قیمت۔

مسئلہ: جہاں دَم کا حکم ہے وہ جرم اگر بیماری یا سخت گرمی یا شدید سردی یا زخم یا پھوڑے یا جوؤں کے ایذا کے باعث ہوگا تو اسے جرمِ غیر اختیاری کہتے ہیں۔ اس میں اختیار ہوگا کہ دم کے بدلے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دے دے یا تین روزے رکھ لے، اور اگر اس میں صدقے کا حکم ہے اور بہ مجبوری کیا تو اختیار ہوگا کہ صدقے کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔ اب احکام سنیے:

۱۔ سِلا کپڑا یا خوش بُو کا رنگا چار پہر[67] کامل یا لگاتار زیادہ دنوں پہنا تو دَم واجب ہے، اور چار پہر سے کم اگرچہ[68] ایک لحظہ تو صدقہ۔

۲۔ اگر دن کو پہنا اور رات کو گرمی کے باعث اُتار ڈالا، یا رات کو سردی کے سبب پہنا دن کو اتار دیا اور باز آنے کی نیت سے اتارا دوسرے دن پھر پہنا تو دوسرا جرمانہ ہوگا، اسی طرح جتنی بار کرے۔

۳۔ بیماری کے سبب پہنا تو جب تک وہ بیماری رہے گی ایک جرم ہے اور اگر وہ بیماری یقیناً جاتی رہی، دوسری بیماری شروع ہوگئی اور اس میں بھی پہننے کی ضرورت ہے جب بھی یہ دوسرا جرم ہوگا مگر غیر اختیاری۔

۴۔ بیماری وغیرہ سے اگر سر[69] سے پاؤں تک سب کپڑے پہننے کی ضرورت ہوئی تو ایک ہی جرم غیر اختیاری ہے اور اگر مثلاً ضرورت صرف عمامہ کی تھی اور اس نے کُرتا بھی پہنا تو دو جرم ہیں، (۱) عمامہ کا غیر اختیاری اور (۲) کُرتا کا اختیاری۔

۵۔ مرد سارا سر یا چہارم یا مرد خواہ عورت منہ کی ٹکلی ساری یا چہارم چار پہر یا زیادہ لگاتار چھپائیں تو دَم ہے اور چہارم سے کم چار پہر تک یا زیادہ لگاتار چھپائیں تو دَم ہے اور چہارم سے کم چار پہر تک یا چار سے کم اگرچہ سارا سر یا منہ تو صدقہ ہے اور چہارم سے کم کو چار پہر سے کم تک چھپائیں تو گناہ ہے کفارہ نہیں۔

۶۔ خوش بُو اگر بہت سی لگائی جسے دیکھ کر بہت لوگ بتائیں اگرچہ عضو کے تھوڑے ٹکڑے پر یا کوئی بڑا عضو جیسے سر یا منہ یا ران یا پنڈلی پورا سان دیا اگرچہ تھوڑی ہی خوش بُو سے، جب تو اس پر دم ہے، اور اگر تھوڑی سی خوش بُو تھوڑے حصے میں لگائی تو صدقہ ہے۔

67۔ چار پہر سے مراد ایک دن یا رات کی مقدار ہے، مثلاً طلوع سے غروب یا غروب سے طلوع یا دوپہر سے آدھی رات یا آدھی رات سے دوپہر تک۔ ۱۲ منہ (م)

68۔ یعنی لحہ بھر پہنا اور پھر اتار ڈالا جب بھی صدقہ ہے۔ ۱۲ منہ (م)

69۔ یوں ہی پُوری ہتھیلی یا تلوے پر مہندی لگائے تو دم ہے، عورت ہو یا مرد، اور چاروں میں ایک ہی جلسہ میں لگائی تو ایک ہی دم، ورنہ ہر جلسہ پر ایک دم، اور ہاتھ یا پاؤں کے کسی حصے پر لگائی تو صدقہ۔ ۱۲ منہ (م)

مسئلہ: سنگِ اسود شریف پر خوش بُو ملی جاتی ہے وُہ اگر بوسہ لینے میں بہ حالتِ احرام منہ کو بہت سی لگ گئی تو دم دینا ہوگا اور تھوڑی سے صدقہ۔

۷۔ سر پر پتلی مہندی کا خضاب کیا کہ بال نہ چھپائے تو ایک دم ہے اور اگر گاڑھی تھوپی اور چار پہر گزرے تو مرد پر دو[70] دم ہیں اور چار پہر سے کم تو ایک[71] صدقہ اور ایک دم، اور عورت[72] پر بہ ہر حال ایک دم۔

۸۔ ایک جلسہ میں کتنے ہی بدن پر خوش بُو لگائے ایک جرم، اور مختلف جلسوں میں ہر بار نیا جُرم۔

۹۔ تھوڑی سی خوش بُو بدن کے متفرق حصوں[73] پر لگائی اگر جمع کرنے سے ایک بڑے عضو کامل کی مقدار ہو جائے تو دَم ہے ورنہ صدقہ۔

۱۰۔ خوش بُو دار سرمہ تین بار یا زیادہ بار لگایا تو دَم ہے ورنہ صدقہ۔

۱۱۔ اگر خالص خوش بُو کی چیز اتنی کھائی کہ اکثر منہ[74] میں لگ گئی تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

۱۲۔ کھانے میں خوش بُو اگر پکنے میں پڑی یا فنا ہو گئی جب تو کچھ نہیں ورنہ اگر خوش بُو کے اجزا زیادہ ہوں تو وہ خالص خوش بُو کے حکم میں ہے، اور اگر کھانے کا حصہ زیادہ ہے تو عام کتابوں میں مطلق حکم دیا کہ اس میں کفارہ کچھ نہیں، ہاں خوش بُو آئی تو کراہت ہے۔

۱۳۔ پینے کی چیز میں خوش بُو ملائی اگر خوش بُو کا حصہ غالب ہے یا تین بار یا زیادہ پیا تو دَم ہے ورنہ صدقہ۔

مسئلہ: خمیرہ تمباکو نہ پینا بہتر مگر منع یا کفارہ نہیں۔[75]

70۔ ایک سارے عضو پر خوش بُو کا دوسرا چار پہر سر چھپانے کا۔ ۱۲ منہ (م)

71۔ خوش بُو پر دَم اور چار پہر سے کم سر چھپانے پر صدقہ۔ ۱۲ منہ (م)

72۔ صرف خوش بُو کا دَم ہے اس لیے کہ سر چھپانا تو اسے روا ہے۔ ۱۲ منہ (م)

73۔ قیدت به لان الطیب الکثیر لایتقید بکمال العضو، فتنبه ۱۲ منه (م)
یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ کثیر خوش بُو کی صورت میں کمالِ عضو کے ساتھ مقید نہیں کیا جاتا پس متوجہ رہو۔ ۱۲ منہ (ت)

74۔ **اقول** لم یقل ففیه الدم کما قال کثیرون لانه لم یلتزق باکثر فمه لایلزم الدم بالخالص فکیف بالمخلوط ووقع ھٰھنا فی شرح اللباب فی النقل عن الحلبی تحریف او سقط فاجتنبه کما بیناہ علی ھامشه ۱۲ منه (م)
میں کہتا ہوں یہ نہیں کہا اس میں دم ہے جیسا کہ کثیر حضرات نے کہا کیوں کہ حجرِ اسود سے اکثر چہرے کا حصہ مس نہیں کرتا تو جب خالص خوش بُو کی وجہ سے دَم لازم نہیں تو مخلوط کے ساتھ کیسے ہوگا، یہاں شرح لباب میں حلبی سے نقل کرتے ہوئے تحریف ہو گئی ہے یا الفاظ ساقط ہو گئے ہیں جیسا کہ ہم نے وہاں حاشیے میں بیان کر دیا ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

۱۴۔ اگر چہارم سر یا داڑھی کے بال یا زیادہ کسی طرح دور کیے تو دَم ہے اور کم میں صدقہ۔

۱۵۔ اگر چندلا ہے یا داڑھی بہت ہلکی چھدری تو یہ دیکھیں گے کہ اتنے بال اس جگہ کی چہارم مقدار تک پہنچتے ہیں یا نہیں؟

۱۶۔ یوں ہی چند جگہ سے دور کیے تو ملا کر چہارم کی مقدار دیکھیں گے۔

۱۷۔ اگر سارے بدن کے بال ایک جلسہ میں دور کیے تو ایک ہی جرم ہے اور مختلف جلسے تو ہر بار نیا جُرم۔

۱۸۔ مونچھیں اگرچہ پوری ہوں صرف صدقہ ہے۔

۱۹۔ گردن یا ایک بغل پوری ہو تو دَم ہے اور کم میں اگرچہ نصف یا زائد ہو صدقہ۔ یوں ہی موئے زیرِ ناف چہارم کو سب کے برابر ٹھہرانا صرف سر اور داڑھی میں ہے۔

۲۰۔ دونوں بغلیں پُوری منڈائے جب بھی ایک ہی دم ہے۔

۲۱۔ سر اور داڑھی اور زیرِ ناف اور بغل کے سوا باقی اعضا کے مُنڈنے میں صرف صدقہ ہے۔

۲۲۔ مُونڈنا، کترنا، موچنا سے لینا، نورہ لگانا سب کا ایک حکم ہے۔

۲۳۔ عورت اگر سارے یا چہارم سر کے بال ایک پورہ برابر کترے تو دَم ہے اور کم میں صدقہ۔

۲۴۔ وضو[76] کرنے یا کھجانے یا کنگھی کرنے میں جو بال گرے اس پر بھی پُورا صدقہ ہے، اور بعض نے کہا دو تین بال تک ہر بال کے لیے ایک مٹھی اناج یا ایک روٹی کا ٹکڑا یا ایک چھوہارا۔

۲۵۔ بال آپ گر جائے بے اس کا ہاتھ لگائے یا بیماری سے تمام بال گر پڑیں تو کچھ نہیں۔

۲۶۔ ایک ہاتھ ایک پاؤں کے پانچوں ناخن کترے یا بیسیوں ایک ساتھ تو ایک دَم ہے، اور اگر کسی ہاتھ پاؤں کے پورے پانچ نہ کترے تو ہر ناخن پر ایک صدقہ، یہاں تک کہ چاروں ہاتھ پاؤں کے چار چار کترے تو سولہ صدقے دے مگر یہ کہ صدقوں کی قیمت ایک دَم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کر لے۔

۲۷۔ اگر ایک جلسہ میں ایک ہاتھ یا پاؤں کے کترے، دوسرے میں دوسرے کے، تو دو دَم دے۔ یوں ہی چار جلسوں میں چاروں کے تو چار دَم۔

۲۸۔ کوئی ناخن ٹوٹ گیا کہ اب اُگنے کے قابل نہ رہا اس کا بقیہ اس نے کاٹ لیا تو کچھ نہیں۔

75۔ كما حققناه فيما على رد المحتار ۱۲منہ (م)
جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل حاشیہ ردّ المختار میں دی ہے۔ (ت)

76۔ یہاں بھی جلسہ کا اعتبار چاہیے ایک جلسہ میں ایک بال یا کُل ٹوٹیں تو ایک صدقہ اور متعدد جلسوں میں تو متعدد۔ ۱۲منہ (م)

۲۹۔ شہوت کے ساتھ بوس و کنار و مساس میں دَم [77] ہے اگرچہ انزال نہ ہو اور بِلا شہوت میں کچھ نہیں۔

۳۰۔ اندامِ نہانی پر نگاہ کرنے سے کچھ نہیں اگرچہ انزال ہو جائے، مکروہ ضرور ہے۔

۳۱۔ جلق سے انزال ہو جائے تو دَم ہے ورنہ مکروہ ہے۔

۳۲۔ طواف فرضِ کُل یا اکثر جنابت میں یا حیض و نفاس میں کیا تو بَدنہ ہے، اور بے وضو تو دَم ہے، اور پہلی صورت میں طہارت کے ساتھ اس کا اعادہ واجب، دوسری میں مستحب۔

۳۳۔ نصف سے کم پھیرے بے طہارت کے کیے تو ہر پھیرے کے لیے ایک صدقہ۔

۳۴۔ طواف فرضِ کُل یا اکثر بلا عذر اپنے پاؤں چل کر نہ کیا بلکہ سواری یا گود میں یا بیٹھے بیٹھے۔

۳۵۔ یا بے ستر عورت کیا مثلاً عورت کی چہارم کلائی یا چہارم سر کے بال کھلے تھے۔

۳۶۔ یا کعبے کو دَہنے ہاتھ پر لے کر اُلٹا کیا۔

۳۷۔ یا اس میں حطیم کے اندر ہو کر گزرا۔

۳۸۔ یا بارھویں کے بعد کیا تو ان پانچوں صورتوں میں دَم دے۔

۳۹۔ اس کے چار سے کم پھیرے بالکل نہ کیے تو دَم دے دے اور بارھویں کے بعد کیے تو ہر پھیرے پر صدقہ دے۔

۴۰۔ طوافِ فرض کے سوا اور کوئی طواف ناپاکی میں کیا تو دَم، اور بے وضو تو صدقہ۔

۴۱۔ فرض وغیرہ کوئی طواف ہو جیسے ناقص طور پر کیا کہ کفارہ لازم ہوا، جب کامل اعادہ کر لیا کفارہ اتر گیا مگر بارھویں کے بعد ہونے سے جو نقصان طوافِ فرض کے سوا کسی پھیرے میں آیا اس کا اعادہ ناممکن، بارھویں تو گزر گئی۔

۴۲۔ نجس کپڑوں سے طواف مکروہ ہے، کفارہ نہیں۔

۴۳۔ سعی کے چار پھیرے یا زیادہ بلا عذر اصلاً نہ کیے، یا سواری پر کیے تو دَم دے اور حج ہو گیا اور چار سے کم میں ہر پھیرے پر صدقہ دے۔

۴۴۔ طواف سے پہلے سعی کر لی پھر کرے، نہ کرے تو دم لازم۔

۴۵۔ دسویں کی صبح بلا عذر مزدلفہ میں وقوف نہ کیا تو دَم دے۔ ہاں کمزور یا عورت بہ خوفِ زحمت ترک کرے تو جرمانہ نہیں۔

۴۶۔ حلق حرم میں نہ کیا حدودِ حرم سے باہر کیا یا بارھویں کے بعد کیا تو دَم ہے۔

۴۷۔ رَمی سے پہلے حلق کر لیا دم دے۔

۴۸۔ قارِن یا متمتع رمی سے پہلے قربانی یا قربانی سے پہلے حلق کریں تو دَم دیں۔

77۔ **مسئلہ:** مرد کے ان افعال سے عورت کو لذت آئے تو بھی دم ہے۔ ۱۲ منہ (م)

۴۹۔ اگر رمی کسی دن اصلاً نہ کی۔

۵۰۔ یا کسی ایک دن کی بالکل یا اکثر ترک کر دی مثلاً دسویں کو تین کنکریوں تک ماریں یا گیارہویں کو دس کنکریوں تک۔

۵۱۔ یا کسی ایک دن کی بالکل یا اکثر اس کے بعد دوسرے دن کی، تو ان صورتوں میں دَم دے، اور اگر کسی دن کی رمی اس کے بعد آنے والی رات میں کر لی تو کفارہ نہیں۔

۵۲۔ اگر کسی دن کے نصف سے کم رَمی مثلاً دسویں کی تین کنکریاں، اور دن کی دس بالکل چھوڑ دیں یا دوسرے دن کیں، تو ہر کنکری پر ایک صدقہ دے، ان صدقوں کی قیمت دَم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کر لے۔

۵۳۔ احرام والے نے کسی دوسرے کے بال مونڈے یا ناخن کترے اگر وہ بھی احرام میں ہے تو یہ صدقہ دے اور وہ صدقہ یا دم اسی تفصیل پر کہ اوپر گزری، اور اگر وہ احرام میں نہیں تو کچھ خیرات کر دے اگرچہ ایک مٹھی، اور وہ کچھ نہیں۔

۵۴۔ اور اگر اس کو سلے کپڑے پہنائے یا خوشبو اس طرح لگائی کہ اپنے نہ لگی تو اس پر کفارہ نہیں، ہاں گناہ ہو گا، اگر وہ بھی احرام میں تھا، اور وہ حسبِ تفصیل، مذکور دَم یا صدقہ دے گا۔

۵۵۔ وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج نہ ہوا اسے حج ہی کی طرح پورا کر کے دَم دے اور پھر فوراً ہی سال آئندہ اس کی قضا کر لے، عورت بھی احرام حج میں تھی تو اس پر بھی یہی لازم ہے اور مناسب ہے کہ حج کے احرام سے ختم تک دونوں اس طرح جدا رہیں کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھے۔ اگر خوف ہو کہ پھر اس بلا میں پڑ جائیں گے اور وقوف کے بعد صحبت کرنے سے حج تو نہ جائے گا مگر اگر حلق و طواف سے پہلے کیا تو بدنہ دے اور دونوں کے بیچ میں تو دم، اور بہتر اب[78] بھی بدنہ ہے، اور دونوں کے بعد کچھ نہیں۔

۵۶۔ عمرہ میں طواف کے چار پھیروں سے پہلے جماع کیا تو عمرہ جاتا رہا دَم دے اور عمرہ بھر کرے اور چار کے بعد تو دَم دے عمرہ صحیح ہے۔

۵۷۔ اپنی جوں اپنے بدن یا کپڑوں میں ماری یا پھینک دی تو ایک میں روٹی کا ٹکڑا دے، اور دو ہوں تو مٹھی بھر اناج، اور زیادہ میں صدقہ دے۔

۵۸۔ جوئیں مارنے کو سر یا کپڑا دھویا یا دھوپ میں ڈالا جب بھی یہی کفارے میں جو خود قتل میں تھے۔

۵۹۔ یوں ہی دوسرے نے اس کے کہنے یا اشارہ کرنے سے اس کی جوں کو مارا جب بھی اس پر کفارہ ہے اگرچہ وہ دوسرا احرام میں نہ ہو۔

۶۰۔ زمین وغیرہ پر گری ہوئی جوں یا دوسرے کے بدن یا کپڑوں کی مارنے میں اس پر کچھ نہیں اگرچہ وہ دوسرا بھی

78۔ ذکرتہ خروجاً عن خلاف قوی ۱۲ منہ (م)
میں نے اس کو اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ قوی اختلاف سے خروج ہو جائے۔ (ت)

احرام میں ہو۔

مسئلہ: جہاں ایک دَم یا صدقہ ہے قارِن پر دو ہیں۔

مسئلہ: کفارہ کی قربانی یا قرن و تمتع کے شکرانے کی، غیر حرم میں نہیں ہو سکتی مگر شکرانہ کی قربانی سے آپ کھائے، غنی کو کھلائے، اور کفارے کی صرف محتاجوں کا حق ہے۔

نصیحت: کفارے اس لیے ہیں کہ بھول چوک سے یا سوتے میں یا مجبوری سے جُرم ہوں تو کفارے سے پاک ہو جائیں، نہ اس لیے کہ جان بوجھ کر بِلاعذر جُرم کرو اور کہو کہ کفارہ دے دیں گے، دینا تو جب بھی آئے گا، مگر قصداً حکمِ الٰہی کی مخالفت سخت ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ، حق سُبحانہ، توفیقِ طاعت عطا فرما کر مدینہ کی زیارت کرائے، آمین۔

فصلِ ہفتم: حاضریٔ سرکارِ اعظم مدینہ طیبہ حضور حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ زیارتِ اقدس قریب بہ واجب ہے۔ بہت لوگ دوست بن کر طرح طرح ڈراتے ہیں۔ راہ میں خطرہ ہے، وہاں بیماری ہے۔ خبر دار! کسی کی نہ سُنو، اور ہر گز محرومی کا داغ لے کر نہ پلٹو۔ جان ایک دن جانی ضرور ہے، اس سے کیا بہتر کہ اُن کی راہ میں جائے، اور تجربہ ہے کہ جو اُن کا دامن تھام لیتا ہے، اسے اپنے سائے میں بہ آرام لے جاتے ہیں، کیل کا کھٹکا نہیں ہوتا، والحمدللہ۔

۲۔ حاضری میں خاص زیارتِ اقدس کی نیّت کرو یہاں تک کہ امام ابن الہمام فرماتے ہیں اس بار مسجد شریف کی بھی نیّت نہ کرے۔

۳۔ راستے بھر درود و ذکر شریف میں ڈوب جاؤ۔

۴۔ جب حرم مدینہ نظر آئے بہتر یہ کہ پیادہ ہو لو۔ روتے، سر جُھکاتے، آنکھیں نیچی کیے، اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بل کہ

جائے سر است اینکہ تو پامی نہی	پائے نہ بینی کہ کجا می نہی
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا	ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

۵۔ جب قُبّۂ انور پر نگاہ پڑے درود و سلام کی کثرت کرو۔

۶۔ جب شہر اقدس تک پہنچو جلال و جمالِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں غرق ہو جاؤ۔

۷۔ حاضریِ مسجد سے پہلے تمام ضروریات جن کا لگاؤ دل بٹنے کا باعث ہو نہایت جلد فارغ ہو، ان کے سوا کسی بے کار بات میں مشغول نہ ہو، معاً وضو اور مسواک کرو اور غسل بہتر، سفید و پاکیزہ کپڑے پہنو اور نئے بہتر۔ سُرمہ اور خوش بُو لگاؤ اور مشک افضل ہے۔

۸۔ اب فوراً آستانۂ اقدس کی طرف نہایت خشوع و خضوع سے متوجہ ہو، رونا نہ آئے تو رونے کا منہ

بناؤ، اور دل کو بہ زور رونے پر لاؤ اور اپنی سنگ دلی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف التجا کرو۔

۹۔ جب درِ مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ و سلام عرض کر کے تھوڑا ٹھہرو جیسے سرکار سے حاضری کی اجازت مانگتے ہو۔ بسم اللہ کہہ کر سیدھا پاؤں پہلے رکھ کر ہمہ تن ادب ہو کر داخل ہو۔

۱۰۔ اس وقت جو ادب و تعظیم فرض ہے ہر مسلمان کا دل جانتا ہے آنکھوں، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، دل سب خیالِ غیر سے پاک کرو، مسجدِ اقدس کے نقش و نگار نہ دیکھو۔

۱۱۔ اگر کوئی ایسا سامنے آجائے جس سے سلام کلام ضرور ہو تو جہاں تک بنے کترا جاؤ، ورنہ ضرورت سے زیادہ نہ بڑھو۔ پھر بھی دل سرکار ہی کی طرف ہو۔

۱۲۔ ہر گز ہر گز مسجدِ اقدس میں کوئی حرف چلّا کر نہ نکلے۔

۱۳۔ یقین جانو کہ حضور اقدس ﷺ سچّی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہیں جیسے وفات شریف سے پہلے تھے۔ ان کی اور تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت صرف وعدۂ خدا کی تصدیق کو ایک آن کے لیے تھی، ان کا انتقال صرف نظر عوام سے چھپ جانا ہے۔

امام محمد ابن الحاج مکّی مدخل اور امام احمد قسطلانی مواہبِ لدنیہ میں اور ائمۂ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں:

لَا فَرَقَ بَیْنَ مَوْتِهٖ وَحَیَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مُشَاهِدَتِهٖ لِاُمَّتِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَنِیَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذَالِكَ عِنْدَهٗ جَلِیٌّ لَا خِفَاءَ بِهٖ[79]۔

حضورِ اقدس ﷺ کی حیات وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی اُمت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں اور ان کی نیّتوں، ان کے ارادوں، ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں، اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔

امام رحمہ اللہ تلمیذ امام محقق ابن الہمام منسک متوسط اور علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں:

اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَالِمٌ بِحُضُوْرِكَ وَقِیَامِكَ وَسَلَامِكَ ای بَلْ بِجَمِیْعِ اَفْعَالِكَ وَاَحْوَالِكَ وَارْتِحَالِكَ وَمَقَامِكَ[80]۔

بے شک رسول اللہ ﷺ تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام افعال و احوال و کُوچ و مقام سے آگاہ ہیں۔

79۔ المدخل لابن الحاج، فصل فی زیارۃ القبور، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱/ ۲۵۲۔
شرح مواہب زرقانی، المقصد العاشر، مطبوعہ عامرہ، مصر، ۸/ ۳۴۸۔

80۔ مسلک متقسط مع ارشاد الساری، باب زیارۃ سیّد المرسلین، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۳۳۸۔

۱۴۔ اب اگر جماعت قائم ہو شریک ہو جاؤ کہ اس میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی ورنہ اگر غلبۂ شوق مہلت دے اور اس وقت کراہت نہ ہو تو دو رکعت تحیۃ المسجد و شکرانۂ حاضریِ دربارِ اقدس صرف قُل یا اور قُل سے بہت ہلکی مگر رعایتِ سنّت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ جہاں اب وسط مسجد کریم میں محراب بنی ہے اور وہاں نہ ملے تو جہاں تک ہو سکے اس کے نزدیک ادا کرو، پھر سجدۂ شکر میں گرو اور دُعا کرو کہ الٰہی! اپنے حبیب ﷺ کا ادب اور اُن کا اور اپنا قبول نصیب کر۔ آمین!

۱۵۔ اب کمال ادب میں ڈُوبے ہوئے گردن جھکائے آنکھیں نیچی کیے، لرزتے، کانپتے، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوتے حضور پُرنور ﷺ کے عفو و کرم کی اُمید رکھتے حضورِ والا کی پائین یعنی مشرق کی طرف سے مواجہہ عالیہ میں حاضر ہو کہ حضورِ اقدس ﷺ مزارِ انور میں روبہ قبلہ جلوہ فرما ہیں اس سمت سے حاضر ہو کہ حضور کی نگاہِ بے کس پناہ تمہاری طرف ہو گی اور یہ بات تمہارے لیے دونوں جہان میں کافی ہے۔ والحمدللہ۔

۱۶۔ اب کمالِ ادب و ہیبت و خوف و امید کے ساتھ زیرِ قندیل اس چاندی کی کیل کے جو حجرۂ مطہرہ کی جنوبی دیوار میں چہرۂ انور کے مقابل لگی ہے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے قبلہ کو پیٹھ اور مزارِ انور کو منہ کرکے نماز کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہو۔ لباب و شرح لباب و اختیار شرح مختار، فتاوائے عالمگیری وغیرہا معتمد کتابوں میں اس ادب کی تصریح فرمائی کہ یقف کما فی الصلوٰۃ[81] حضور کے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے، یہ عبارت عالمگیری و اختیار کی ہے۔ اور لباب میں فرمایا: وَاضِعًا یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ[82] دست بستہ دہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑا ہو۔

۱۷۔ خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ، یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا، اپنے مواجہۂ اقدس میں جگہ بخشی، ان کی نگاہِ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے۔ والحمدللہ۔

۱۸۔ الحمدللہ اب کہ دل کی طرح تمہارا منہ بھی اس پاک جالی کی طرف ہے جو اللہ عزّوجلّ کے محبوب عظیم الشان ﷺ کی آرام گاہ ہے نہایت ادب و وقار کے ساتھ بہ آواز حزیں و صورت درد آگیں و دل شرمناک و جگر چاک چاک، معتدل آواز سے، نہ بلند و سخت (کہ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں) نہ نہایت نرم و پست (کہ سنّت کے خلاف ہے اگرچہ وہ تمہارے دلوں کے خطروں تک سے آگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحاتِ ائمہ سے گزرا)۔

مجرا و تسلیم بجالاؤ اور عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اَلسَّلَامُ

81۔ فتاویٰ ہندیہ، خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی ﷺ، نورانی کتب خانہ، پشاور، ۱/ ۲۶۵۔

82۔ شرح لباب مع ارشاد الساری، باب فی زیارت سیّد المرسلین، دار الکتاب العربی، بیروت، ص: ۳۳۷۔

عَلَيْكَ يَاخَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاشَفِيْعَ الْمُذْنِبِيْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ وَاُمَّتِكَ اَجْمَعِيْنَ۔[83]

(اے پیارے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکات ہوں۔ اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔ اے مخلوقِ خدا میں سب سے بہتر! آپ پر سلام ہو۔ اے گنہ گاروں کی شفاعت فرمانے والے آپ پر سلام ہو۔ آپ پر، آپ کے آل و اصحاب پر اور تمام اُمّت پر سلام ہو۔ ت)

۱۹۔ جہاں تک ممکن ہو اور زبان یاری دے اور ملال و کسل نہ ہو، صلوٰۃ و سلام کی کثرت کرو۔ حضور سے اپنے لیے اور اپنے ماں باپ، پیر، استاد، اولاد، عزیزوں، دوستوں اور سب مسلمانوں کے لیے شفاعت مانگو، بار بار عرض کرو: اَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰه[84] (اے اللہ کے رسول! آپ سے شفاعت کا سوالی ہوں۔ ت)

۲۰۔ پھر اگر کسی نے عرض سلام کی وصیت کی، بجالاؤ۔ شرعاً اس کا حکم ہے۔ اور یہ فقیرِ ذلیل ان مسلمانوں کو جو اس رسالے کو دیکھیں، وصیّت کرتا ہے کہ جب انہیں حاضریِ بارگاہ نصیب ہو فقیر کی زندگی میں یا بعد کم از کم تین بار مواجہہ اقدس میں ضرور یہ الفاظ عرض کر کے اس نالائق ننگِ خلائق پر احسان فرمائیں، اللہ ان کو دونوں جہاں میں جزا بخشے۔ آمین:

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلٰی اٰلِكَ وَذُرِّيَّتِكَ فِیْ كُلِّ اٰنٍ وَلَحْظَةٍ عَدَدَ كُلِّ ذَرَّةٍ اَلْفَ اَلْفَ مَرَّةٍ مِنْ عُبَيْدِكَ اَحْمَدْ رَضَا ابْنِ نَقِیْ عَلِیْ يَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ فَاشْفَعْ لَهٗ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ۔

(اے اللہ کے رسول! آپ پر صلوٰۃ و سلام ہو، آپ کی آل و ذریّت پر بھی ہر ذرّے کے برابر، لاکھوں مرتبہ آپ کے غلام احمد رضا بن نقی علی پر، اور وہ آپ سے شفاعت کا خواستگار ہے۔ اس کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمایئے۔ ت)

۲۱۔ پھر اپنے دَہنے ہاتھ یعنی مشرق کی طرف ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے چہرۂ نورانی کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاخَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِی الْغَارِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔[85]

(اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ پر سلام۔ اے رسول اللہ کے یارِ غار! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت و برکات کا نزول ہو۔ ت)

83۔ شرح لباب مع ارشاد الساری، باب فی زیارت سیّد المرسلین، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۳۳۸۔

84۔ شرح لباب مع ارشاد الساری، باب فی زیارت سیّد المرسلین، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۳۳۹۔

85۔ شرح لباب مع ارشاد الساری، باب فی زیارت سیّد المرسلین، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۳۳۹۔

۲۲۔ پھر اتنا ہی اور ہٹ کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے رُوبہ رُو کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُتَمِّمَ الْاَرْبَعِیْنَ ؕ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاعِزَّ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔[86]

(اے امیر المومنین آپ پر سلام۔ اے چالیس مسلمان پورے فرمانے والے! آپ پر سلام۔ اے اسلام اور مسلمانوں کی عزت! آپ پر سلام اور رحمت و برکاتِ الٰہی کا نزول ہو۔ت)

۲۳۔ پھر بالشت بھر مغرب کی طرف پلٹو اور صدیق و فاروق کے درمیان کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا خَلِیْفَتَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ؕ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَا وَزِیْرَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ؕ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَا ضَجِیْعَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ؕ اَسْئَلُکُمَا الشَّفَاعَةَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلَیْکُمَا وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ؕ[87]

(اے رسول اللہ کے دونوں خلیفو! تم پر سلام ہو۔ اے رسول اللہ کے دونوں وزیرو! تم پر سلام ہو۔ اے رسول اللہ کے پہلو میں لیٹنے والو! تم پر سلام اور اللہ کی رحمتوں و برکات کا نزول ہو، آپ دونوں سے درخواست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیکما وبارک وسلم کی خدمتِ اقدس میں میرے لیے شفاعت کا وسیلہ اور سہارا بنو۔ت)

۲۴۔ یہ سب حاضریاں محلِ اجابت ہیں، دُعا میں کوشش کرو، دُعائے جامع کرو، درود پر قناعت بہتر ہے۔

۲۵۔ پھر منبر اطہر کے قریب دُعا مانگو۔

۲۶۔ پھر روضۂ جنّت میں (یعنی جو جگہ منبر و حجرۂ منورہ کے درمیان ہے اور اسے حدیث میں جنّت کی کیاری فرمایا[88]) آکر دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ میں پڑھ کر دُعا کرو۔

۲۷۔ یوں ہی مسجد شریف کے ہر ستون کے پاس نماز پڑھو اور دُعا مانگو کہ محلِ برکات ہیں خصوصًا بعض میں خاص خصوصیت۔

۲۸۔ جب تک مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو ایک سانس بے کار نہ جائے، دو ضروریات کے سوا اکثر وقت مسجد شریف میں باطہارت حاضر رہو۔ نماز و تلاوت درود میں وقت گزارو، دنیا کی بات کسی مسجد میں نہیں چاہیے نہ کہ یہاں۔

۲۹۔ ہمیشہ ہر مسجد میں جاتے اعتکاف کی نیّت کر لو۔ یہاں تمہاری یاددہانی ہی کو دروازے سے بڑھتے ہی یہ کتبہ ملے گا: نَوَیْتُ سُنَّةَ الْاِعْتِکَاف (میں سنّتِ اعتکاف کی نیّت کرتا ہوں۔ت)

۳۰۔ مدینہ طیبہ میں روزہ نصیب ہو خصوصًا گرمی میں تو کیا کہنا کہ اس پر وعدۂ شفاعت ہے۔

86۔ شرح لباب مع ارشاد الساری، باب فی زیارت سیّد المرسلین، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۳۳۹۔

87۔ شرح لباب مع ارشاد الساری، باب فی زیارت سیّد المرسلین، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۳۴۰۔

88۔ شرح لباب مع ارشاد الساری، باب فی زیارت سیّد المرسلین، دار الکتاب العربی، بیروت، ص:۳۴۱۔

۳۱۔ یہاں ہر نیکی ایک کی پچاس ہزار لکھی جاتی ہے لہٰذا عبادت میں زیادہ کوشش کرو، کھانے پینے کی کمی ضرور کرو۔

۳۲۔ قرآن مجید کا کم سے کم ایک ختم یہاں اور حطیم کعبہ معظمہ میں کرلو۔

۳۳۔ روضۂ انور پر نظر بھی عبادت ہے جیسے کعبہ معظمہ یا قرآن مجید کا دیکھنا تو ادب کے ساتھ اس کی کثرت کرو اور درود و سلام عرض کرو۔

۳۴۔ پنجگانہ یا کم از کم صبح و شام مواجہہ شریف میں عرضِ سلام کے لیے حاضر رہو۔

۳۵۔ شہر میں یا شہر سے باہر جہاں کہیں گنبد مبارک پر نظر پڑے، فوراً دست بستہ اُدھر منہ کرکے صلوٰۃ و سلام عرض کرو بغیر اس کے ہرگز نہ گزرو کہ خلافِ ادب ہے۔

۳۶۔ ترکِ جماعت بلاعذر ہر جگہ گناہ ہے اور کئی بار ہو تو سخت حرام و گناہِ کبیرہ، اور یہاں تو گناہ کے علاوہ کیسی سخت محرومی ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ، صحیح حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جسے میری مسجد میں چالیس نمازیں فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ و نفاق سے آزادیاں لکھی جائیں[89]۔

۳۷۔ قبر کریم کو ہرگز پیٹھ نہ کرو اور حتی الامکان نماز میں بھی ایسی جگہ کھڑے ہو کہ پیٹھ کرنی نہ پڑے۔

۳۸۔ روضۂ انور کا طواف کرو، نہ سجدہ، نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔

۳۹۔ بقیع و اُحد و قبا کی زیارت سنّت ہے۔ مسجدِ قبا کی دو رکعت کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے، اور چاہو تو یہیں حاضر رہو۔ سیّدی ابن ابی جمرہ قدس سرہٗ جب حضور ہوتے آٹھوں پہر برابر حضوری میں کھڑے رہتے۔ ایک دن بقیع وغیرہ کی زیارت کا خیال آیا، پھر فرمایا، یہ ہے اللہ کا دروازہ بھیک مانگنے والوں کے لیے کُھلا ہے، اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں ؎

سر ایں جا سجدہ ایں جا بندگی ایں جا قرار ایں جا

۴۰۔ وقتِ رخصت مواجہۂ انور میں حاضر ہو اور حضور سے بار بار اس نعمت کی عطا کا سوال کرو، اور تمام آداب کہ کعبہ معظمہ سے رخصت میں گزرے ملحوظ رکھو اور سچے دل سے دعا کرو کہ الٰہی! ایمان و سنّت پر مدینہ طیبہ میں مرنا اور بقیع پاک میں دفن ہونا نصیب ہو۔ اللّٰھم ارزقنا اٰمین اٰمین یا ارحم الراحمین وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیّدنا محمد وّ اٰلہٖ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین والحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

89۔ مسند احمد بن حنبل، مروی از انس بن مالک، دار الفکر، بیروت، ۳/ ۱۵۵۔

سالنامہ
معارفِ رضا کراچی

کے اس تاریخی شمارے کے اجراپر

دلی مبارک باد

منجانب:

حاجی اختر عبداللہ (امریکہ)

ذی الحج

۳۰ویں سالانہ

امام احمد رضا کانفرنس

کے انعقاد پر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کو

مبارک باد

پیش کرتے ہیں۔

من جانب

زبیر حبیب

سُبُلُ الْاَصْفِیَآءِ

فِیْ حُکْمِ الذَّبْحِ لِلْاَوْلِیَاءِ

(۱۳۱۲ھ)

(اولیاء اللہ کے لیے ذبح کرنے میں اصفیا کے طریقے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ

دررَدِّ فتوائے بعض معاصرین   ۲۵/ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۲ھ

از لشکر گوالیار ڈاک دربار بجواب سوال مولوی نور الدین صاحب،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرا میاں کا اور عمرو نے ایک گائے چہل تن کی اور مرغ مدار کا پالا، اور پال کر ان کو باتکبیر ذبح کیا یا کرایا۔ اس کا کھانا مسلمانوں کو عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

حامدًا لك ومصلّیا ومسلّما علی حبیبك واٰله یا وهّاب اللّٰهم هدایة الحق والصواب۔

یااللہ! تیرے لیے حمد کرنے والا اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والا اور اُن کی آل پر، حق وصواب کی رہ نمائی فرمائے میرے رب! (ت)

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ت) حق اس مسئلے میں ہے کہ حلّت وحرمتِ ذبیحہ میں حال وقول ونیتِ ذابح کا اعتبار ہے نہ کہ مالک کا، مثلاً مسلمان کا جانور کوئی مجوسی ذبح کرے تو حرام ہو گیا اگرچہ مالک مسلم

تھا، اور مجوسی کا جانور مسلمان ذبح کرے تو حلال اگرچہ مالک مشرک تھا، یا زید کا جانور عمرو ذبح کرے اور قصداً تکبیر نہ کہے حرام ہو گیا، اگرچہ مالک برابر کھڑا سو بار بسم اللہ اللہ اکبر کہتا رہے، اور ذابح تکبیر سے ذبح کرے تو حلال، اگرچہ مالک ایک بار بھی نہ کہے، ذابح کلمہ گو نے غیر خدا کی عبادت و تعظیمِ مخصوص کی نیّت سے ذبح کیا تو حرام ہو گیا اگرچہ مالک کی نیّت خاص اللہ عزوجل کے لیے ذبح کی تھی۔

یوں ہی ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لیے ذبح کیا تو حلال، اگرچہ مالک کی نیّت کسی کے واسطے تھی۔ تمام صورتوں میں حالِ ذابح کا اعتبار ماننا اور اس شکلِ خاص میں انکار کر جانا محض تحکم باطل ہے جس پر شرعِ مطہر سے اصلاً دلیل نہیں، ولہٰذا فقہاے کرام خاص اس جزیئے کی تصریح فرماتے ہیں کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتش کدے یا مشرک نے اپنے بتوں کے لیے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اُس نے تکبیر کہہ کر ذبح کی، حلال ہے، کھائی جائے، اگرچہ یہ بات مسلم کے حق میں مکروہ ہے۔ فتاوٰی عالمگیری و فتاوٰی تاتارخانیہ و جامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لاٰلھتھم توکل لانہ سمّی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم۔[1]

مسلمان نے مجوسی کی بکری اُس کے آتش کدے کے لیے یا کسی اور کافر کی اس کے معبودوں کے لیے ذبح کی تو بکری کھائی جائے کیوں کہ اُس نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے، اور یہ عمل مسلمان کو مکروہ ہے۔ (ت)

پھر مسلمان ذابح کی نیّت بھی وقتِ ذبح کی معتبر ہے، اس سے قبل و بعد کا اعتبار نہیں۔ ذبح سے ایک آن پہلے تک خاص اللہ عزوجل کے لیے نیّت تھی، ذبح کرتے وقت غیر خدا کے لیے اس کی جان دی، ذبیحہ حرام ہو گیا، وہ پہلی نیت کچھ نفع نہ دے گی۔ یوں ہی اگر ذبح سے پہلے غیر خدا کے لیے ارادہ تھا، ذبح کے وقت اس سے تائب ہو کر مولٰی تبارک و تعالٰی کے لیے اراقتِ دم کی تو حلال ہو گیا، یہاں وہ پہلی نیّت کچھ نقصان نہ دے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح۔[2]

معلوم ہونا چاہیے کہ ذبح کی ابتدا میں قصد کا اعتبار ہے۔ (ت)

غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ تمام افعال میں اصل نیتِ مقارنہ ہے، نماز سے پہلے خدا کے لیے نیّت تھی، تکبیر کہتے وقت دِکھاوے کے لیے پڑھی، قطعاً مرتکبِ کبیرہ ہوا، اور نماز ناقابلِ قبول، اور اگر دِکھاوے کے لیے اُٹھا تھا، نیّت باندھتے وقت

1۔ فتاوٰی ہندیۃ، کتاب الذبائح، الباب الاول، نورانی کتب خانہ، پشاور، ۵/ ۲۸۶۔

2۔ ردالمحتار، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۵/ ۱۹۶۔

تک یہی قصد تھا، جب نیّت باندھی قصد خالص رب جل وعلا کے لیے کرلیا تو بلاشبہ وہ نماز پاک وصاف وصالح قبول ہوگئی۔ تو ذبح سے پہلے کی شہرت، پکار کا کچھ اعتبار نہیں، نہ نافع نفع دے نہ مضر ضرر، خصوصًا جب کہ پکارنے والا غیر ذابح ہو کہ اسے تو اس باب میں کچھ دخل ہی نہیں۔

کما قد علمت وھذا کلہ ظاھر جدًّا لا یصلح ان یتناطح فیہ قرناء وجمّاء۔

جیسا کہ معلوم ہے اور یہ تمام ظاہر ہے اس میں بالکل گنجائش نہیں کہ اس میں بحث کی جائے۔(ت)

پھر اضافت معنی عبادت میں منحصر نہیں کہ خواہی نہ خواہی مدار کے مرغ یا چھل تن کی گاے کے معنی ٹھہرا لیے جائیں کہ وہ مرغ و گاؤ جس سے ان حضرات کی عبادت کی جائے گی، جس کی جان ان کے لیے دی جائے گی، اضافت کو ادنیٰ علاقہ کافی ہوتا ہے، ظہر کی نماز، جنازے کی نماز، مسافر کی نماز، امام کی نماز، مقتدی کی نماز، بیمار کی نماز، پیر کا روزہ، اونٹوں کی زکوٰۃ، کعبے کا حج، جب ان اضافتوں سے نماز وغیرہ میں کفر وشرک و حرمت درکنار نام کو بھی کراہت نہیں آتی، تو حضرت مدار کے مرغ، حضرت احمد کبیر کی گاے، فلاں کی بکری کہنے سے یہ خدا کے حلال کیے ہوئے جانور کیوں جیتے جی مردار اور سُور ہوگئے کہ اب کسی صورت حلال نہیں ہوسکتے، یہ شرعِ مطہر پر سخت جرأت ہے۔ خود حضورِ پُرنور سیّد المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

ان احبَّ الصیامِ الی اللّٰہ تعالٰی صیامُ داوٗد واحبَّ الصلٰوۃِ الی اللّٰہ عزوجل صلٰوۃُ داوٗد۔[3]

رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما الا الترمذی فعندہ فضل الصیام وحدہ۔

بے شک سب روزوں میں پیارے اللہ تعالیٰ کو داؤد کے روزے ہیں اور سب نمازوں میں پیاری داؤد کی نماز ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔(اس کو ائمۂ صحاحِ ستہ اور امام احمد نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے لیکن امام ترمذی کی روایت میں صرف روزوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ت)

علما فرماتے ہیں مستحب نمازوں میں صلوٰۃ الوالدین یعنی ماں باپ کی نماز ہے:

فی رد المحتار عن الشیخ اسمٰعیل عن شرح شرعۃ الاسلام من المندوبات صلٰوۃ التوبۃ و صلٰوۃ الوالدین۔[4]

3۔ صحیح البخاری، کتاب التھجد، باب من نام عند السحر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۱۵۲ و ۴۸۶۔

صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر الخ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۳۶۷۔

4۔ رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الوتر والنوافل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/ ۴۶۲۔

رد المحتار میں شیخ اسمٰعیل سے بہ حوالہ شرح شرعۃ الاسلام منقول ہے کہ مستحب نمازوں میں صلوٰۃ التوبہ اور صلوٰۃ الوالدین ہے۔(ت)

سبحان اللہ! داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز، داؤد (علیہ السلام) کے روزے، ماں باپ کی نماز کہنا صواب، پڑھنا ثواب، اور جانور کی اضافت وہ سخت آفت کہ قائلین کفار، جانور مردار، کیا ذبح نماز روزے سے بڑھ کر عبادتِ خدا ہے یا اس میں شرک حرام، اُن میں روا ہے۔

خود اضافتِ ذبح کا فرق سنیے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ۔[5] رواہ مسلم والنسائی عن امیر المومنین علی و نحوہ احمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

خدا کی لعنت ہے اس پر جو غیر خدا کے لیے ذبح کرے (اس کو مسلم اور نسائی نے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اور اس کی مثل امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

من ذبح لضیف ذبیحۃ کانت فداءہ من النار۔[6] رواہ الحاکم فی تاریخہ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔

جو اپنے مہمان کے لیے جانور ذبح کرے وہ ذبیحہ اس کا فدیہ ہو جائے آتشِ دوزخ سے۔ (اس کو امام حاکم نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تو معلوم ہوا کہ ذبیحہ میں غیر خدا کی نیت اور اس کی طرف نسبت مطلقاً کفر کیا حرام بھی نہیں، بل کہ موجبِ ثواب ہے، تو ایک حکم عام کفر و حرام کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

ولہٰذا اعلا فرماتے ہیں: مطلقاً نیتِ غیر کو موجبِ حرمت جاننے والا سخت جاہل اور قرآن و حدیث و عقل کا مخالف ہے، آخر قصاب کی نیت تحصیلِ نفع دینا اور ذبائح شادی کا مقصود برات کو کھانا دینا ہے، نیّتِ غیر تو یہ بھی ہوئی، کیا یہ سب ذبیحے حرام ہو جائیں گے۔ یوں ہی مہمان کے واسطے ذبح کرنا درست و بجا ہے کہ مہمان کا اکرام عین اکرام خدا ہے۔ درِ مختار میں ہے:

5۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۱۶۰۔

6۔ الجامع الصغیر بہ حوالہ الحاکم فی التاریخ، حدیث ۸۶۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲/ ۵۲۶۔

لو ذبح للضيف لا يحرم لانه سنة الخليل و اكرام الضيف اكرام الله تعالٰی۔[7]

جس نے مہمان کی نیّت سے ذبح کیا تو حرام نہیں کیوں کہ یہ خلیل علیہ السلام کی سنّت اور مہمان کا اکرام ہے، اور مہمان کا اکرام اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال البزازی و من ظن انه لا يحل لانه ذبح لاكرام ابن اٰدم فيكون اهل به لغير الله تعالٰى فقد خالف القراٰن والحديث و العقل فانه لاريب ان القصاب يذبح للربح ولو علم انه نجس لايذبح فيلزم هذا الجاهل ان لا يكل ماذبح القصاب وما ذبح للولائم والاعراس والعقيقة۔[8]

بزازی نے کہا اور جس نے گمان کیا کہ وہ اس لیے حلال نہیں کہ اس میں بنی آدم کا اکرام ہے تو یہ غیر اللہ کے نام سے ذبح ہوا تو اس نے قرآن و حدیث اور عقل کے خلاف بات کی، کیوں کہ بلاشبہ قصاب اپنے نفع کے لیے ذبح کرتا ہے۔ اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو وہ ذبح نہ کرے، تو ایسے جاہل کو چاہیے کہ وہ قصاب کے ذبح کردہ کو نہ کھائے اور ولیمہ اور شادی اور عقیقہ کے لیے ذبح کردہ کو بھی نہ کھائے۔(ت)

دیکھو علمائے کرام صراحۃً ارشاد فرماتے ہیں کہ مطلقاً نیّت و نسبتِ غیر کو موجبِ حرمت جاننا اور مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللہ میں داخل ماننا نہ صرف جہالت بل کہ جنون و دیوانگی اور شرع و عقل دونوں سے بے گانگی ہے، جب نفعِ دنیا کی نیّت مخل نہ ہوئی تو فاتحہ اور ایصالِ ثواب میں کیا زہر مل گیا اور اکرامِ مہمان عین اکرامِ خدا ٹھہرا تو اکرام اولیا بدرجۂ اولا۔

ہاں اگر کوئی جاہل اجہل یہ نسبت و اضافت بقصدِ عبادتِ غیر ہی کرتا ہے تو اُس کے کفر میں شک نہیں، پھر بھی اگر ذابح اس نیّت سے بَری ہے تو جانور حلال ہو جائے گا کہ نیّتِ غیر اس پر اثر نہیں ڈالتی، کما حققناه اٰنفا (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ت)

مگر جب کہ حدیثاً و فقہیاً دلائل قاہرہ سے ثابت کرچکے کہ اضافت معنی عبادت ہی میں منحصر نہیں، تو صرف اِس بنا پر حکمِ کفر محض جہالت وجرأت و حرامِ قطعی اور مسلمانوں پر ناحق بدگمانی ہے، تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ آدمیوں کا جانور کہنے سے عبادتِ آدمیان کا ارادہ کرتے اور انھیں اپنا معبود و خدا بنانا چاہتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

7۔ درِ مختار، کتاب الذبائح، مطبع مجتبائی، دہلی، ۲/ ۲۳۰۔

8۔ ردالمحتار، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۵/ ۱۹۶۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔[9]

اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو، بے شک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔[10]

بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ، بے شک کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہونا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اِیَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِیْثِ۔[11] رواہ الائمۃ مالك والشیخان و ابوداؤد و الترمذی عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ۔

گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔ (اس کو امام مالک، شیخین، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں ﷺ:

اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَهَآ اَمَلًا۔[12] رواہ مسلم، عن اسامة بن زید رضی اللہ عنہ۔

تُو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا۔ (اس کو امام مسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

امام عارف باللہ سیدی احمد زروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انّما ینشأ الظن الخبیث عن القلب الخبیث۔[13] نقله سیدی عبد الغنی النابلسی فی شرح الطریقة المحمدیة۔

بدگمانی خبیث دل سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ (اس کو سیدی عبدالغنی نابلسی نے شرحِ طریقہ محمدیہ میں نقل کیا ہے۔ت)

9۔ القرآن الکریم، ۴۹/ ۱۲۔

10۔ القرآن الکریم، ۱۷/ ۳۶۔

11۔ صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب قول عزوجل من بعد وصیة، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۳۸۴۔
صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظن　الخ، قدیمی کتاب خانہ، کراچی، ۲/ ۳۱۶۔

12۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر　الخ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۶۸۔

13۔ الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة، الخلق الرابع والعشرون، مکتبۂ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ۲/ ۸۔

ولہٰذا منیہ وذخیرہ وشرح وہبانیہ ودرِ مختار وغیرہا میں ارشاد فرمایا:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انه یتقرب الی الاٰدمی بهذا النحر۔[14]

ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہتا ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

ای علی وجه العبادة لانه المکفر وهذا بعید من حال المسلم۔[15]

یعنی اس تقرب سے تقرب بروجہِ عبادت مراد ہے کہ اس میں کفر ہے اور اس کا خیال مسلمان کے حال سے دور ہے۔

بل کہ علما تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود ذابح خاص وقتِ تکبیر میں یوں کہے: "بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد ﷺ" تو یہ کہنا مکروہ تو بے شک ہے مگر کفر کیسا! جانور حرام بھی نہ ہوگا، جب کہ اس لفظ سے اس کی نیت حضور سیّدِ عالم ﷺ کی تعظیم محض ہو، نہ معاذ اللہ حضور کو ربّ عزّوجلّ کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔

امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں اپنے فتاوٰی میں تحریر فرماتے ہیں:

رجل ضحی و ذبح وقال بسم الله بنام خدائے بنام محمد ﷺ قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمه الله تعالٰی ان اراد الرجل بذکر اسم النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بتبجیله وتعطیمه جاز ولا باس وان اراد به الشرکة مع الله تعالٰی لاتحل الذبیحة۔[16]

کسی نے بنامِ خدا بنامِ محمد ﷺ قربانی کی یا ذبح کیا، شیخ امام ابو بکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر اس شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے صرف تعظیم و تبجیل مراد لی تو جائز ہے اور اگر اللہ تعالٰی کے ساتھ شریک بنایا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ (ت)

بل کہ اس سے بھی زائد خاص صورتِ عطف میں مثلاً "بنامِ خدا و بنامِ فلاں" جس سے صاف معنی شرکت ظاہر ہے اگرچہ مذہب صحیح حرمتِ جانور ہے مگر حکمِ کفر نہیں دیتے کہ وہ امر باطنی ہے، کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہے۔ درِ مختار میں ہے:

ان عطف حرمت نحو باسم الله واسم فلان۔[17]

14۔ در مختار، کتاب الذبائح، مطبع مجتبائی، دہلی، ۲/ ۲۳۰۔

15۔ ردالمحتار، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۵/ ۱۹۷۔

16۔ فتاوٰی قاضی خاں، کتاب الاضحیة، فصل فی الانتفاع بالاضحیة، نولکشور، لکھنؤ، ۴/ ۷۵۰۔

17۔ در مختار، کتاب الذبائح، مطبع مجتبائی، دہلی، ۲/ ۲۲۸۔

اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر دوسرے نام کا عطف کیا تو حرام ہے، مثلاً باسم اللہ واسمِ فلاں۔(ت)

ردّ المحتار میں ہے:

هو الصحيح وقال ابن سلمة لا تصير ميتة لا نهالو صارت ميتة يصير الرجل كافرا، خانية، قلت تمنع الملازمة بان الكفر امر باطني والحكم به صعب فيفرق كذا في شرح المقدسي، شرنبلالية۔[18]

وہی صحیح ہے اور ابنِ سلمہ نے فرمایا، مردار نہ ہوگا کیوں کہ اگر مردار کہیں گے تو ذبح کرنے والے کو کافر قرار دینا ہوگا، خانیہ۔ میں کہتا ہوں یہ ملازمہ ممنوع ہے کیوں کہ کفر باطنی امر ہے اور اس کا حکم دشوار ہے تو فرق کرنا ضروری ہے، شرح مقدسی میں اسی طرح ہے، شرنبلالیہ۔(ت)

اللہ اکبر! خود ذابح خاص تکبیرِ ذبح میں نامِ خدا کے ساتھ نامِ غیر ملا کر پکارے اور کافر نہ ہو، جب تک معنیِ شرک کا ارادہ نہ کرے بل کہ بے حرفِ عطف "بنامِ خدا بنامِ محمد ﷺ" کہے اور اس نامِ پاک کے لینے سے نبی ﷺ کی تعظیم ہی چاہے، حضور کی عظمت ہی کے لیے خاص وقتِ ذبح بنامِ خدا کے ساتھ بنامِ محمد ﷺ کہے تو جانور میں اصلاً حرمت و کراہت بھی نہیں، مگر پیش از ذبح اگر کسی نے یوں پکار دیا کہ "فلاں کا بکرا، فلاں کی گائے" تو پکارنے والا مشرک اور اس کے ساتھ یہ لفظ منہ سے نکلتے ہی جانور کی بھی کایا پلٹ ہو کر فوراً بکری سے کتّا، گائے سے سور، اگرچہ وہ منادی غیر ذابح ہو، اگرچہ ابھی نہ وقتِ ذبح نہ دمِ تکبیر، معاذ اللہ۔ وہ لفظ کیا تھے، جادو کے انچھر تھے کہ چھوتے ہی جانور کی ماہیت بدل گئی؟ ایسے زبردستی کے احکام شرعِ مطہر سے بالکل بے گانہ ہیں۔

بڑی دلیل ان کے قصدِ عبادتِ غیر و معنیِ شرک پر یہ پیش کی جاتی ہے کہ "اس ذبح کے بدلے گوشت خرید کر تصدّق کرنا اُن کے نزدیک کافی نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب مقصود نہیں، بل کہ خاص ذبح للغیر و شرکِ صریح مراد ہے، اگرچہ وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمارا مطلب صرف ایصالِ ثواب ہی ہے۔"

اقول اس سے صرف اتنا ثابت ہُوا کہ خاص ذبح مراد ہے، ذبح للغیر کہاں سے نکلا، کیا ثوابِ ذبح کوئی چیز نہیں، یا گوشت دینے میں وہ بھی حاصل ہو جاتا ہے؟ عنایہ میں ہے:

التضحية فيها افضل من التصدق بثمن الاضحية لان فيها جمعا بين التقرب باراقة

18۔ ردالمحتار، کتاب الذبائح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۵/ ۱۹۱۔

الدم والتصدق والجمع بین القربتین افضل اھ[19] ملخصًا۔

اس صورت میں قربانی کرنا اس کی قیمت کے صدقے سے افضل ہے کیوں کہ قربانی میں دونوں قربتیں حاصل ہوتی ہیں، خون بہاؤ اور صدقہ بھی، جب کہ دو قربتوں کو جمع کرنا افضل ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

مع ہٰذا عوام ایسی اشیا میں مطلقًا تبدیل پر راضی نہیں ہوتے، مثلاً جو آٹے کی چٹکی روازنہ اپنے گھر کے خرچ سے نکالتے اور ہر ماہ اُسے پکا کر حضورِ پُرنور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نیاز دِلا کر محتاج کو کھلاتے ہیں، اگر اُن سے کہیے کہ یہ آٹا جو جمع ہوا ہے، اپنے خرچ میں لائیے اور اِس کے عوض اور پکائیے، کبھی نہ مانیں گے، حال آں کہ آٹے میں کوئی ذبح کا محل نہیں اور ذبح بھی اگر اس جانور کے بدلے دوسرا جانور دیجیے، ہرگز نہ لیں گے، حال آں کہ ادائے ذبح میں دونوں ایک سے، تو اس کا کافی نہ سمجھنا اسی خیالِ تعیین و تخصیص کی بنا پر ہے، نہ معاذ اللہ اس توہّمِ باطل پر، خصوصًا جب کہ وہ بے چارے صراحۃً کہہ رہے ہیں کہ حاشا اللہ ہم عبادتِ غیر نہیں چاہتے، صرف ایصالِ ثواب مقصود ہے۔

اور اگر انصاف کیجیے تو دربارۂ عدمِ تبدیل ان کا وُہ خیال بے اصل بھی نہیں، اگرچہ انہوں نے اس میں تشدد زیادہ سمجھ لیا ہو، جن چیزوں پر نیّتِ قربت کرلی گئی، شرعِ مطہر میں بِلاوجہ اُن کا بدلنا پسند نہیں، لاسیما اذا کان النزول الی الناقص کما ھٰھنا وکل ذلك ظاھرًا جدًّا (خصوصًا جب کہ اعلا سے ادنا کی طرف تنزل ہو جیسا کہ یہاں ہے اور یہ تمام نہایت ظاہر ہے۔ ت)

ولہٰذا اگر غنی قربانی کے لیے جانور خریدے اور اس معیَّن کی نذر نہ ہو تو جانور متعین نہیں ہو جاتا، اُسے اختیار ہے کہ اُس کے بدلے دوسرا جانور قربانی کرے، پھر بھی بدلنا مکروہ ہے کہ جب اس پر قربت کی نیّت کرلی تو بلاوجہ تبدیل نہ چاہیے۔

ہدایہ میں ہے:

بالشراء للتضحیۃ لایمتنع البیع۔[20]

قربانی کے لیے خرید، بیع کے لیے مانع نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

ویکرہ ان یبدل بھا غیرھا۔[21]

19۔ العنایۃ علی ھامش فتح القدیر، کتاب الاضحیۃ، مکتبۂ نوریہ رضویہ، سکھر، ۸/ ۴۳۲۔

20۔ الھدایۃ، کتاب الاضحیۃ، مطبع یوسفی، لکھنؤ، ۴/ ۴۴۳۔

21۔ الھدایۃ، کتاب الاضحیۃ، مطبع یوسفی، لکھنؤ، ۴/ ۴۴۹۔

اور اس قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا مکروہ ہے۔(ت)

اسی طرح تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔

بالجملہ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول و فعل کو وجہِ صحیح پر حمل واجب، اور یہاں ارادۂ قلب پر بے تصریح قائل حکم لگانے کی اصلًا راہ نہیں، اور حکم بھی کیسا کفر و شرک کا، جس میں اعلا درجے کی احتیاط فرض، یہاں تک کہ ضعیف سے ضعیف احتمالِ بچاؤ نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم، کما حقق کل ذٰلك الائمة المحققون فی تصانیفھم الجلیلة (جیسا کہ ائمہ محققین نے اپنی تصانیف میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت)

اگر بالفرض بعض کور دل احمقوں پر یہ ثبوت شرعی ثابت بھی ہو کہ ان کا مقصود معاذ اللہ عبادتِ غیر ہے تو حکمِ کفر صرف اُن ہی پر صحیح ہو گا، اُن کے سبب حکمِ عام لگا دینا اور باقی لوگوں کی بھی یہی نیت سمجھ لینا محض باطل۔

قال اللہ تعالٰی لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔[22]

(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی۔(ت)

پس حق یہ ہے کہ نہ مطلقًا اس نام پر پکارنے پر حکمِ شرک صحیح، نہ اس وجہ سے جانور کو مردار مان لینا درست، بل کہ حکمِ شرک کے لیے قائل کی نیّت پوچھیں گے، اگر اقرار کرے کہ اس کی مراد عبادتِ غیر ہے تو بے شک مشرک کہیں گے ورنہ ہر گز نہیں۔ اور حکمِ حرمت میں صرف قول و فعل و نیتِ ذابح خاص وقتِ ذبح پر مدار رکھیں گے۔ اگر مالک خواہ غیر مالک کسی کلمہ گو نے معاذ اللہ اسی نیّتِ شرک کے ساتھ ذبح کیا تو بے شک حرام کہ وہ اس نیت سے مرتد ہو گیا، اور مرتد کا ذبیحہ نہیں، اور اگر اللہ عزّوجلّ کے لیے جان دی اور قصدًا تکبیر ترک نہ کی تو بے شک حلال، اگرچہ اس پر باعث ایصالِ ثواب یا اکرام اولیا یا نفعِ دنیا وغیرہا مقاصد ہوں، اگرچہ مالک غیر ذابح کی نیت معاذ اللہ وہی عبادتِ غیر ہو، اگرچہ پیش از ذبح یا غیر ذابح نے وقتِ ذبح کسی کا نام پکارا ہو، مالک سے وہ نیّتِ ناپاک ثابت ہونا بھی ذابح پر کچھ مؤثر نہیں، جب تک خود اس سے بھی اسی نیّت پر جان دینا ثابت نہ ہو کہ جب اس سے وہ نیّت ثابت نہیں، اور مسلمان اپنے رب عزّوجلّ کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے تو اس پر بدگمانی حرام و ناروا ہے، اوہامِ تراشیدہ پر مسلمان کو معاذ اللہ مرتکبِ کفر سمجھنا، حلالِ خدا کو حرام کہہ دینا، نامِ الٰہی عزّوجلّ جو وقتِ تکبیر لیا گیا باطل و بے اثر ٹھہرانا ہر گز وجہِ صحت نہیں رکھتا۔ اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے:

وَمَا لَکُمْ اَلَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔[23]

22۔ القرآن الکریم، ۶/ ۱۶۴۔

تمہیں کیا ہوا کہ نہ کھاؤ اس جانور سے جس کے ذبح میں اللہ کا نام یاد کیا گیا۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

انما کلفنا بالظاھر لا بالباطن فاذا ذبحہ علی اسم اللہ وجب ان یحل، ولا سبیل لنا الی الباطن۔[24]

یعنی ہمیں شرعِ مطہر نے ظاہر پر عمل کا حکم فرمایا ہے، باطن کی تکلیف نہ دی، جب اُس نے اللہ عزوجل کا نام پاک لے کر ذبح کیا، جانور حلال ہو جانا واجب ہوا کہ دل کا ارادہ جان لینے کی طرف ہمیں کوئی راہ نہیں۔

یہ چند نفیس و جلیل فائدے حفظ کے قابل ہیں کہ بہت ابنائے زمان ان میں سخت خطا کرتے ہیں۔ وباللہ العصمۃ والتوفیق وبہ الوصول الی التحقیق (حفاظت و توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی کی مدد سے تحقیق تک رسائی ہے۔ت) واللہ سبحٰنہٗ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

☆☆☆

23۔ القرآن الکریم، ۶/ ۱۱۹۔

24۔ مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳، المطبعۃ البہیۃ المصریۃ، مصر، ۵/ ۲۳۔

مِصبَاحُ الشُّهُور

سالنامہ معارفِ رضا ۲۰۱۰ء

(۱۲/ اسلامی مہینوں کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کے رسائل)

۱۔ اَعَالِی الْاِفَادَۃِ فِیْ تَعْزِیَۃِ الْھِنْدِ وَبَیَانِ شَھَادَۃِ
۲۔ نُطْقُ الْھِلَالِ بِاَرْخِ وِلَادِ الْحَبِیْبِ وَالْوِصَالِ
۳۔ طَرْدُ الْاَفَاعِیْ عَنْ حِمٰی ھَادٍ رَّفَعَ الرِّفَاعِیْ
۴۔ تَنْزِیْہُ الْمَکَانَۃِ الْحَیْدَرِیَّۃِ عَنْ وَّصْمَۃِ عَھْدِ الْجَاھِلِیَّۃِ
۵۔ غَایَۃُ التَّحْقِیْقِ فِیْ اِمَامَۃِ الْعَلِیِّ وَالصِّدِّیْقِ
۶۔ مُنَبِّہُ الْمُنْیَۃِ بِوُصُوْلِ الْحَبِیْبِ اِلَی الْعَرْشِ وَالرُّؤْیَۃِ
۷۔ وَصَافُ الرَّجِیْحِ فِیْ بَسْمَلَۃِ التَّرَاوِیْحِ
۸۔ اَلْعُرُوْسُ الْمِعْطَارُ فِیْ زَمَنِ دَعْوَۃِ الْاِفْطَارِ
۹۔ سُرُوْرُ الْعِیْدِ السَّعِیْدِ فِیْ حِلِّ الدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعِیْدِ
۱۰۔ وِشَاحُ الْجِیْدِ فِیْ تَحْلِیْلِ مُعَانَقَۃِ الْعِیْدِ
۱۱۔ اَنْوَارُ الْبِشَارَۃِ فِیْ مَسَائِلِ الْحَجِّ وَالزِّیَارَۃِ
۱۲۔ سُبُلُ الْاَصْفِیَآءِ فِیْ حُکْمِ الذَّبْحِ لِلْاَوْلِیَاءِ